



مقام الی حنیفہ

تالیف

امام اہلسنت شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ

مکتبہ صفا کتب خانہ

مدرسہ اعلیٰ اسلامیہ اسلام آباد

وَقَدْ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ فَذَرْنَا مَنِاعَكَ بِحُجَّتِكَ لِيُتَبَيَّنَ لِيَالِدِيكِ الْكَرِيمِ (قرآن مجید)

وَدُبَّ حَامِلٌ فِيهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ الْحَدِيثُ (حدیث شریف)
خدا کے بہت اُونچا ہے معیار نظر اس کا بوقتِ فیض جس نے اپنے بیگانے نہیں دیکھے

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

مقامِ ابی حنیفہ

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث اور علماء اسلام کے مثنوی جوابات فقہ اور فقہاء کی فضیلت اور اس کی ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے اور فقہاء صحابہ اور اہل کوفہ کی حدیث دانی اور فقہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ کا مقام فقہ، حدیث اور علم کلام میں صریح حوالوں سے بتایا گیا ہے۔ نیز ان کی دیانت، امانت، استقامت اور تقاہت پر واضح حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ ان پر مرجیہ، اہل الرائی، مخالف اسلام و حدیث اور قلتِ عربیت وغیرہ کے جتنے اصولی اعتراضات قدیم و جدید کیا گئے ہیں ان کے اصولی جوابات دیئے گئے ہیں اور اس میں معترضین کا تعصب، عناد اور اجتہادی غلطی بھی آشکارا کی گئی ہے نیز ہر ایہ فقہ حنفی کی دیگر کتب و احناف پر کیے گئے بعض اعتراضات کے دندان شکن جواب بھی دیئے گئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی بیسیوں ضمنی ابحاث میں جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ

احقر البوالزاحد محمد سرفراز خاں صفدر

خطیب جامع گکھڑ منڈی و مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ناشر: مکتبہ صفدیہ مدینہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ

جس حقوق بحق مکتبہ صفیریہ گوجرانوالہ محفوظ ہیں۔

طبع یازدہم جنوری ۲۰۰۷ء

نام کتاب _____ مقام اُبی حنیفہ

مصنف _____ ابو الزاہد حضرت مولانا محمد سرفرز خان دہلوی مدظلہ العالی

کتابت _____ محمد امان اللہ قادری

ناشر _____ مکتبہ صفیریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

مطبع _____ فائن بکس پرنٹرز، لاہور

قیمت _____ ۱۲۰/- (ایک سو بیس) روپے

ملنے کی جگہ

- | | |
|---|---|
| ○ مکتبہ امدادیہ ملتان | ○ مکتبہ صفیریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ |
| ○ مکتبہ حقانیہ ملتان | ○ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی |
| ○ مکتبہ مجیدیہ ملتان | ○ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور |
| ○ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور | ○ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور |
| ○ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد | ○ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی |
| ○ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد | ○ مکتبہ العارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد |
| ○ دارالکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور | ○ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیوروڈ مینگورہ |
| ○ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ | ○ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ مکی مردت |
| ○ مسجد بنوری ٹاؤن کراچی | ○ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی |
| ○ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ | ○ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ |
| ○ مکتبہ العلم اردو بازار لاہور | ○ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ |

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۷	تفقہ فی الدین	۱۳	دیباچہ طبع سوم
۲۸	قرآن کریم میں تفقہ کی فضیلت	۱۴	تصدیقات اکابرین ملت و علماء عظام امت معاہدہ
۲۹	عدم تفقہ مذموم ہے	۱۵	حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۰	حدیث میں فقہ کا درجہ	۱۶	حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۱	حضرت امیر معاویہؓ کی حدیث	۲۰	حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۲	حافظ ابن حجرؒ سے ائمہ کی تشریح	۲۱	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۳	حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث	۲۲	حضرت مولانا محمد سلیم اللہ صاحب اہلبیت برکاتہم
۳۴	حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی حدیث	۲۳	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۵	ابن خلدونؒ کا حوالہ	۲۴	حضرت مولانا طہر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۶	حضرت جابر بن مطعمؓ کی حدیث	۲۵	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۷	ان کی حدیث صحیح بلکہ مشہور و متواتر ہے	۲۶	حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۸	امام حاکم، امام ذہبی، امام سیوطی اور نواب مسکن کے حوالہ سے	۲۷	حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۹	حضرت عمرؓ کا حوالہ	۲۸	حضرت مولانا امین الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۴۰	باب دوم	۲۹	حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۴۱	فقہ و روایت	۳۱	حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۴۲	حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا حوالہ	۳۳	سختیائے گلشن
۴۳	ابو بکرؓ بن عبدانؒ کا حوالہ		باب اول

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۶	امام شعبیؒ کا حوالہ	۴۶	امام احمد بن حنبلؒ کا حوالہ
۵۶	حافظ ابن القیمؒ کا بیان	۴۷	امام ابو ثورؒ کا درجہ
۵۶	نواب صاحبؒ کا بیان	۴۷	امام احمد بن حنبلؒ کا درجہ اجتہاد میں اقل تھا
۵۶	مولانا مبارکپوریؒ کا بیان	۴۷	حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ کا حوالہ
۵۶	اصحاب عبد اللہ بن مسعود	۴۷	ایک فقہی مسئلہ میں محدثین کا جواب ہونا
۵۶	امام شعبیؒ کا مرتبہ	۴۸	امام ترمذیؒ کا حوالہ
۵۸	کوفہ میں صحابہ کرامؓ کا درود	۴۸	امام عیسیٰؒ کا حوالہ
۵۸	حضرت علیؓ کے بیشتر قضایا کوفہ میں ہوئے	۴۹	امام وکیع بن الجریجؒ کا حوالہ
۵۸	ان سے پہلے بھی کوفہ مرکز دین رہا	۴۹	علاء حارثیؒ کا حوالہ
۵۹	کوفہ میں کتنے صحابہؓ فرودکش ہوئے؟	۵۰	امام حاکمؒ کا حوالہ
۶۰	امام حاکمؒ، ابن سعدؒ، دولابیؒ، بخاریؒ اور سفہادیؒ	۵۰	ہلال بن العلاء الرقیؒ کا حوالہ
۶۰	کوفہ محل الفضل تھا۔ امام نوویؒ کا حوالہ	۵۱	امام ابن الجوزیؒ کا حوالہ
۶۰	سفیان بن عیینہؒ کا حوالہ	۵۱	حافظ ابن حجرؒ کا حوالہ
۶۱	ابن عساکرؒ کا حوالہ	۵۱	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا حوالہ
۶۱	محمد بن یسوعؒ کا حوالہ	۵۲	ابن خلدونؒ کا حوالہ
۶۱	محدث عفان بن مسلمؒ کا حوالہ	۵۲	حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حوالہ
۶۲	محدث ابو بکر بن ابی داؤدؒ کا حوالہ	۵۲	نواب صاحبؒ کا حوالہ
۶۲	الاشیخ کون اور کیسے تھے؟	۵۳	مسعود بن اسمعیل الشافعیؒ کا حوالہ
۶۲	حضرت امام بخاریؒ کا بیان	۵۴	فتہ سے کوئی چارہ نہیں
۶۳	حضرت امام احمدؒ کا بیان	۵۴	باب سوم
۶۳	اہل کوفہ اور علم حدیث	۵۵	فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم
۶۳	کیا اہل کوفہ کی حدیث میں تردید نہیں ہوتا؟	۵۵	امام سروقی بن الاعمشؒ کا حوالہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۳	علامہ ابن ندیم کا بیان	اس کا جواب	
۶۴	عبد بن اثیر کا بیان	جموعۃ ثقیل محل حدیث کے الفاظ میں زیادہ سختی نہیں کہتے	
۶۵	حافظ ابن کثیر کا بیان	یعنی عیاض، حافظ عراقی، ابن جریر کا بیان	
۶۶	مؤرخ ابن خلدون کا بیان	مؤلف نتائج التعلیق کی غلط بیانی	
۶۷	ابن حجر مکی کا بیان	اہم دیکھ جا رہی کو ثقہ کہتے تھے	
۶۸	حضرت امام شافعی کا بیان	اہل کوفہ سے کیا مراد ہے؟ مبارکپوری صاحب کے	
۶۹	حافظ الدین کردی کا حوالہ	مؤلف غیر الکلام کا باطل دعویٰ کہ اہل کوفہ کی نقل ہی صحیح نہیں	
۷۰	امام قسطلانی کا بیان	تذکرۃ الحفاظ کی پہلی جلد اہل کوفہ کے	
۷۱	امام ابویوسف کا بیان	حفاظ حدیث کی قدریت	
۷۲	امام عیسیٰ کا اقرار	باب چہارم	
۷۳	عبد اللہ بن ادیس کا آداب	امام صاحب کا مقام علم کلام و فقہیت میں	
۷۴	ابو حاتم البلی کا بیان	حضرت امام شافعی کا حوالہ	
۷۵	امام یزید بن ہرون کا بیان	محدث ابن جریر کا حوالہ	
۷۶	امام تاج الدین سبکی کا بیان	محدث مسقر بن کدوم کا حوالہ	
۷۷	امام اندلسی اور عمری کا بیان	محدث اسرائیل کا حوالہ	
۷۸	امام عبد اللہ بن المبارک کا بیان	ابو جعفر رازی کا بیان	
۷۹	عبد اللہ بن ولید کا بیان	علامہ ذہبی کا بیان	
۸۰	محمد بن بشر کا بیان	امام عبد البر کا بیان	
۸۱	ابو نعیم کا بیان	مؤلف خطیب بغدادی کا بیان	
۸۲	عبد اللہ بن یزید ترمذی کا بیان	امام ابن حبان کا بیان	
۸۳	مکی بن ابراہیم کا بیان	امام عبد الرحمن بن مہدی کا بیان	
۸۴	یحییٰ بن سعید القطان کا بیان	امام حسن بن صالح کا بیان	

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۹۱	مگر وہ پھر بھی قاضی القضاۃ اور وزیر خزانہ نہ بنے	۸۱	یحییٰ بن معین کا بیان
۹۳	فقتار کا مخلصانہ مشورہ	"	سفیان بن عیینہ کا بیان
۹۵	امام صاحب کو نہایت وقت خاص لگ کر دینے جاتے تھے	"	ابراہیم بن عکرمہ المخزومی کا بیان
"	ابو جعفر مصنف کے عہد میں بھی امام صاحب کو کڑھل کی سزا دی گئی	"	علامہ محمد طاہر کا بیان
۹۶	امام صاحب کو برہنہ کر کے سزا دی جاتی تھی	"	نواب صاحب کا بیان
۹۷	حضرت امام احمد کا تاثر	"	مولانا محمد حنیف صاحب ندوی کا بیان
۹۸	جیل خانہ میں اذیت	۸۲	حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب کا بیان
"	قید خانہ ہی میں زبردستی زہر دیا گیا	"	تابعی کیلئے جمعہ ائمہ حدیث کے نزدیک روایت شرط نہیں ہے
۱۰۰	فقہ حنفی کی مقبولیت	"	امام صاحب تابعی تھے۔ ابن ندیم
۱۰۱	در اکین شونہ	۸۳	امام صاحب کی بشارت حدیث میں
۱۰۲	امام صاحب کی وسعت نظر	"	حضرت ابو ہریرہ کی حدیث
۱۰۳	تدوین کتب کا سہرا امام صاحب کے سر پہ	۸۴	امام سیوطی سے اس کی تشریح
۱۰۴	صمد اللکھ، امام سیوطی، ابن حجر مکی	۸۵	دین کا کیا مفہوم ہے؟
۱۰۵	الفقہ الاکبر اور کتاب العلم والمتعلم وغیرہ صاحب کی تابعیت میں	"	اس کی تشریح امام نووی شافعی سے
۱۰۶	امام ابن ندیم، دول شاہ کجری زادہ	"	حدیث بشیر کا مصداق ابن حجر مکی سے
۱۰۷	باب جمع	"	محمد معین سندھی سے
۱۰۸	حضرت امام صاحب اور علم حدیث	"	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے
۱۰۹	امام ابن عبد البر کا حوالہ	۸۶	نواب صاحب سے
"	محدث ابن عدی کا حوالہ	"	امام صاحب کی دیانت
۱۱۰	امام مکی بن ابراہیم کا حوالہ	"	امام صاحب کی امانت
۱۱۱	امام عینی بن مائان کا حوالہ	۸۷	امام صاحب کی استقامت
"	امام ابو عبد الرحمن المقرئ کا حوالہ	۸۸	ابن ہبیر نے ایک سو کھنڈے امام صاحب کے لکوائے تھے
۱۱۲	امام اسرائیل کا حوالہ	۹۰	
"	امام عینی بن یونس کا حوالہ	۹۱	

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۲۱	مولانا تیسریال کوٹی صاحب	۱۱۲	امام عبداللہ بن داؤد الخرمی کا حوالہ
۱۲۲	نواب صاحب	۱۱۳	امام زرقا بیان
"	غنیۃ الطالبین کی عبارت کامل	"	محدث مجتہدین کرام کا بیان
۱۲۳	حنفی اہل سنت ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ	"	امام زبید بن ہارون کا بیان
"	مؤلف نتائج التعلیق کا باطل دعوے	۱۱۴	امام یحییٰ بن سعید القطان کا حوالہ
"	امام صاحب حفاظ حدیث میں سے تھے	"	کتاب الآثار امام ابو حنیفہ کی ہے
"	علامہ ذہبیؒ۔ امام حاکمؒ	۱۱۵	حدیثین کرام کے نزدیک تھے سے حدیث کی تعدیل جاتی ہے
۱۲۵	حافظ الصالحی الشافعیؒ	"	امام ابراہیم بن سعید الجوری سے
"	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ	۱۱۶	کُل صحیح احادیث کی تعداد؟
۱۲۶	امام خلیل تبریزیؒ	"	امام صاحب نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں
"	ابن حجر مکیؒ	"	امام کی تصانیف کیا مراد ہے؟
۱۲۷	ابن خلدونؒ	۱۱۷	احکام الاحکام اطلاق کی کتاب ہے۔
"	مؤلف نتائج التعلیق کا زنا تعصب	"	فقہ حنفی کی بنیاد احادیث و آثار پر قائم ہے۔
۱۲۸	حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ثقاہت	۱۱۸	کتاب الایمان منہج جلد ہے
"	امام علی بن المدینی سے	"	امام صاحب اللہ حدیث اور حفاظ حدیث میں تھے
"	امام یحییٰ بن سعید سے	۱۱۹	امام البرداد کا حوالہ
۱۲۹	مؤلف بغیر الظلم اور نتائج التعلیق کا انتہائی تعصب	"	عبدالکریم شہرستانی کا حوالہ
۱۳۰	حدیث میں احتیاط	۱۲۰	فرقہ مرجیہ
"	امام یحییٰ بن سعید سے	۱۲۱	ارجاء کا معنی؟
۱۳۱	سفیان ثوری سے	"	امام صاحب اور آپ کے مجتہد اصحاب
"	ابو یوسف سے	"	کس معنی میں مرجیہ تھے؟
۱۳۲	علی بن الجعد سے	"	ابن عبدالبر۔ شاہ ولی اللہ صاحب

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۹۷	عبداللہ بن داؤد النخعی سے	۱۷۲	حدیث سے رائے کی مدد کی کا ثبوت
۱۹۸	قاضی الحسن بن عمارہ سے	۱۷۵	یہ حدیث صحیح بلکہ مشہور اور متواتر ہے
۱۹۸	امام ابن معین اور ابن عبد البر سے	۱۷۷	ایک اور حدیث سے رائے کا ثبوت
۲۰۱	باب ششم	۱۷۸	حضرت ابو بکرؓ سے رائے کا ثبوت
۲۰۱	مذہب رائے	۱۷۹	حضرت عمرؓ سے رائے کا ثبوت
۲۰۱	قرآن میں رائے استعمال کرنا	۱۸۰	حضرت ابن مسعودؓ سے رائے کا ثبوت
۲۰۲	یَقِیْنُوْنَ اَلْاٰمُوْنَ بِرَبِّہُمْ اور اس کا حال	۱۸۱	حضرت ابن عباسؓ سے رائے کا ثبوت
۲۰۳	اولاد سیبیا کی حدیث	۱۸۲	حضرت زید بن ثابتؓ سے رائے کا ثبوت
۲۰۳	ایٹانگہ و اصحاب الدائے کا اثر	۱۸۳	حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے رائے کا ثبوت
۲۰۴	کون سی رائے اور قیاس مذہب یا محمود ہے؟	۱۸۴	حضرت علیؓ سے رائے کا ثبوت
۲۰۴	مستند حوالوں سے اس کا ثبوت	۱۸۵	قیاس شرعی محبت ہے
۲۰۵	حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اثر	۱۸۶	امام صاحب کس وقت رائے قائم کرتے تھے
۲۰۶	حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا اثر	۱۸۷	خود ان کا اپنا بیان
۲۰۷	حضرت امام بیہقیؒ کا فیصلہ	۱۸۸	ابن حجر مکیؒ علامہ ذہبیؒ اور شعرائیہؒ
۲۰۸	مجتہد کو بصورت خطا بھی ایک اجر ملتا ہے	۱۸۹	دیگر مستند حوالے
۲۰۹	رافضی کا قول کہ مذاہب اربعہ نواہیجاہ ہیں۔	۱۹۰	اہل الرائے ہونا موجب قدس نہیں؟ ابن حجر مکی سے
۲۱۰	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مسکت جواب	۱۹۱	امام شعرائیہ کے حوالے سے
۲۱۱	علامہ بدر الدین عینیؒ کا حوالہ	۱۹۲	مذہب و قیاس پر مقدم علامہ خفگیؒ شامیؒ
۲۱۲	علامہ شاطبیؒ کا حوالہ	۱۹۳	شاہ ولی اللہ صاحبؒ تنکید واجب اور حرام کی ملامت
۲۱۳	ترک رائے دوسری صدی کی بدعت ہے	۱۹۴	ضعیف حدیث بھی رائے پر مقدم ہے۔
۲۱۴	ابن عبد البرؒ کا بیان	۱۹۵	علامہ ابن حزمؒ وغیرہ سے
۲۱۵	قاضی شوکانیؒ کا بیان	۱۹۶	امام صاحب پر ماسدین نے کلام کیا ہے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۴۰	حضرت علیؓ اور امام بخاریؒ نے بھی موت کی آرزو کی تھی	۲۱۵	امام شافعیؒ کا حوالہ
۲۴۱	کہتے دلوں میں قرآن کریم پڑھنا چاہیے؟	۲۱۶	امام صاحب پر مخالفت حدیث کا الزام
۲۴۲	متعدد حضرات علیہ ہی راست میں قرآن ختم کر دیا کرتے تھے		ایسا ہی الزام حضرت امام بخاریؒ اور
۲۴۳	حضرت امام بخاریؒ کا بھی یہی معمول تھا	"	ابن العربیؒ پر بھی عائد ہو سکتا ہے
۲۴۴	کراہت کے درجات	۲۱۸	اور امام مالکؒ پر بھی
۲۴۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے	۲۲۰	اور امام شافعیؒ پر بھی
"	مشورہ کے قبول کرنے نہ کرنا حکم	۲۲۱	کیا امام دیکھ بن الجراح نے امام صاحب
۲۴۶	اگر لشکر کو اپنے حکم پر فیصلہ کرنے کا امر		کو مخالفت حدیث کہا ہے؟
۲۴۷	اہل ظاہر کا بے معنی مجرور اور اس کی مثال امام	۲۲۲	الساہیؒ کا کیا مقام ہے؟
۲۴۸	فروغی اور ابن دقیق العیدؒ سے	۲۲۳	مستعجب کی صرح کا قاعدہ امام بیہوش
۲۵۰	الحاصل	۲۲۴	امام دیکھ کا امام صاحب پر اعتماد
۲۵۱	امام صاحب پر ارجاء قیاس اور رائے کا اعتراض	۲۲۵	اشعار بدن کا مسئلہ اور اس کی تحقیق
"	امام ابن عبد البرؒ ہی سے اس کا جواب	۲۲۹	امام ابن ابی شیبہؒ کے اعتراضات کا جواب
۲۵۲	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا حوالہ		باب ہفتم
۲۵۳	امام حاکم، البرعم اصبرسانیؒ اور	۲۳۱	مخالفت حدیث کی ایک نفیس بحث
"	خطیب بغدادیؒ مستعجب ہیں	۲۳۲	بنو قریظہ میں عصر کی نماز پڑھنے کا حکم
"	القوسی، الریحانیؒ اور ابن الجوزیؒ سے	۲۳۳	حضرت ماکورہ کا واقعہ
۲۵۴	حافظ ابن حجر مکیؒ	۲۳۴	ایک لونڈی کا واقعہ
"	امام خطیبؒ پر ابن الجوزیؒ کی کڑی جرح	۲۳۵	صلح حدیبیہ کا واقعہ
"	علامہ ذہبیؒ کا تامل فیصلہ	۲۳۶	صوم الدھر کا حکم
۲۵۵	باب ہشتم	۲۳۸	خضاب فطرت کا بیان
	ایک لطیف بحث	۲۳۹	موت کی آرزو کرنے کا حکم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۴۹	امام صاحب اور آپ کے اصحاب سے پیروی کرنے کا حکم؟	۱۳۳	دیکھ بن الجراح سے
۱۵۰	علامہ خطیب بغدادی کے یہاں سے کہہ کر وہ خوابوں کا حال؟	۱۳۴	حدیث کے لیے امام صاحب کی شرط
۱۵۱	خواب کا شرعی حکم	۱۳۵	علامہ قرطبی، ابن حجر مکی، شعرائی اور سیوطی سے
۱۵۲	امام نووی، علامہ عینی اور مبارکپوری صاحب سے	۱۳۵	امام بخاری ابن العربی حسن حدیث استدلال کے قائل نہ تھے
۱۵۳	امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی نایب میں خواب	۱۳۶	جمہور ان کے ساتھ مستحق نہیں رہتے
۱۵۸	امام صاحب کا اہل الرائے ہونا	۱۳۷	حدیث بن سکتہ سے ایک ہزار حسن حدیث مروی ہے
۱۵۹	رائے کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۳۸	امام صاحب کی شرطیں کئی ہیں مولانا مبارکپوری صاحب
۱۶۰	مغرب اور صراح کا حوالہ	۱۳۹	احترام حدیث و حجت قدسین
۱۶۱	فتح الملہم اور شایہ وغیرہ کا حوالہ	۱۴۰	یقین حدیث کا الزام
۱۶۲	جمع البحار اور مرقات کا حوالہ	۱۴۱	ابن خلدون کا مفصل حوالہ
۱۶۳	امام ربیعہ الرائی	۱۴۲	الحافظ الصالحی کا مفصل حوالہ
۱۶۴	شرستانی کا حوالہ	۱۴۳	صحابہ کرام میں کون سے مقتول کا ذکر
۱۶۵	ابن خلدون کا حوالہ	۱۴۴	غفلت کا سبب
۱۶۶	امام احمد بن حنبل کے متقلد کیوں کہہ رہے ہیں؟	۱۴۵	محقق ابن خلدون سے
۱۶۷	ابن خلدون اور نواب صاحب سے	۱۴۶	حضرت امام شافعی قلیل الحدیث تھے
۱۶۸	حضرت عبد الفت ثانی کا حوالہ	۱۴۷	ابو حاتم اور عیسیٰ کا حوالہ
۱۶۹	احباب الرائے کا معنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے	۱۴۸	امام صاحب پر اسلام کو نقصان پہنچانے کا الزام
۱۷۰	حضرت عبد الفت ثانی سے	۱۴۹	نیرم بن حماد کا ترجمہ
۱۷۱	اہل الرائے اور حضرت بھی تھے	۱۵۰	مولانا میر صاحب کا بیان
۱۷۲	کی رائے کے بغیر حدیث بھی جائز ہے؟	۱۵۱	امام صاحب کے مخالفین کا انجام
۱۷۳	امام محمد اور ابن حجر مکی سے	۱۵۲	مولانا حافظ عبد المنان صاحب کا حوالہ
۱۷۴	حضرت علی کا ارشاد	۱۵۳	مولانا میر صاحب کا چشم دید واقعہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۶۰	رجح الحدیث	۲۵۸	مذہب غنی کے سب مسائل اہم حدیث کے ذریعہ نہیں
"	علامہ خطیب بغدادی کا تعصب	"	مرزا حیرت صاحب کے
"	حافظ الصالحی الشافعی سے	"	کیا کتب فقہ میں کمزور مسائل کی وجہ سے
۲۶۱	امام دارقطنی اور ابو نعیم کا تعصب	"	فقہ کا انکار کر دینا چاہیے؟
"	ابن عبد السادی الحنبلی سے	"	کیا موضوع اور جھوٹی حدیثوں کی بنا پر
"	امام دارقطنی اور علامہ خطیب	"	سب حدیثوں کو ترک کر دیا جائے گا؟
"	کا تعصب علامہ محمد امین الشافعی سے	۲۵۹	شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے
۲۶۲	علامہ السخاوی الشافعی کا ناطق فیصلہ	"	مؤلف نتائج التقليد کا صاحب ہدایہ
۲۶۳	امام ابن خلدون کا حوالہ	۲۶۰	اور علامہ زطیعی پر غصہ اور اس کا جواب
"	امام صاحب پر قبلیت عربیت کا اعتراض	"	درایہ نصب الرایہ کی تلخیص ہے
۲۶۴	اسکا حکمت جواب حافظ محمد بن ابراہیم وزیر سے	۲۶۱	مشکوٰۃ اور حجتہ اللہ میں بھی جعلی حدیث موجود ہے
۲۶۵	مؤلف حقیقت الفقہ کہے جاتا تعصب	۲۶۲	حنیفہ الطاہرین اور ایضاً علوم میں جعلی حدیثوں کی بھرمار
"	اس کا دندان شکن جواب	"	ابن ماجہ میں بھی جعلی حدیثیں موجود ہیں
۲۶۸	کیا احناف میں بھی کوئی دلی ہوا ہے؟	۲۶۳	مسند احمد میں بھی موجود ہیں
۲۶۹	حنفی مسئلے کا مقام مشرکین کا دارالاندوہ تھا	۲۶۴	حتیٰ کہ نسائی اور ابوداؤد میں بھی جعلی حدیث موجود ہے
"	اس کا جواب	۲۶۵	تصحیح تضعیف بھی اجتہادی امر ہے
۲۷۰	ایک اور اعتراض اور اس کا جواب	"	شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے
۲۷۱	غیر متقدمین حضرات کے شیخ اکل	۲۶۶	اگر محدثین کی تقلید گمراہی نہیں
"	حضرت میاں صاحب نے اپنے اساتذہ	"	توفیقاً کی تقلید کیوں گمراہی سے؟
"	پر ہمتا رہنے والے کو مردود کہا ہے	"	کتب فقہ اور ہدایہ کا مقام
۲۷۲	کیا اصحاب اہل حنیفہ نصاریٰ کے مشابہ ہیں؟	۲۶۷	نواب صاحب اور میر صاحب کے
"	اس کا جواب	۲۶۸	اور مولانا سید نذیر حسین صاحب کے

دیباچہ

طبع سوم

مُبَشِّرًا وَمُحَذِّرًا وَمُصَلِّيًا، آمَنَّا بِاللَّهِ تَعَالَى كَارِبٍ اور
 کھرب دفعہ شکر ہے کہ اُس نے مجھ جیسے بے بضاعت انسان کو یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ
 سراج الامة، نادرۃ زمان محدث کبیر، حافظ حدیث، سید الفقہاء، مجاہد عظیم، رأس الایقان،
 حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا علمی اور عملی مقام بیان کرنے کے علاوہ ان پر قدیم و جدیداً
 کیے گئے اہم اعتراضات کے باحوالہ محسوس اور مسکت جوابات اس پیش نظر کتاب میں منظر
 میں لائے، راقم کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ اس کو ایسی اعلیٰ مقبولیت حاصل ہوگی کہ اکابر علماء کرام
 اس کو بے حد پسند کریں گے، اور اس پر دیوبند میں دیں گے لیکن قارئین کرام تصدیقات علماء کرام
 میں اس کتاب کے بارے پاک وہند کے اکابر ملت کے بیانات اور تصدیقات پڑھیں گے تو
 ضرور یہ محسوس کریں گے کہ اس موضوع پر یہ کتاب بحمد اللہ تعالیٰ بہت ہی معلومات افزاء اور
 تحقیقی ہے حتیٰ کہ مؤلف نتائج التعلیل (جن کے رد میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اور جواب کے حرم
 ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے گناہوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے آمین) یہ
 لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ :- ان میں ایک تو مولانا مولوی محمد سر فراز صاحب لکھنؤی ہیں جو اپنی
 علمی قابلیت، وسعت معلومات اور تدریسی و تصنیفی شہرت کے اعتبار سے دیوبندیوں میں خاصے
 معروف و مشہور ہیں بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ آپ عہد حاضر کے فن مغالطہ (یعنی فن تحقیق کیونکہ

رکھ لیا ہے نام اُس کا آسمان تحریر میں۔ صفحہ ۱ کے امام مجتہد ہیں تو درست و صحیح سب چنانچہ ان کی تصنیف احسن الکلام ان کی مجتہدیت اور فنی کمالات پر شاہد ہے نہ صرف یہی بلکہ نتائج التعلیل کے جواب میں مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ اور طائفہ منصورہ میں جس انداز سے فنی کمالات کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان کا ایسا شاہکار ہے کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر شاید ہی پیدا ہو (ملاحظہ مقام بحث ص ۳۷ موصوف نے آگے اپنی اس کتاب میں چند مقامات میں گھڑوی صاحب کا عنوان اختیار کئے مقام ابی حنیفہؒ کی کچھ نامکمل اور اوصوی عبارتیں بھی نقل کی ہیں اور پھر بزعم خویش ان پر تنقید کرنیکی بے جاسی بھی کی ہے لیکن پوری دیانت کے ساتھ عرض ہے کہ اس تنقید میں بخیر دل کی بھڑاس نکالنے کے کوئی علمی اور تحقیقی جان نہیں ہے اور ہمارے پاس اتنی فرصت نہیں کہ ہم پہلے ان کی پیش کردہ تنقید میں جان ڈالیں اور پھر اس کی تردید کریں، ہم ہر منصف مزاج سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کی بے وزن تنقید کا خود ہی انصاف جائزہ فرمائیں کہ کیا علمی اور تحقیقی طور پر اس کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے؟ ہاں ان کی اس کتاب میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو علوم کے لیے موجب شہاب ہو سکتی ہیں اور ان کا جواب بھی ضرور ہونا چاہیے لیکن ان باتوں کا تعلق اس پیش نظر کتاب مقام ابی حنیفہؒ سے نہیں بلکہ تعلید وغیرہ دیگر پہلوؤں سے ہے انشاء اللہ ان کا جائزہ الکلام المسید وغیرہ میں لیا جائے گا، اس کتاب میں غیر متعلق امور چھپ کر ہم قارئین کرام کے اذعان کو بلاوجہ مشتوش نہیں کرنا چاہتے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق اور اہل حق سے وابستہ رکھے آمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و اصحابہ و جمیع متبعیہ الی یوم الدین۔

احقر النکس ابو الزاہد

۹ ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ

۶ فروری ۱۹۷۰ء

پاک و ہند کے مشہور و مقتدر اور جلیل القدر علما کرام کی

تصدیقات

①

استاذ العلماء، راس المحققین سابق وزیر معارف شریعہ ریاست سندھ متحدہ بلوچستان و شیخ التفسیر
دار العلوم دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل و محاذ شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

حضرت مولانا محمد شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَّمَ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى
کتاب مندرجہ صدر حضرت مولانا ابوالزہاد محمد سر فراز صاحب کی تصنیف ہے جو نتائج النقیۃ
کے جواب میں لکھی گئی ہے، یہ حقیقت ہے کہ جو شخصیت جس قدر ہاکمال اور مقبول عند اللہ ہوتی
ہے، اسی تناسب کے ان کے ماسدوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے، صبحی محصانی نے اپنی کتاب
”فلسفۃ التشريع في الاسلام“ میں لکھا ہے کہ حنفیوں کی تعداد جملہ عالم اسلام کی دو تہائی ہے،
ماکیوں کی تعداد ساٹھے چار کروڑ ہے، شافعیوں کی تعداد دس کروڑ، حنبلیوں کی تعداد تیس لاکھ
ہے، یہ ایک شافعی مصنف کی رائے ہے، اس سے امام موصوف کی مقبولیت عند اللہ کا اندازہ
لگائیے، امام ابن تیمیہ شامی نے امام صاحب پر امام بخاریؒ کے اعتراض کے سلسلے میں بالکل
درست لکھا ہے کہ لا یُدرئی شجرتہ إلا ذو ثمرہ۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے جملہ اعتراضات کا شبہ تین
امد ہیں۔ (۱) فقہ اور رائے کی طرف ان کا انتساب (۲) دوئم قلت حدیث کا الزام (۳)
قیاس رائے کو حدیث پر ترجیح دینا اور فقہ پر اعتراض۔ زیر نظر کتاب اٹھ ابواب پر مشتمل ہے،
پہلے تین ابواب میں فقہ کا شرعاً محمود اور مطلوب ہونا ثابت کیا گیا جس کے لیے قرآن آیات و

احادیث و تعامل صحابہ سے استدلال کیا گیا اور نقول کا پورا ذخیرہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں زور دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مقام علم کلام و فقہ میں تمام ائمہ سے بلند تھا۔ باب ششم و ہفتم میں مخالفت حدیث اور رائے مذمومہ سے امام ابو حنیفہ کی برأت مدلل طریقہ سے ثابت کی گئی ہے۔ ان امور کے پیش نظر یہ کتاب مخالفین کے تمام اعتراضات کی جڑ کاٹنے اور امام ابو حنیفہ کے اصلی مقام کو واضح کرنے میں لاجواب ہے۔ ان امور کے علاوہ ضمنی طور پر یہ کتاب دیگر نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہے جس کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ امام موصوف پر اعتراض کرنا آفتاب پر پتھر کئے کا مترادف ہے، خداوند تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت بخشے۔

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۸۲ھ / ۶ اکتوبر ۱۹۶۲ء

شمس الحق افغانی عفا اللہ اکیدہ عنہ علوم اسلامیہ کوثر

(۲)

استاذ الاساتذہ - سند العلماء - سید المناخسین علامہ دوران

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

مدیر عربیہ غیر المدارس عمان (مغربی پاکستان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله نعمده ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی الہ واصحابہ واتباعہ

الی یوم الدین، اجمعین،

آمین

سیدنا امام الائمہ سراج الائمہ امام عظیم حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف مخصوصہ، علم و عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت، امانت و اجتہاد وغیرہ جس طرح تمام اہل ایمان میں مستم ہیں، اسی طرح آپ کی شان محمدیہ، حدیث و انبیاء، حدیث و انبیاء بھی ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اس لیے ایک شخص کی علمی خوبیوں کے لیے اس کی درس گاہ، نصاب تعلیم، اس کے فہم و فراست، اس کے شیوخ و اساتذہ، جلیل القدر تلامذہ، امت مسلمہ کی شہادت پر نظر کرنا اس کی جلالیت شان کے لیے کافی ثبوت ہے۔

سیدنا امام عظیم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ دارالعلوم کو ذمہ داری تھی۔ جس کے سرپرست اعلیٰ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ اور اس کے صدر مدرس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ اور دونوں حضرات کے علوم حدیث و فقہ پر امام ابو حنیفہ کے مذہب کی بنیاد تھی۔ چنانچہ سر اچ اللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶ میں فرماتے ہیں وكان ابو حنیفہ الزمہد بسدھب ابراہیم الخلی و اقربانہ۔ یعنی حضرت ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کے مذہب کو امام ابو حنیفہ زیادہ لازم پکڑنے والے تھے۔ اور ص ۱۱۵ میں فرماتے ہیں۔ واصل مذہبہ فتاویٰ عبد اللہ بن مسعود و قضایا علی و فتاواہ و قضایا شویح و غیرہ من قضاء الکوفۃ۔ یعنی ابراہیم نخعی کے مذہب کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود کے فتوے اور حضرت علی کے فیصلے اور فتوے اور قاضی شریح و غیرہ کے فیصلے تھے۔

اور حضرت علی و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق علامہ ابن قیم اعلم الموقعین ص ۱۸۱ میں امام سروق کا قول نقل فرماتے ہیں۔

من سروق شامت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرجعت علمہم مینہی الستۃ علی و عبد اللہ و عمر و زید بن ثابت و ابی الدرداء و ابی بن کعب۔ ثم شامت الستۃ فرجعت علمہم انتہی الی علی و عبد اللہ۔ اھ

یعنی حضرت سروق کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو دیکھا تو سب کا علم (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہوا تھا) چھ صحابہؓ میں موجود پایا۔ پھر ان چھ کو جانچا تو ان کا علم حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ میں پایا۔

حضرت علیؓ تو باب علم ہی ہیں۔ ان کا تو کتنا ہی کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم و فضل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اعتماد تھا کہ آپ نے ان کو چار سندوں سے نوازا تھا۔ سب قرآن، سب حدیث، سب فقہ، سب سیاست، اور لوگوں کو ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ اور مسائل تمام حدیث کے مطابق ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اپنے مکاشفات میں لکھتے ہیں۔

عزفتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحق طریقۃ ایقۃ ہی اوفی

الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ولقحت في زمان البخاري واحبابه (رضي الله عنهم)
یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں مجھے خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے معلوم کرایا کہ مذہب حنفی میں ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ وہ زیادہ موافق ہے سنت نبوی مشورہ کے جو
جمع کی گئی ہیں امام بخاری اور ان کے زمانہ میں۔

اس زمانہ میں نصاب تعلیم بھی قرآن و حدیث تھا۔ فنون کا رواج بعد میں درس گاہوں میں ہوا
ہے اور فقہ و فرائض امام ابو حنیفہ کا معروف ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں:-

لا نكذب بالله ما سمعنا احسن من راي ابی حنیفۃ ۱۰۔ یعنی اللہ کی قسم ہم جھوٹ نہیں کہتے۔
ہم نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے کوئی اعلیٰ رائے والا سنا بھی نہیں۔ ایسی حدیث کی جامع اور ماہر شخصیتوں کی
درس گاہ جس کا نصاب تعلیم قرآن و حدیث ہو کبھی حدیث سے خالی ہو سکتی ہے؟ امام عظیم ابو حنیفہ نے
اسی درس گاہ میں پڑھا و پڑھایا۔ بھلا اس بابرکت درس گاہ کے طالب علم اور مدرس حدیث سے
ناواقف ہو سکتا ہے؟۔ فی اللعجب۔

شیوخ و اساتذہ امام ابو حنیفہ اکابر محدثین تابعین، امام شعبی، سلمہ بن کیل، محارب بن دثار، امام
باقر وغیرہ جیسے تھے، حسن بن زیادہ کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ چار ہزار احادیث روایت کرتے تھے دو ہزار
حدیث سے دو ہزار باقی شیوخ سے۔ امام عظیم ابو حنیفہ کے شاگردوں کی تعداد حدیث شمار سے باہر ہے۔ صرف
وہ مشاہیر محدثین جن کو امام صاحب سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، وہ بھی کافی ہیں۔ حافظ البراہمی شافعیؒ
نے ۹۱۸ اشخاص کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔ جن میں بعض کے نام یہ ہیں: یحییٰ بن سعید القطان، عبد اللہ
بن المبارک، یحییٰ بن زکریا، وکیع بن جراح، زینب بن جرد، حفص بن غیاث، ابو عامر النبیل، عبد الرزاق
بن الہمام، وغیرہ وغیرہ۔

پہلا مشاہیر محدثین اساتذہ کرام اور نقاد حدیث تلمذہ عظام رکھنے والا اور خود صاحب فہم و فراست
حدیث کے خالی ہو سکتا ہے؟ فی اللعجب۔ جس کی حدیث دانی اور حدیث فہمی کی ہزاروں شہادتیں موجود
ہوں۔ مگر ہم ان میں سے ایک شہادت مذہب اہل حدیث کے مجدد نواب صدیق حسنان صاحب
قنوجی کی امام عظیم کے کبار محدثین میں سے ہونے کی دلیل خود علامہ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں:-

ویدل علی انہ من المجتہدین فی علو الحدیث اعتماد مذہبہ بینہم والتعوییل علیہ واعتبارہ۔

وذاقبولہ۔ اور المصلحہ ص ۳۴) یعنی امام ابوحنیفہؒ کبار محدثین میں شمار ہیں۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد و اعتبار کر کے موافق و مخالف روایات قبول کی طرف متوجہ ہیں۔

غیر مقلدین نے حدود و عداوت یا ان کے مدارک علیہ سے ناواقفیت و جہالت کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ پر قلت حدیث کا اعتراض کیا۔ اور ان کے احتیاط فی الروایات کو دیکھ کر ان کے ہمنوع کعب سمجھا جس کے جواب میں یہی کہنا کافی ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرو چشم!

چشم آفتاب را چہ گناہ!

مکرم محترم ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ علامۃ العصر حضرت مولانا ابوالزہاد محمد سرفراز خان صاحب خلیب جامع گکھڑ ضلع گوجرانوالہ نے (مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ) کلمہ کر ایک طرف تو امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ عقیدت مندی اور محبت و مودت کا اظہار کیا۔ تو دوسری طرف غیر مقلدین کے تمام اعتراضات اور شبہات و مناقشات کا دندان شکن نہایت مانت اور تسلی سے عالمانہ جواب دے کر عام احناف پر احسان کیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے۔ اور دنیا و آخرت میں ان کی صدق نیت اور اخلاص سے بڑھ کر اپنی رضا و قرب عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر میں موافقین اور مخالفین سے التجا ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ بنظر انصاف ایک مرتبہ ضرور کریں اور تعصب مذہبی کو اس میں دخل نہ دیں۔ امید ہے کہ ان شواہد شمیہ کے ہونے کوئی انصاف پسند سراج الائمہ امام الائمہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے متعلق غلط فہمی یا ناواقفیت کے خیالات فاسدہ جمائے ہوئے ہیں۔ سب کا فور ہو جائیں گے۔ اور حق واضح ہونے کے بعد فوراً اس کو قبول کریں گے اور اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کرنے میں عار نہیں محسوس کریں گے۔

من آنچه شرط بلاغ است با تو میگویم

تو از نصیحت من پند گیر و خواہ ملال!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ اتم مکہ خیر المدارس عثمان

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

شیخ المصقول والمتقول ماہر علم حدیث و طبقات الرجال محقق دوران —

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

فاضل محترم مولانا سرفراز خان صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ و عافاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے سلسلہ رسالوں کو بغور پڑھا، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، ما شاء اللہ، آپ حضرت علم و مذہب کی خدمت کا فرض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں، ابھی رسالے قابل قدر ہیں، مگر یہ مقام حضرت اہم ابو حنیفہؒ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، اہم عالی مقام سے بغض رکھنے والوں کی الزام تراشیوں کا ایسا دندان شکن دسکت جواب آپ نے دیا ہے، اور اس سلسلہ میں ان کی قریب کاریوں کا پردہ اس طرح چاک کیا ہے، کہ اس کے بعد کسی حیا دار کو اس قسم کی حرکتوں کی جرأت نہیں ہو سکتی، پھر ٹری خوبی یہ ہے کہ اس سخت مرحلہ پر بھی بخیرگی و مسانت کا دامن آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی صحت و تندرستی کو برقرار رکھے، اور خدمت دین و مذہب کی مزید توفیق عطا

فرمائے۔

حبیب الرحمن عظمی

مدہ علم مرحوم، ۱۵ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

(۴)

فقیرِ درویش، مفتی عظیم پاکستان و سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد رفیع صاحب رحمۃ اللہ مرقدہ

علامہ محترم مولانا ابوالزادہ سرفراز صاحب ادام اللہ تعالیٰ بقائہ بالخیر
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ محترم کی کتاب مقام حضرت امام ابو حنیفہ وصول ہوئی اور ساتھ ہی گرامی نامہ بھی
بہت افسوس ہے کہ جواب بہت دیر سے دے رہا ہوں، اتنی دیر کہ بخدا کا ذکر بھی اب فضول معلوم
ہوتا ہے۔

آنحضرت کی تصنیف لطیف احسن الکلام اس سے پہلے نظر نواز ہو چکی تھی اس لیے اس کے
معاملہ میں کچھ زیادہ تنقید و مطالعہ کی ضرورت نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ میں ایسے ہنگامی مشاغل
میں شب و روز مبتلا ہو گیا ہوں کہ پہلی کتاب کو بھی جتہ جتہ کہیں کہیں سے دیکھا تھا اور اس کو بھی
اسی طرح، مگر اس کتاب پر کوئی تبصرہ لکھنے کے لیے دل نے یہ چاہا کہ پوری طرح دیکھ کر لکھا جائے
وجہ یہ تھی کہ میں خود امام عظیم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک ایسی کتاب کی ضرورت غرض سے محسوس
کر رہا تھا اور اس کے لیے کچھ علمی مواد بھی جمع کر رکھا تھا مگر انہیں وقتی مشاغل نے اس قابل نہ چھوڑا
کہ اس کو کتابی صورت میں مرتب کر سکوں اس لیے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت یوں پڑی کہ اگر اس کتاب
نے وہ مقصد پورا کر دیا تو اپنے قلب و دماغ کو اس سے فارغ کر لوں اور سب کو اسی کے مطالعہ کا شوق
دوں، مطالعہ کے لیے وقت ملتا نہیں۔ اس لیے میں نے اپنے دارالعلوم کے ایک فاضل عالم مدرس
مدیث مولانا سلیم اللہ صاحب کو سپرد کیا کہ پورا مطالعہ کر کے مجھے کیفیت سے مطلع فرمادیں۔ آج انہوں
نے پورے مطالعہ کے بعد جس اطمینان کا اظہار کیا اس سے بے حد مسرت ہوئی۔ اب خود بھی کتاب کو
مختلف مقامات سے پڑھا بار بار دل سے دعا نکلی ابجد اللہ میری آرزو پوری ہو گئی بلا مبالغہ عرض ہے
کہ میں خود لکھتا تو ایسی جامع کتاب نہ لکھ سکتا۔ اس موضوع پر یہ کتاب بالکل کافی شافی ہے مولانا
موصوف سے بھی احقر نے ان کی رائے لکھ لی ہے، وہ بھی مرسل ہے مجھے اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔

خدا کرے یہ کتاب زیادہ سے زیادہ شائع ہو کر مفید غلامی بنے۔ والسلام
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۱۸ ربيع الثانی ۱۳۸۲ھ

(۵)

عالم علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت مولانا محمد سلیم اللہ صاحب امت مسلمہ قسطنطنیہ جامعہ فاروقیہ ٹرک کارہی کچی
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم :- احقر نے مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ کو از اول تا آخر
بغور مطالعہ کیا ہے، اس کے مصنف مولانا ابوالزہاد محمد سر فراز کی بعض دوسری کتب بھی احقر کے
مطالعہ میں رہی ہیں، مولانا موصوف کا تصنیفی انداز بہت سہجہ ہوا اور تحقیقی ہوتا ہے، وہ عام طور پر
دقیق علمی مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں اور نہایت سلیقہ اور خوبصورتی کے ساتھ اہل حق کی تائید میں قرآن و سنت
اقوال صحابہ و ائمہ تابعین و فقہاء سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ میں مصنف کا روئے سخن غیر مقلدین کی طرف ہے۔ اس جماعت
کی دیدہ دہنی فہمائے امت کی شان میں گستاخی اور استہزاء، ان پر بے بنیاد الزامات کے حملے
روزمرہ کی بات ہو گئی ہے، پھر چونکہ سراج فہماء سید الطائفہ امام الائمہ حضرت ابوحنیفہؒ کی فہم ہمارے
دیار میں رائج اور معمول بہ ہے، اس لیے غیر مقلدین کا ردِ طعن و تشنیع زیادہ اسی بزرگ امام پر صرف ہوتا
ہے، اس لیے مصنف نے امام عظیمؒ کی شان تقویٰ و ورع اور علمی مقام ان کی مجتہدانہ خصوصیات، اور
علم فقہ و حدیث و کلام میں ان کی امامت کو نہایت مستند اور ناقابل انکار شواہد اور حوالجات کے ساتھ
پیش کیا ہے، اسی ضمن میں متعدد اصولی و فروعی دقیق مباحث پر بھی سیر حاصل کلام کیا گیا ہے، مثلاً
فقہ واجتہاد کی اہمیت فقہاء کوفہ اور وہاں کے محدثین تفصیلی تعارف "رأی" کا صحیح مفہوم اور اس
کی شرعی و عرفی حیثیت امام عظیمؒ کے یہاں رائے و قیاس کے اعتبار کا صحیح معیار اور حدیث کا خواہ وہ
ضعیف ہی ہو رائے پر رحمان جیسے بہت سے مسائل زیر بحث آگئے ہیں۔ مخالفین نے امام ابوحنیفہؒ
پر جس قدر اعتراضات کئے ہیں، ان کے کافی و شافی جوابات دیے گئے ہیں، ہر جگہ علماء اہل حدیث
کے اقوال کو بھی تائید میں پیش کیا گیا ہے، معتبر ضمیمہ کے تعصب اور کج فہمی کو آشکار کرتے ہوئے

قدتی طور پر مصنف کا لہجہ تیز ہو جاتا ہے مگر وہ سنبھل سنبھل کر اس سے بچ سکتے ہیں اور عام طور پر غیر متدین کی زبان میں گفتگو کرنے ہی سے پرہیز کرتے ہیں لیکن اہقر کے ذوق کے مطابق اگر لہجہ میں بالکل بھی تیزی ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا بہر کیف ان کا یہ علمی شاہکار قابلِ صد آفریں ہے، حق تعالیٰ اس کو ان کے لیے فی الخیر و آخرت اور دوسروں کے لیے سامانِ ہدایت فرمائیں، آمین۔ فقط

محمد سلیم اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۵/۸

(۶)

عالم تحریر: جامع اصول و فروع، مصنف جامع، فائز علی القرآن نمونہ اکابر

حضرت اسید محمد یوسف صاحب بنوری نور ہمدرد

سابق مستمدرستہ العربیہ - بنوٹاؤن کراچی ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد سيد الانبياء والموسين وصحبه
وتبعه اجمعين

امابعد

اس پراسلوب دور میں جہاں شعائر اسلام اور شعائر دین کا استخفاف روزمرہ کے مشاغل بن گئے ہوں اور دین اسلام داخلی و خارجی فتنوں سے ہکندہ ہوا اسلام کے نام سے اسلام کی بیخ کنی ہو رہی ہو، کتاب و سنت و احادیث بنویہ کی تحریک و انکار کے فتنے زور و شور سے ملک میں پھیل رہے ہوں اور اسلام کے نام سے پورا کفر مسلط کیا جا رہا ہو، اس قسم کے پُر فتن دور میں بعض حضرات اور ناعاقبت اندیش افراد کا یہ مشغلہ کتنا تکلیف دہ ہے کہ امام دین حضرت امام عظیم ابوحنیفہ کو ہر طعن و تشنیع بنانے میں لپدی قوت و توانائی خرچ ہو رہی ہو یا صدیق و فاروق کی تکفیر و سب و شتم میں طمع آزمائی ہو رہی ہو، گویا مدعیان اسلام اور خیر خواہان دین محمدی کے جہاد کے لیے یہی میدان رہ گیا ہے انا لله وانا اليه راجعون۔

اسی دردناک داستان کی ایک کڑی وہ کتاب ہے جو نتائج التقلید کے نام سے تصنیف

کی گئی ہے جس میں عرصہ دراز کے متعفن و غلاف واقعہ اکاذیب کو جدید سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک عرصہ سے علماء امت ان کا استیصال کر کے دفن چکے تھے، اور ایک ہزار برس تک ان پر خاک افشانی کرتے رہے اسلام کے اس نازک دور میں کفر و الحاد و کمیونزم کے دور میں ان غیر واقعی افسانوں کو علمی تحقیقات کا رنگ دے کر اس کی اشاعت کرنا کتنا دردناک منظر ہے:

مثل هذا يذوب القلب عن كنهه ان كان في القلب اسلام و ايمان

جناب محترم مولانا محمد سرفراز صاحب بارک اللہ فی حیاتہ ہمائے شکر یہ کے مستحق ہیں کہ وہ نے ان خرافات کا عالمانہ و محققانہ جواب دیا اور مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ، تالیف فرما کر امت محمدیہ کی طرف سے فرض کفایہ کا حق نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا مولانا کا اسم گرامی تو عرصہ سے کانوں میں پڑتا رہا، لیکن ان کو سمجھنے کا موقع اس کتاب کے علاوہ اکثر حصہ حرقا و بکھا ماشاء اللہ امام اعظم رحمہ اللہ کے مختلف گوشے فقہ میں نادرہ عالم اور فقیہ امت ہونے کے نقول حفظ حدیث و وقت نظر کثرت مرویات، قلت روایت کا غناء اور احتیاط فی الروایۃ اہل السنۃ کی تحقیق وغیرہ وغیرہ ہی موضوعات پر موقوف مآخذ سے غزیر النقل آگئے اور تقریباً اکثر ابحاث پر استیفاء کے ساتھ میر حاصل تبصرہ بصیرت افزا و محققانہ انداز سے ہو گیا اور معتز ضیہ و ناقدین کے شکوک و شبہات و وسوس و ادبام کا نہایت خوش اسلوبی سے استیصال کیا گیا انداز تحریر عالمانہ ہے، اردو شگفتہ ہے اسلوب بیان مؤثر ہے، کہیں کہیں ادیبانہ ہے۔ دعائے اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ خدمت قبول فرمائے، اور ثمر و نافع بنائے، اور مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

۲۸، صفر اخیر ۱۴۲۲ھ

(۷)

استاذ العلماء المحققین۔ محقق نبیل، محدث جلیل، ماہر علوم اسلامیہ

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ

سابق شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہار، تھانہ کٹہ

مکتبہ اشاعت علیکم درجۃ اللہ۔

آپ کی کتاب مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ معمول ہوئی، اسی وقت سے اس کو پڑھنا اور دیکھنا شروع کیا، تمام قوانین دیکھ سکا، مگر اہم مقامات کو دیکھا، اشار اللہ آپ نے خوب لکھا ہے اردو معجزین کے اعتراضات کا کھوکھلا بن اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے، امام عالی مقام کا علم حدیث میں مرتبہ علیا اور رائی اور اہل الرائی کا صحیح درجہ خوب واضح فرمایا ہے، جزاک اللہ تعالیٰ عناد عن سائر المسلمین خیر الجزاء والسلام

ظفر احمد عثمانی حفا اللہ عنہ

دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہار، تھانہ کٹہ

۲۸ صفر ۱۴۸۲ھ

(۸)

شیخ المشائخ۔ عالم نبیل، ماہر شرعیات، پیر طریقت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب گوردھوی جتپور

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على خاتمة الانبياء، وعلى آله المجتبى وصحبه

النجباء والائمة الهدى، خصوصاً على ابي حنيفة البشر بحديث لو كان العلم بالشيء

بما بعد :-

احقر نے کتاب مستطاب مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بغور و نظر اسعان مطالعہ کیا ہے ساختہ زبان سے نکلا، لفظ لفظ اقلیٰ عملیٰ عاملوں، جمل جمل کتاب کو آگے دیکھا، شوق مطالعہ دامگیر ہوتا گیا کذا اللہ يفعل الرجل البصیر، حضرت مصنف دامت معالیہ دور حاضر کے محققین مستنہدین میں سے شمار ہوتے ہیں، لیکن اس لاجواب کتاب میں جو عرق ریزی اور جانفشانی سے خدا داد قابلیت کا اظہار فرمایا، چنانچہ باید مصنف را شاید، باب زرباید زشت نہ موصلاً باب ششم و

بہت بہت کتاب کو زباید نوشت۔ ایسے جو ہر پاسے جمع فرمائے ہیں جو اس قدر کے دیکھنے سے کم نصیب نہیں، جس موضوع میں کتاب لکھی گئی ہے، وہ اپنی مثال آپ کے اور مطالعہ میں وہ نیکو جواب ہیں۔ کہ قلم توڑ کر رکھ دی جائے۔ علاوہ انہیں افادیت کتاب کی شان یہ ہے کہ گویا تاریخ و اسما الرجال کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ اہل علم حضرات اس کتاب سے مستغنی نہ ہوں۔ بہت معلومات عجیبہ انکشافات غریبہ پائیں گے۔ دعا ہے کہ خدائے قدوس اس محنت کو منظور فرماویں اور حضرت مصنف کے لیے باعث رفیع درجات ہو۔ جزاء اللہ عنا خیر الجزاء وجعل لمحات حیاتہ فی تقویۃ شریعتہ العلیا۔ وصیۃ آخرتہ خیر امن الاولیٰ۔ وما ذلک علی اللہ بعزيز

احقر خادم الطلبہ
محمد شفیع عفی عنہ از سرگودھا

(۹)

عالم باعمل۔ نمونہ سلف حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

از احقر عبد اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ رشیدیہ ساہیوال

مکرم محترم حضرت علامہ مولانا صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ والا نامہ اور ہدیہ کتاب مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسرور فرمایا،
میں حیران تھا کہ میں کیا اور میری رائے کیا، میں نے تو کبھی کوئی تقریظ یا کوئی مضمون کبھی نہیں لکھا، مجھ
کو لکھنے کا سلیقہ ہی نہیں، اور میں کوئی عالم بھی نہیں، یونہی بزرگوں اور احباب کی شفقت میں کہ پردہ
پوشی ہو رہی ہے کتاب کا مطالعہ کیا، بلابالغہ عرض کرتا ہوں کہ کتاب کے مطالعہ سے میری بہت
اصلاح کی ہیں خود بعض گنہگاروں میں تھا، گو بعد اللہ بظنی تو کبھی نہ ہوئی مگر جواب تفصیلی سے جاہل
تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرماوے، آپ کے لیے دل سے دعا نکل رہی ہے۔

احقر عبد اللہ جامع رشیدیہ ساہیوال

(۱۰)

استاذ العلماء۔ قادیان جامعہ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث جامعہ صدیقیہ قادیان پورہ۔ گرجہ روالہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى ————— متابعت

احقر، حضرت مولانا ابوالزہاب محمد سرفراز خان صاحب کی کتاب (مقام امام ابو حنیفہ) اپنی کم فرستی کے باعث بالاستیعاب تو نہ دیکھ سکا، اس کے کچھ حصے دیکھے جس سے یہ عرض کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں کہ صاحب موصوف نے اہل علم کو اس کی باحس طریق رہنمائی کر دی کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ مرقدہ علم و فضل، زہد و تقویٰ، اخلاص و عمل، خوف آخرت، اجتناب عن العیوب والذنوب اور تبعہ عن ابناء الدنیا والملوک اور خشیۃ اللہ والتوکل علی اللہ الغرض ہر علمی اور عملی خوبی جو ایک اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے میں بعد الانبیاء پائی جاسکتی ہے، آپ اس سے موصوف ہیں (آفتاب آمد دلیل آفتاب) اور امام موصوف پر زبان طعن دراز کرنے والے آفتاب کی طرف تھوک ہے یہ یہ حد والفتی اذ لہیت الوافضلة فالناس اعداء له وخصومه !

کھڑا حسد و قلن لوجہا حسد او بغیاً انہ لدامیہ

سو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب کتاب ہذا کی سعی مشکورہ اور عمل مہجور اور غرضیں مستور فرماتے اور آپ کو اپنے امثال میں اسی طرح روشن کرے جس طرح انہوں نے سراج الائمۃ کی روشنی لوگوں پر واضح کی ہے خصوصاً اس زمانے میں جب کہ کئی ایک لوگوں نے یہ دستور بنا رکھا ہے کہ بغیر اور ہدایتہ الخوڑ پڑھ کر صحیح بخاری اور مسلم میں مہارت کے مدعی بن بیٹھتے ہیں اور ائمہ دین و جہاں علوم کی وہ تہذیب اور مذمت کرتے ہیں کہ کوئی نیک دل مسلمان اس کے سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔
قالی اللہ المستکبر۔

(الجہش شمس الدین عینی ناظم مدرسہ جامعہ صدیقیہ محلہ مجاہد پورہ گرجہ روالہ)

(۱۱)

علم حقانی، محقق جلیل حضرت امام سیدین الحق صاحب خطیب ہمارے شیخ و پڑپڑا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اما بعد!۔ بندہ اعتراف کرتا ہے کہ کتاب مقام ابو حنیفہ مصنفہ محترم المقام فاضل جلیل صاحب بصیرت صاحب
التحقیق حضرت مولانا ابوالزہاد محمد سر فراز خان صاحب صفدر کو از اول تا آخر ایک ایک سطر دیکھا کتاب
مذکور متلاشیان حق کے لیے بصیرت اور مشعل ہدایت ہے حضرت مولانا موصوف نے کتاب سنت
میں فقہ اور فقہاء کی ضرورت اور خصوصاً فقہ حنفیہ کی ترجیح اور تقدیم کی وجہ پر بہتر لطیف اور مبسوط
فرمائی ہے، متقدمین اور متاخرین فقہاء اور محدثین میں سراج الامت امام ابو حنیفہ کی علم حدیث میں
امامت و عظمت اور علم فقہ میں فضل و تقدم کو امت مسلمہ کے معروف اور مقبول ائمہ حدیث اور فقہ کے
مستند اور صحیح اقوال و آراء سے ظاہر فرمایا ہے، اور علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کے فضل و تفرق کے
متعصب بد زبان معاند کو نہایت متین و سنجیدہ زبان میں سکوت اور دندان شکن آخری جواب دیا ہے،
اور نتائج تقلید کے مولف اور دیگر اس قسم کے اندسے اور بد مزاج بغیر مقلدین کی تلبیس کا پردہ چاک
کر دیا ہے، حضرت مولانا موصوف نے مقام امام ابو حنیفہ میں علم اور فہم و فہم کی بلند یوں میں دوسرے
متعلقہ اہم اوراق مباحث پر جس شان سے کلام کیا ہے وہ حضرت مولانا ہی کی شان کے شایان ہے
اور میرے دل میں سلف صلح کی علمی وسعت احتیاط اور سادگی کی یاد کو تازہ کر دیا ہے، مقام امام ابو حنیفہ
مذکورہ تمام مباحث کی سند اور صحت کے التزام کے ساتھ ان کی جامعیت حضرت مولانا کے فوق العادہ
علم و بصیرت اور اخلاص و محبت کے بے لوث تجلیات اور ہمدردانہ جذبات کے روشن دلائل
ہیں، مقام امام ابو حنیفہ اپنے موضوع میں بے نظیر اور بہترین تازہ تصنیف ہے اور اردو زبان میں ایک
بیش بہا علمی خدمات کے ایک مجموعہ کا اضافہ کر دیا، اہل علم طبقہ عموماً اور فقہ حنفی سے دینی
راہنمائی لینے والے خصوصاً مقام امام ابو حنیفہ کے افاضات سے ضرور استفادہ فرمائیں اللہ تعالیٰ
اس تالیف کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے موجب بصیرت و ہدایت بنائے اور فاضل مولف

کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین یا رب العالمین۔

(امین الحق خلیب جامع شیخزادہ)

(۱۳)

فاضل زوجان، عالم پرہیز، قائم علی الحق حضرت ابو الوفاء عجز محمد زید احوال صاحب ^{رحمۃ اللہ علیہ} خلیفہ سیدت حیات نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) شہداء
محبذات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي جعل في كل زمان بقايا من اهل العلم - يدعون من ضل الى الهدى
ويبصرون بتوكل الله اهل العمى والهمى - وينصرون بالبراهين القاطعة الطريقة المنفية
البيضار - ويرشدون بالدلائل الواضحة اهل الجهالة والروى وجعل طائفة من العصابة
المنفية بالحق قاتلين ولاهل الهوى والضلالة مجاهدين لا يضرم من خالفهم حتى ياتي امر الله
وهم الغالبون - اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون - والصلوة والسلام
على خير الانام خاتم الانبياء محمد وعلى آله واصحابه اجمعين - اما بعد

نہ من برآں گل عارض غزل سرزم و بس

کہ عند لب تو از ہر طرف ہزار اند

اگرچہ امام عظیم ابو حنیفہ النعمان علیہ الرحمۃ والرضوان اور فقہ حنفی کی شان و توصیف میں آج تک
کثیر التعداد رسائل اور کتب معروض وجود میں آئیں۔ اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے اپنی اپنی
بساط کے مطابق طائفہ منصورہ اہل السنۃ والجماعت کے ائمہ کرام نے امانت اور ثقاہت
اور فقہ ہست امام عظیم میں شہادتیں دیں مگر

ہر گلے راز نگ و بوسے دیگر است !

نادرة الدرر المہر العلامہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سر فر از صاحب لازالت شمس
فیوضانہ باز عدسے اپنی کتاب مستطاب میں فقہ حنفی کی قدر و قیمت اور فقہ و حدیث و کلام میں تمام
ائمہ کربس زلے اور عام فہم انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ جناب ہی کا حصہ ہے۔ کہ توبہ الاول للآخر
کے اصول کے ماتحت اس کتاب کا وجود ضروری تھا جس میں دوہر حاضر کے فتنے کی سرکوبی کی گئی

اور ادفع بالتی ہی احسن السینۃ پر بھی عمل کیا۔ اہل صوی (اہل حدیث برہم خلیش) نے فقہ حنفی سے متنفذ
 کئے گئے لیے امام صاحب پر نہایت سوقیانہ انداز میں رکبک حملے کئے اور منکرین حدیث نے امام
 موصوف کو منکرین حدیث کی سرفہرست شامل کیا ۔

کہ من جانب قولاً صحیحاً و آفتہ من الفہم السقیم
 ان فتنوں کا ظہور نتائج تقلید اور دیگر کثب کی شکل میں ہوا۔ خصوصاً نتائج تقلید کی صورت
 پر ثنائی اور روپڑی تصدیقات کا غارہ لگایا گیا، تاکہ دلدادگان صوی خریدار ہوں۔ اور اہل حق اس کی نثرانی
 سے بیزار کالوں پر ہاتھ رکھ کر گریز پاتے۔ چونکہ تحریف غالین و احتمال البطلین و تاویل المجاہلین سے
 حق و صداقت کی صیانت اور حفاظت ضروری تھی۔ اس لیے یہ سعادت حضرت شیخ الحدیث صدر
 مدرس تدریس نصرۃ العلوم گوہر الوالد مولانا ابوالزہاد محمد سرفراز خاں صاحب کو نصیب ہوئی ۔
 ایں سعادت بزورِ بازو نیست مانہ بخشہ خداستے بخشندہ
 مقام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تفقہ فی الدین اور فقہ حنفی کی افادیت اور حقانیت کو مدلل اور بہرین
 طریق سے بیان فرمایا۔ قال الشافعی :-

کل العلوم سوى القرآن مشغلة الا الحديث والفقہ فی الدین
 یہ کتاب مولانا کی تبحر علمی اور وسعت مطالعہ اور فہم و ذکاوت کا خلاصہ ہے، نیز معترضین کے
 اعتراضات کا خوب تعاقب کیا، بلکہ یہ کتاب بہت سے علوم کا ذخیرہ ہے۔ خداوند کریم مولانا
 کی مساعی جمیدہ کو قبول فرمائے جنہوں نے اپنا قیمتی وقت اس عظیم الشان کام کے لیے صرف کیا ۔
 واللہ سمیع علیم۔ (آمین ثم آمین)

حضرت کے تعمیل ارشاد کے لیے اظہار خیال کیا ہے، ورنہ مولانا کی کتاب میری تقریظ و
 تبصرے کی محتاج نہیں۔ واللہ اعلم۔

ابوالاعجاز حفیظ الرحمن محمد ذریعہ اللہ خاں (فاضل دیوبند)
 سرپرست جامع مسجد حیاۃ النبی مہجرات (الموطن بنہجریاں)
 تحصیل کھاریاں

(۱۳)

اسوۃ علماء ائرس التتیین حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی جامعہ شرفیہ انیلا گٹسبڈ - لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مبطل و محمدا و مصلیا و سلم

امّا بعد :-

معلوم نہیں کیوں ہمارے غیر مقلد بھائی جو اپنے کو اہل حدیث کہہ کر دوسرے تمام مسلمانوں کو بدعت پاک سے انحراف کے اشارہ سے پراپیگنڈہ پرستے ہوئے ہیں، تقلید ائمہ اربعہ کو شرک قرار دیتے ہیں حالانکہ شرک صفات خاصہ اکیسہ میں غیر کو شرک ماننا ہوتا ہے ورنہ اگر قرآن و حدیث کے ماسخ و منسوخ رائج و مرجوح قوی ضعیف ظاہر و باطن اور منشا شارع میں کوئی کسی بزرگ کی تحقیق کو حضور کے زمانہ سے قریب علم و محافظہ کے سمندر کی غوطہ زنی تقویٰ و دیانت، دین داری کے اعلیٰ مدارج پر ہونے کی وجہ سے اپنی کم مائیگی، غلبہ ہوا و بھوس کے زمانہ اور عمدہ خیر سے دوری کی بنا پر قبول کرتا ہے یہ شرک ہوتا ہے تو ہر انسان استادوں ماں باپ اور تمام علوم خصوصاً علم حدیث و رجال کے بتلنے والوں کی باتیں قبول کرنے سے شرک بنے گا اور کم سے کم یہ حضرات تو اپنے مسلمہ قاعدہ میں اگر شرک قرار پایا ہی جائے گا، دوسرے لوگ تو اس اصل کے ہی منکر ہیں وہ ہر جگہ ہی رہیں گے۔ اور گو ائمہ مجتہدین بہت بڑی تعداد میں ہوئے اور بہت بہت۔ لوگ ان کی تقلید سے سرفراز ہوئے ہاں مکمل فروع و جزئیات پر صرف چار مذہب مدّٰن ہوئے اور اب اپنی تحقیقات پر مسلمانوں کی اکثریت عمل کی بنیاد رکھتی ہے، ان سب کو شرک کہہ کر اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور خصوصیت سے تمام ائمہ کو چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ پر طرح طرح کے الزامات تراشتے بہتے ہیں، جن کا بے بنیاد، دغا فریب اور دھوکہ ہونا صدیوں سے مالیفات میں آیا ہوا ہے مگر علم دین اور متعلقات سے ناواقف یا کم واقف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پھر ان باتوں کو دھرا کر مسلمان کو دھوکہ دیا جاتا ہے، قریبی زمانہ میں نتائج تقلید نامہ سے ایک کتاب اسی گندے پروپیگنڈا کی شاہکار کسی غیر مقلد صاحب نے لکھ مارنی ہے، گو بات اس میں کوئی نئی نہیں اور نہ ہو سکتی تھی وہی فرسودہ الزامات جن کی حقیقت صدیوں سے واشگاف

ہو چکی ہے، نادانانہ یا کم واقف یا علوم دین سے بے پردہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی طرف منسوب کر کے شائع کی گئیں اور تہذیب کے حد درجہ گہری ہوئی مجتہدانہ گالیوں سے اس کو مزین کیا گیا، شاید اپنے خیال باطل میں اس کو بھی اسلام کی کوئی خدمت قرار دیا ہو گا، ہاں ایک خدمت اپنی ذات کی یہ ضرور کی الغیبۃ اشد من النہا حدیث پاک کی رو سے بدکاری سے بڑھ کر گناہ غیبت کا ارتکاب کیا اور کربڑوں مسلمانوں کو شرک فاسق گردان کر اپنے لیے ایک راہ طریقہ ہائے آخرت میں سے بدترین انتخاب کر لی۔ اور چونکہ ائمہ اربعہ میں سے صرف امام عظیم تابعی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن صحابہ کے قرن اور تابعین کے قرن کو طیر ہی خیر فرمایا ہے، بعد میں کذب جھوٹ کے پھیلنے کی پیش گوئی فرمائی ہے، اس قرن خیر کے کسی بزرگ کے خلاف ہرزہ سرائی "آسمان کا مٹو کا منہ پر آتا ہے" کا مصداق ہوئی ضروری ہے اور کذب و جھوٹ کا مرقع۔

اس دور میں اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب مفسد نے جیسے اور بہت سی تحقیقی اور عجیب تحقیقات کی کتابیں لکھی ہیں "مقام امام ابو حنیفہ" نام سے نہایت محنت اور بے حد تحقیقات پر مشتمل وہ کتاب لکھی ہے کہ پڑھنے والا حیرت میں رہ جاتا ہے اور آج کل کے دریدہ دہن لوگوں کی دیانت و عظمت کا راز فاش ہو جاتا ہے، ہر بات پر تحقیق کا انبار اسلام سے تحقیق اور خود فرقہ مدعی اہل بدعت کے بزرگوں سے تحقیقات کر کے ہر ہر بات کی اصلیت اور اس میں بددیانتی یا غلط فہمی کی راہوں کی نشان دہی موجود ہے۔ اس کے سوا لحد سے حضور کے ارشاد خیر القرون پر ایمان تازہ ہو گا، بدگمانی و غیبت اور مسلمانوں کو شرک و فاسق بنانے سے نجات حاصل ہوگی۔ قرآن و حدیث کے مضمومات میں سے ناسخ و منسوخ، قوی و ضعیف ظاہر و باطن راجح و مرجوح میں ہزار سالہ متفق شدہ تحقیقات یعنی ائمہ اربعہ کے فقہ میں تابعی فقہ اور راجح ترین فقہ معلوم ہو کر صحیح راہ ہدایت معلوم ہوگی، اس فقہ کی دوسرے فقہوں سے فوقیت سمجھ میں آئیگی اور راہ دین میں ایک بصیرت حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو اجر جزیل عطا فرمائیں اور اے کاموں کی مزید توفیق بخشیں اور قبول خاص سے سرفراز فرمائیں۔

(ذیل احمد تھالوی، محرم ۱۳۸۲ھ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سخن ہائے گفتنی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مُحَمَّدٍ خَيْرِ خَلْقِهِ
وَعَلَى النَّبِيِّينَ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ الَّذِينَ هُمْ هُدَاةُ الدِّينِ وَعَلَى
مَنْ تَبِعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ.

آمَنَّا بِكَ ۔

جوں جوں قیامت قریب ہوتی جا رہی ہے فتنوں اور مصیبتوں کا دروازہ کشادہ تر ہوتا جا رہا
ہے، اور دینی و دنیوی ہر قسم کے فتنوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہوتا جا رہا ہے جو کسی طرح ختم ہونے
میں نہیں آتا اور زمانہ بزبان حال گویا یوں کہہ رہا ہے کہ یہ

ہر صراحی سے قطرہ قطرہ منے حوادث ٹپکتے ہیں
میں اپنی بیچ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دزدانہ

اور اس نازک دور میں ہر صاحب ہوس کی یہ خواہش ہے کہ مذہب اسلام کی پابندی سے
رستگاری حاصل کر لی جائے اور مذہبی قیود و حدود کو خیر باد کہہ کر جی چاہی اور من مانی زندگی بسر کی
جائے اور اپنی ناقص اور نارسا عقل دے ہی کو اپنا امام تسلیم کر لیا جائے اور اعجاب کل ذی شئے
برائے کا مظاہر کیا جائے اور سلف کے علمی کارناموں پر ہوس کی گرد ڈال دی جائے اور ان پر سے
اعتماد و اعتبار ہٹا کر لوگوں کو مادر پدر آزاد کر دیا جائے کہ نہ ہے بانس نہ بچے بانسری ۔
فَاللّٰهُ الْمَشْكٰی۔

① منکرینِ حدیث نے مطلب برآری کے لیے محض اپنے بایں ہاتھ کے کرتب اور شعبہ بازی سے جن حضرات کو منکرینِ حدیث کی مد میں لاکھڑا کیا ہے ان میں ایک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ذات گرامی بھی ہے۔ چنانچہ (مقامِ حدیث جلد اول ص ۲۵۶ میں) تین بٹے بٹے منکرینِ حدیث کی سرخی قائم کر کے بیچے لکھا ہے: امام ابو حنیفہؒ، شاہِ ولی اللہؒ، اور علامہ اقبالؒ اور طلوعِ اسلام کی ایک اشاعت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ایک ذمہ دار شخصیت کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بیس کے کم حدیثوں کا عالم اور مالک گردانا تھا، اس لیے بھی اشد ضرورت تھی کہ تاریخی طور پر حضرت امام صاحبؒ کا علمِ حدیث میں مقام اور رتبہ عرض کیا جائے اور منکرین کے دجل و تبیس کو آشکارا کیا جائے تاکہ کسی کو مغالطہ نہ رہے اور صحیح بات ذہن نشین ہو سکے۔

② غیر معتدین حضرات نے جو خیالی خویش بلا شرکت غیرے اہل حدیث ہونے کے واحد ٹھیکہ دار بنے ہوئے ہیں، عوام کو یہ باور کرانے کا جماعتی منصوبہ تیار کر رکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ اور کتبِ فقہ حنفی پر تحریر و تقریر ہر طرح خوب برس کر یہ سطح بھول کر جاتے کہ امام ابو حنیفہؒ تو حدیث میں ضعیف اور کمزور تھے ان کا سرمایہ ہی صرف سترہ حدیثیں تھیں اور ان کو آئمہ حدیث میں شمار کرنا غلط ہے وغیرہ وغیرہ اور مجمعِ محدثی، حقیقت الفقہ وغیرہ کتابیں اس پر عرصے شائع ہو چکی ہیں۔ اور یہ سب بے بنیاد دعاوی ان میں مذکور ہیں۔ مگر نتائجِ تقلید کے نام سے ان کی ایک مرکزی کتاب اب کچھ عرصے شائع ہوئی ہے جس پر ان کی شنائی اور روپری پارٹی کے تقریباً سبھی حضرات کی تصدیقات موجود ہیں، چونکہ فریقِ ثانی اس طرز و طریق سے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے، اور حضرت امام ابو حنیفہؒ آپ کے اصحابؒ اور کتبِ فقہ حنفی سے عوام کو متفرق کرنے پر اوجھار کھائے بیٹھا ہے، اس لیے ہم نے اس کتاب کا نام مقامِ ابی حنیفہؒ تجویز کیا ہے اور لوگ بے بس کے ساتھ ہم نے اپنے دعاوی پر ٹھوس حوالجات نقل کئے ہیں اور فریقِ ثانی سے ہم نے محض علمی مناقشہ کیا ہے۔ مؤلف نتائجِ تقلید اور اس کے اکثر تصدیق کنندگان حضرات کی طرح سو قیاذ اور دل آزار زبان اور لب و لہجہ اختیار نہیں کیا۔ شاید اس انداز میں بھی کوئی زندہ دل جواب دینے کے لیے میدان میں نکل آئے مگر ہم اس کو پسند نہیں کرتے۔ فریقِ ثانی کی بعض تعصب آمیز باتوں کا جواب ہم نے ”طاغۃ منصورہ“ اور ”الکلام المفید“ میں دے دیا ہے (جو اللہ العزیز عنقریب

طبع ہونے والی ہے)

③ لفظ فقہ اگر علم اور فن کی صفت ہو تو بلا شک یہ مذکر ہے اور اگر یہ درایت اور سمجھ کے معنی میں استعمال کیا جائے تو یہ مؤنث ہے۔ ہم نے ایک خاص مصلحت کے پیش نظر ثنائی شق ہی اختیار کی ہے اور پوری کتاب میں (الآماشاء اللہ) ہم نے لفظ فقہ کو مؤنث ہی استعمال کیا ہے، اس لیے اوبار طرز جدید سے ہم محذرت چاہتے ہیں کہ اس پر کوئی گرفت نہ فرمائیں وَلَا مَشْلَحَةٌ فِيهِ مِطْلَحٌ۔

④ اس کتاب میں جتنے حوالجات درج ہیں ان میں اکثر براہ راست راقم السطور نے خود کتابوں میں دیکھے ہیں، اور بعض کتابیں مثلاً الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاريخ للسفاوئی عقودہ الجہات للعلامة الصالحی، مناقب ابی حنیفہ وصاحبہ للعلامة الذهبی، الرواة الثقات المتکلفہم بمالہ یوجب ردہم للذهبی وغیرہ بعض حوالے ہم نے حضرت مولانا محمد رشید صاحب نعمانی کی کتاب ابن ماجہ اور علم حدیث اور ما تفسر الیہ الملجۃ سے لیے ہیں کیونکہ براہ راست یہ کتابیں ہمیں دستیاب نہیں ہو سکیں، اور وقف علی اہل الحدیث کا مسئلہ جو در مختار اور رد المحتار کے حوالے سے آئے گا وہ ہم نے حضرت مولانا محمد علی صاحب صدیقی کا مذہبی کی کتاب مذہب اہل سنت والجماعت سے لیا ہے اور بقیہ حوالجات گاہی کی کتابوں کی رہنمائی میں ہم نے اصل کتابوں سے نقل کیے ہیں، (الآماشاء اللہ تعالیٰ)۔

اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ چونکہ اس ضخیم کتاب کی پوری تسوید آیام تعطیلات سالانہ مدرسہ نضرۃ العلوم کو بحر الزوال یعنی تقریباً ۱۰ رجب ۱۴۲۸ھ سے لے کر ۲ رمضان ۱۴۲۸ھ تک میں ہوئی ہے اور گھنٹہ کی تمام مصروفیات کے علاوہ علالت بھی ساتھ ساتھ ہی رہی ہے اس لیے اگر کسی مقام میں کوئی سقم نظر آئے تو مطلع فرمائیں تاکہ طبع جدید میں اصلاح کر لی جائے بعض اکابر کی طرف سے اور خصوصاً حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے کچھ اصلاحات بھی موصول ہوئی ہیں جن کو اس طبع میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

⑤ چند مقامات میں حوالجات کا کچھ تکرار بھی ہو گیا ہے، مگر اہل علم بخوبی سمجھ لیں گے کہ ایسا کرابھی ناگزیر تھا، اور انشاء اللہ العزیز یہ بھی ناگزیر سے خالی نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم

سے راقم کی جہانی اور روحانی بیماریوں کو دور کرے اور اپنی مرضی پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔
آمین ثم آمین !

ابوالزہاد محمد سر فراز خاں صفدر،

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۸۱ھ

مطابق ۸ فروری ۱۹۶۲ء

بَابِ اوّل

تَفَقُّهُ فِي الدِّينِ

عقل و خرد اور فہم و فراست خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر و منزلت کو صرف وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جن کو ربّ قدیر کی طرف سے اس دولتِ غلّی سے کچھ نصیب حاصل ہوا ہو۔ بے عقل عقل کی کیا قیمت جانے؟ اور بے خرد و خرد کی شان کیا سمجھے! حقیقت یہ ہے کہ عقل و فہم ایک روشن چراغ ہے، اور قرآن و حدیث اس کے لیے مصطفیٰ روغن ہے جو روشنی دینے میں چراغ کا مٹا دھاؤں ہے، اور اس خالص روغن کے بغیر چراغ ایک بے کار ظرف ہے جس کی سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں جیسا کہ فلاسفہ و مناظر اور اس قسم کے دجاہلہ و ابالہ اور ملاعنہ و مراقبہ کی عقل و وحی الہی کے روغن سے چراغ نصیب ہو کر داؤبی ضلالت میں بھٹک رہی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے چراغ و روغن دونوں ہی کی ضرورت ہے اور رشد و اصلاح کے لیے دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں اور وحی الہی اور عقل صحیح میں کوئی مخالفت اور تضاد نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عقل بینائی ہے، اور وحی الہی روشنی ہے جس طرح بغیر بینائی کے روشنی کام نہیں دیتی اسی طرح روشنی کا احساس اور شعور بھی بغیر بینائی کے نہیں کیا جاسکتا اور صریح قسم کے دلائل شرعیہ سے تفقہ و تدبیر اور عقل کی بڑی تعریف ثابت ہے، اور فہم و فراست کی توصیف قرآن و حدیث سے ہو رہی ہے اور اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن و حدیث کے محسوس و مربوط مضامین اور محکم و قوی دلائل و براہین کی باریکیوں سے بھلا ایک زوالا عقل، بیوقوف یا ایک سطحی اور خام عقل والا کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ ان کی تہ اور لم

تک تو صرف وہی حضرات رسائی حاصل کر سکتے ہیں جن کو قسام ازل نے فہم و عقل اور بصیرت کی نعمت سے نوازا ہے جو قرآن وحدیث کے بجز بیکراں میں غوطہ زنی کر کے تفقہ فی الدین کے انمول موتوں اور جواہر ریزوں سے امت مرحومہ کی جھولیاں بھرتے رہے ہیں اور انقلاب زمانہ کی انتہائی نزاکتوں اور ناساعد حالات میں وہ اپنے اس چراغ کو روشن ہی کرتے رہے ہیں۔

ہولہ ہے گو تند و تیز لیکن چسپاں اپنا جبار ہے

وہ مرد و رویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

قرآن کریم میں تفقہ کی فضیلت | جس چیز کا ثبوت قرآن کریم میں ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کے حاصل کرنے کی رغبت اور شوق بھی دلایا ہو

اس کے عمدہ اور خوب ہونے میں کیا تردد باقی رہ سکتا ہے اور اس کے مقبول و محمود ہونے میں کیا شبہ پیدا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ ایک خاص مقام پر اللہ تعالیٰ کا یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً
فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ
لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ
إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ
اور مومنوں کو یہ مناسب نہ تھا کہ وہ سب ہی
کوچ کر لیتے سو کیوں نہ کوچ کیا ان میں ہر فرقہ
سے ایک طائفہ نے تاکہ وہ دین میں تفقہ پیدا
کر لیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف
لوٹیں تاکہ وہ بچ جائیں۔
(پکاء التوبہ: ۱۵)

قطع نظر اس سے کہ یہ آیت جہاد کے لیے کوچ سے متعلق ہے جیسا کہ اکثر ارباب تفسیر کا خیال ہے یا طلب علم کے سفر سے وابستہ ہے جس طرح کہ مشہور مفسر علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی (الترغیب ۷۴۵ھ) وغیرہ کی رائے ہے اور صرف نگاہ اس سے کہ ایک طائفہ تفقہ فی الدین کے لیے سفر اختیار کر کے یہ کمال پیدا کر کے واپس آکر قوم کو آگاہ کرے یا گھر ہی میں رہ کر یہ حاصل کرے اور جب مجاہدین یا غیر حاضر افراد رجوع کریں تو ان کو یہ احکام خداوندی سے باخبر کر دے ایہ دونوں تفسیریں منقول ہیں۔ ہمارا مقصد اس سے بالکل روشن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین حاصل کرنے کی ترغیب دی اور بصورت دیگر اس کو ترک کرنے پر فلولاً نفذ کے ساتھ ملامت اور تنبیہ فرمائی ہے۔ اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی قباحت اور بُرائی بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد

فرمایا ہے کہ :-

يَا أَيُّهَا الْقَوْمُ لَا يَنْفَقُهُوْنَ (پٹ، انفال ۹) بے شک وہ ایسی قوم ہے جو کبھی نہیں۔
اور ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے فقہائے ہندی دست لوگوں کا حال ان الفاظ میں بیان

فرمایا ہے کہ :-

فَمَا لَهُمْ لَا يَتَوَقَّعُونَ الْقَوْمَ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُوْنَ
حَدِيثَاه (پ ۵- النساء- ۱۱۷) سو کیا ہو چکا ہے اس قوم کو جو بات سمجھنے کے قریب نہیں لگتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ فہم و عقل اور فہم و غرور اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے جو اس کے مقبول بندوں کو حاصل ہوتی ہے اور جو لوگ اس سے محروم ہوتے ہیں وہ تعریف و تائید کے لائق مستحق ہو سکتے ہیں، البتہ وہ ملامت اور مذمت کے سزاوار ضرور ہیں۔ یہ یاد رہے کہ عقل و غرور اور فہم و فہم سے مراد عام سمجھ نہیں بلکہ وہ فہم و فراست مراد ہے جو دین سے متعلق ہو، عام اس سے کہ اس کا تعلق روایت سے ہو یا درایت سے۔ قرآن و حدیث اور اقوال علماء اُمت میں جہاں بھی فہم و عقل کا لفظ آتا ہے، اس سے یہی مراد ہوتی ہے نہ یہ کہ خدا و رسول، مذہب و دین اور قرآن و حدیث سے بے نیاز ہو کر انسانوں کی تباہی و بربادی اور اللہ میاں کے سرسبز و شاداب اور مسلمانوں کے چمن کو نیست و نابود کرنے کے لیے عقل و سمجھ استعمال کی جائے اور راکٹ و میزائل وغیرہ تباہ کن اور موزی آلات ایجاد کئے جائیں۔ یا ایسے محیر العقول جہاز ایجاد کئے جائیں جن کی بدولت پانڈیٹان کی رسائی ہو جائے۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں ایسے لوگ اُدُوّ الباب نہیں کہلا سکتے بلکہ وہ لوگ اُولَئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ كَامُصَدِّقٍ ہوں اور ان کے حق میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہے نہ اہل بصیرت تو بے غرور چمکے فرورغ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

فہم و اہل فہم کی فضیلت و منقبت کے لیے ایک دو نہیں بیسیوں
حدیث میں فہم کا درجہ صحیح اور صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ ہم صرف مشتے نمونہ از خروار سے

کے طور پر چند صحیح احادیث کا میاں باحوالہ ذکر کرتے ہیں، بخود فرمائیے :-

حضرت امیر معاویہؓ (المہوفی ص ۶۷) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روا کرتے ہیں جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں کہ :-

من یرید اللہ بہ خیرا یفقهہ فی الدین جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ
(المحدث) و بخاری جلد ۱ ص ۱۹۱ واللفظ ۲ و مسلم جلد ۲ . سند مناسب ہے تو اس کو دین کی کج اور فحاشیت
ص ۱۳۳ والدرعی جلد ۱ ص ۳ طبع دمشق) عطا فرماتا ہے ۔

یہ روایت ابنی الفاظ کے ساتھ جبر الامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رض
(المتوفی ۳۸ھ) سے بھی مرفوعاً مروی ہے ۔ (مسند دارمی ج ۲ ص ۲۹ طبع دمشق)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس کے متعلق خیر اور بہتری کا
ارادہ فرماتا ہے ، تو اس کو تفقہ فی الدین کی لازوال دولت اور نعمت عظیمہ وافر مرحمت فرماتا ہے ،
اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے اس کے اعلیٰ و افضل اور عمدہ ترین ہونے میں کیا کسر باقی رہ
جاتی ہے ؟ حافظ ابن حجر العسقلانی الشافعی (المتوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ :-
وفی ذالک بیان ظاہر لفضل العلماء علی
سائر الناس و لفضل التفقہ فی الدین
علی سائر العلوم (فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۰ طبع مصر)
اس حدیث میں وضاحت کے ساتھ علماء کی سب
لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت
بیان کی گئی ہے ۔

حضرت ابوہریرہ (المتوفی ۵۷ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ایک موقع پر یوں ارشاد فرمایا کہ :-

خیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الاسلام
اذا فقهوا۔ بخاری جلد ۱ ص ۱۹۱ واللفظ ۲
مسلم جلد ۲ ص ۲۰۱ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۰۱
جو ان سے جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں
بھی بہتر ہی رہیں گے جب کہ وہ فقہ سے موصوف
ہوں ۔

اس حدیث میں آپ نے نسب و خاندان کی شرافت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تصریح فرمائی
ہے کہ جو لوگ ایام جاہلیت میں بہتر تصور کیے جاتے تھے اسلام ان کی قدر و منزلت کو گھٹانے کے
لیے تیار نہیں بشرطیکہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد فقاہت سے مستغنی ہوں ۔ اس میں اسلام کے
کے اندر ان کی خوبی اذا فقهوا کی شرط سے مشروط ہے ۔ اگر یہ کوئی عمدہ خصلت نہ ہوتی یا اس سے
بہتر کوئی اور خصلت آپ کی نگاہ پاک میں قابل ذکر نہ ہوتی تو آپ ضرور اس کا تذکرہ فرماتے ۔
حضرت ابو موسیٰ الاشعری (المتوفی ۵۲ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت و علم دے کر مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے زرد کی بارش جو زمین پر برسی ہو، اور زمین کا ایک وہ بہترین اور قابلِ زراعت ٹکڑا ہے جس نے پانی کو خوب جذب کر لیا اور ساگ پات اور گھاس و چارہ بکثرت اگایا جس سے انسانوں اور جانوروں کی اکثر ضرورتیں پوری ہو گئیں (اور زمین کا ایک جھتہ وہ ہے جو سخت ہے، اس سے کوئی چیز اُگتی تو نہیں لیکن اس جھتہ میں پانی خوب جمع ہو گیا اور اس جمع شدہ پانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع بخشا کہ وہ خود بھی پیتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں اور کھیتی کر سیراب کرتے ہیں اور زمین کا ایک اور قطعہ ہے جو بالکل چٹیل ہے، نہ تو وہ پانی کو روک سکتا ہے اور نہ گھاس و ہنہ وغیرہ اُگلنے کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ :-

فَذَلِكَ مِثْلٌ مِّنْ فَتَا فِي دِينِ اللَّهِ فَتَا
بِمَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعِلْمٌ وَعِلْمٌ وَمِثْلٌ مِّنْ
لِّمَ يَرْفَعِ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هَدًى
اللَّهُ الَّذِي أَمْسَلَتْ بِهِ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۰)
مسلم جلد ۲ ص ۲۴۴ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸

پس یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ تعالیٰ کے
دین میں فتا ہست حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو
اس چیز سے نفع عطا فرمایا جو چیز مجھے اللہ تعالیٰ نے
دیکر مبعوث کیا ہے جس کو اس نے سیکھا اور سکھایا
اور مثال ہے اس کی جس نے ہدایت غلطی کی طرف
جس کو میں نے کرایا ہوں مطلقاً سر ہی نہ اٹھایا۔

آخری چٹیل زمین کی مثال تو مادشا کی ہے کہ نہ تو محدث ہیں نہ فیتہ کہ نہ روحانی بارش کو محفوظ رکھا اور نہ اس کو جذب کر کے اس سے کوئی خوشگوار نتائج ہی برآمد کئے اور دوسری مثال محدثین کرام کی ہے جنہوں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مو سلا دھار بارش کو بھٹات تمام اصلی شکل میں معصوم رکھا، لوگ آکر ان سے اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں لوگوں کو وہ مصفیٰ پانی پلا پلا کر سیراب کرتے ہیں اپنے تو کیا جو غیر مسلم اور بیگمنے اور اولیٰک، کالانعام کا مصداق ہیں۔ ان کو بھی وحی الہی کی بارش سے وہ سیراب کرنے کے پئے ہوتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کی اُچھڑی ہوئی بے آباد اور خشک کھیتوں کو اس پانی کے ذریعہ سرسبز و شاداب کرنے کی فکر میں بہتے ہیں غرضیکہ فشولوا، فسقوا، وندعوا کے ایک ایک لفظ پر پورا عمل کرتے ہیں۔ اور پہلی مثال فقہاء کرام کی ہے جن کے دلوں کی سرزمین طائفۃ طیبہ کا مصداق ہے، اور وہ اپنے سینوں اور

دلوں میں اس روحانی بارش اور وحی الہی کو اچھی طرح جذب کرتے ہیں اور اگرچہ وہ بارش اس قطعہ ارضی پر اصلی شکل پر تو نہیں رہتی مگر اسی کی وجہ سے اس عمدہ زمین سے ساگ پات، گھاس و اناج، بھری و ترکاری، پھل و پھول اور دیگر مختلف اجناس کی شکل میں متعدد چیزیں نکلتی اور پیدا ہوتی ہیں جن کو انسان بھی اور حیوان بھی استعمال کرتے اور اپنے معارف میں لاکر اپنی مختلف قسم کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ پانی بھی اپنے مقام میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے مگر اسے پانی سے تمام ضرورتیں تو ہرگز پوری نہیں ہو سکتیں۔ اسی پانی کے ذریعے جب مختلف قسم کے مسرہ زار اور لذاتی ہوئی کھیتیاں معرض وجود میں آئیں گی تو اس سے جو فائدہ مرتب ہو گا وہ ظہر بنس ہے، اسی طرح فقہائے کرام بھی اس وحی الہی کو جذب کر کے اس سے سینکڑوں اور ہزاروں مسائل استنباط کرتے ہیں جن سے پوری دنیا کو عظیم فائدہ نصیب ہوتا ہے، اب اگر کوئی شخص زمین کے اس قطعہ پر یوں اعتراض اور حریف گیری کرے کہ اس نے تو پانی کو محفوظ ہی نہیں رکھا، یہ تو بڑی ناکارہ زمین ہے، تو اس اعتراض کی نقلی و عقلی دنیا میں ہرگز کوئی وقعت نہ ہوگی، بلکہ یہ کتنا عین انصاف ہے کہ اس زمین کی قدر و منزلت باقی جہتوں سے بہت زیادہ ہے کیونکہ اس نے مختلف قسم کی ضروریات کی کفالت کی ہے اور یہی حال فقہار کرام کی بے لوث خدمات کا ہے کیونکہ انھوں نے ضرورت تمام مسائل و نوازل کی جزئیات کے لیے ناکافی ہیں، چنانچہ اسی ضرورت اور اہمیت فقہ پر بحث کرتے ہوئے مؤرخ اسلام علامہ عبد الرحمن بن محمد بن خلدون (المتوفی ۸۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

والوقائع المتعبدۃ لا توفی بہا النصوص سنۃ سنۃ پیش آمدہ مسائل کے لیے نصوص (میرے)

نا کافی ہیں۔

(مقدمہ ص ۴۲ طبع مصر)

حضرت جلیل مطلق (المتوفی ۸۵۴ھ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فخر	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
الله عبداً سمع مقالتي فوعاها لئلاها	خوش و خرم رکھے۔ اس بندہ کو جس نے میری بات سنی
الى من لم يسمعها فريب حامل فقه لا فقه	اور طوبیاد کی پھر وہ بات ان لوگوں کو سنائی جنہوں نے
له وريب حامل فقه الى من هو افقه منه	(برابر راست مجھ سے) نہیں سنی کیونکہ بے اوقات غرور
الحديث (روای جلد ۱ ص ۲۷ طبع دمشق والتفطرا	حامل فقه کو فقاہت حاصل نہیں ہوتی اور بہت

و ابن ماجہ ص ۱۱۱ و مستدرک جلد ۱ ص ۱۱۱ و مجمع
 الزوائد جلد ۱ ص ۱۱۱ و الترغیب والترہیب ص ۱۱۱
 قال البیہقی رجالہ موثقون - وقال المحاکم والمذہبی
 دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حامل فقہ اعلیٰ درجہ کا فقہ
 نہیں ہوتا اور وہ اس طریقہ سے اس کو پہنچائے گا
 جو فقہ تر ہوگا۔
 صحیح علی شرطہما۔

امام حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) اور علامہ ذہبی (شافعی المذہب و منبلی المعتقد المتوفی ۷۴۸ھ)
 کہتے ہیں کہ یہ روایت نصرت اللہ امداً الخ (مختلف الفاظ کے ساتھ) متحد صحابہ کرام سے مروی
 ہے (مستدرک جلد ۱ ص ۸۸ و تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۸۸) بلکہ امام حاکم اس کو مشہور حدیثوں میں شمار کرتے
 ہیں و معرفت علوم الحدیث طبع قاہرہ ص ۹۲) اور امام سیوطی الشافعی (المتوفی ۹۱۱ھ) اس کو متواتر
 کہتے ہیں (مفصل الجنت فی الاحتجاج بالسنۃ مطبع مصر)۔ فراب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی ۱۲۴۱ھ)
 اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ بخیر صحابہ کرام سے مروی ہے۔ (الحزب المکنون من لفظ
 المعصوم المامون ص ۹ طبع بھوپال سنہ ۱۲۹۰ھ)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث کی تبلیغ کا اصل مقصد ان سے فقہ حاصل کرنا
 ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی
 ایسی حدیث کو اٹھانے والا جس حدیث میں فقہ ہو خود صاحب فقہ نہ ہو لافہ لہ اس لیے
 وہ حدیث دوسروں کو پہنچائے تاکہ وہ اس کی فقہ سے خود بھی متمتع ہوں اور دوسروں کو بھی
 فائدہ بخشیں اور اگر وہ خود تو صاحب فقہ ہے مگر ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ فقیہ ہو
 اور وہ اس سے زیادہ سے زیادہ استنباط مسائل اور استخراج احکام کر کے اُمت کو نفع پہنچا
 سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نئے محدث جو فقہ حدیث سے بہرہ ور نہیں محض ہرکارے ہیں۔
 اور فقہاء کرام جو قرآن و حدیث کی روشنی میں اہل اجتہاد ہو کہ فقہ واجتہاد سے کام لیتے ہیں
 وہی صاحب منزل اور اہل دولت ہیں اگر ڈاکیا جو قیمتی پارسل اور مہنی آرڈر اٹھاتے ہوئے ہیں،
 یہ دعویٰ کر دے کہ یہ چیز ہی میری ہے کیونکہ میں اس کو اٹھانے والا ہوں تو کون اس کے بے بنیاد
 دعوئے کو قبول کرے گا۔ اس کا کام تو صرف یہ ہے کہ امانت اس کے مالک کو پہنچائے اور بس۔
 آخر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوامع الکلم کے ساتھ یہ ارشاد و قرب حامل فقہ لافہ

لہذا بلاوجہ تو ہرگز نہیں ہے۔ اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ آپ کے ارشادِ عالیہ ہی سے دنیا کو ہر قسم کی ہلاکت و اصلاح اور رشد و فلاح نصیب ہوئی ہے اور جن حضرات کے مقصدِ زیست ہی معلوم نہ تھا وہ اسی سے زندگی کے آثار پڑھاؤ اور انجمنیچ سے بخوبی باخبر ہو گئے ہیں، سچ ہے کہ

جنہیں شعور نہ تھا بختہ حیات سبے کیا

وہ اک نگاہ کے صدقے سے رازِ داں ٹھہرے

خلیفہ راشد حضرت مکرین الخطاب (المرتوی سلمہ) فرماتے ہیں کہ:-

تفقهوا قبل ان تسودوا قال ابو عبد اللہ
و بعد ان تسودوا (بخاری جلد ۱ ص ۱۸)

یعنی تفقہ فی الدین ایک ایسی ضروری اور اعلیٰ ترین نعمت ہے جس کو سرداری حاصل ہونے سے قبل اور بعد کسی موقع پر بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

باب دوم

فہمہ و درایت

قرآن کریم کے بعد حدیث شریف کا جو مقام ہے وہ کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہے وہ مسلمانوں کا مذہبی اثاثہ بھی ہے اور ملحدین بھی مسلمانوں کے بیشتر مذہبی مسائل بھی اس پر موقوف ہیں اور سیاسی بھی۔ ان کی دنیا بھی اس سے وابستہ ہے اور آخرت بھی۔ اس میں روحانی بیماریوں کا علاج بھی ہے اور جمالی کا بھی مگر حدیث کے سلسلہ میں دو اہم اور بنیادی چیزوں کی محنت ضرورت ہے اور ان کے بغیر حدیث سے استفادہ کرنا ایک ناممکن امر ہے۔ ایک چیز سننا اور روایت ہے اور دوسری معنی و درایت۔ اول چیز کی حفاظت محدثین کرام نے کی ہے، اور دوسری کی فہمائے عظام نے۔ جس طرح ہم حدیث کے صحت و سقم کے معلوم کرنے میں مثلاً امام بخاریؒ وغیرہ کے اور ان کے قائم کردہ اصولوں کے محتاج ہیں اور ان پر ایسا اعتماد نہ تو کفر و شرک ہے اور نہ بدعت ہے بعینہ ہم حدیث کے معنی و درایت میں مثلاً امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے مفتقر ہیں۔ پھر بعد ان پر اعتماد کیونکر شرک، ناروا اور بدعت قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر ایک طبقہ اور گروہ نے راستہ کی حفاظت کی ہے تو دوسرا گروہ اور طائفہ منزل کا نگہبان رہا ہے۔ اگر ایک جماعت نے پھلے اور پوست کی نگرانی کی ہے تو دوسرا حزب میوہ اور مخز کا پاسبان رہا ہے۔ اگر ایک کی محنت و جانفشانی تحمیل کے قابل ہے تو دوسرے کی کاوش و سعی بھی صد آفرین کی مستحق ہے اور یہ دونوں طبقے عالم اسباب میں دین کی حفاظت کا محافظ و رستہ ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) ان دونوں ضرورتوں پر بحث کرتے

ہم نے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

پس لازم آمد در تحصیل این علم از دو چیز کے ملاحظہ حال روایت دوم احتیاط عظیم در فہم معانی آن زیر کہ اگر در امر اول مسالہ رود کاذب با صادق ملتبس شود و اگر در امر ثانی احتیاط نباشد مراد با غیر مراد مشتبہ گردد و علی التقديرین فائدہ کہ از این علم متوقع است بیشتر گردد و بلکہ ضد آن فائدہ بجمول انجامد و موجب ضلال و اضلال باشد معاذ اللہ من ذالک :- (عجالة نافعہ ص ۵۷)

اور اس میں فرقہ بھڑنسک نہیں کہ سند اور روایت کی حفاظت اور نقد و پرکھ بھی دین کی ایک بہت بڑی خدمت ہے جس کی جتنی بھی تعریف و توصیف کی جائے بالکل کم ہے۔ مگر یہ بات بھی کسی طرح اور کسی لحاظ سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ روایت و فقہ کو ترک ہی کر دیا جائے اور اس کو ناقابل اعتماد قرار دینے کے لیے منصوبہ بندی کی جائے اور اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو روایت و فقہ کا مقام اور اہل دلیہ اور فقہاء کا رتبہ محض طرق و اسانید کے جمع کرنے والے اور فقہ و روایت سے تہی دست محدثین سے کہیں بلند اور ارفع ہے۔

امام ابو بکر بن عبدان سے دریافت کیا گیا کہ :-

ایش الفرق بین الدراية والمفظ ؟ فقال الدراية فوق المفظ (راجع ببند اجملہ ص ۲۲) درست اور حفظ میں کیا فرق ہے ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ درست حفظ سے اُپر ہے۔

علامہ خطیب بغدادی الشافعی (المتوفی ۶۳۱ھ) اپنی سند کے ساتھ احمد بن محمد بن خالد البرائی سے روایت کرتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ایک سائل حضرت امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حلال و حرام کے ایک مسئلہ کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا تجھ پر رحم کرے کسی اور سے پوچھ لے۔ سائل نے کہا کہ حضرت ہم تو آپ ہی سے اس کا جواب سنا چاہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے ارشاد فرمایا کہ :-

سل عافاك الله عن ما سئل الفقهاء سل الله تعالى تجھے عافیت رکھے کسی اور سے پوچھ

ابا ثورہ اور بغدادی جلد ۶ ص ۶۶) فقہ سے پوچھا امام ابو ثورہ سے پوچھو۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سرخیل محدثین مقتدائے ملت اور امام اہل سنت ہیں مگر بایں ہمہ وہ پیچیدہ مسئلہ کی بابت یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تم فقہائے پوچھو اور ابو ثورہ سے پوچھو۔ (ابو ثورہ للمتوفی سنہ ۲۴۰ھ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ مامون اور احد الفقہاء تھے بغدادی جلد ۶ ص ۶۶۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام المجتہد اور الحافظ کہتے ہیں تنک جلد ۲ ص ۸۷ امام شکیؒ ان کو الامام البلیل کہتے ہیں طبقات جلد ۱ ص ۲۲) حضرت امام احمدؒ محدث ہونے کے علاوہ فقیہ اور مجتہد بھی تھے مگر ان کا اجتہاد جیسا کہ علامہ ابن خلدونؒ اور نواب صاحبؒ کے حوالہ سے آئے گا کہ اجتہاد اذ قلیل بلکہ اقل بلکہ نیست کے درجہ میں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ المالکی (المتوفی سنہ ۵۱۳ھ) نے تین آئمہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے فضائل پر کتاب الانتقاء فی فضائل الثلاثة الذمۃ الفقہاء تصنیف فرمائی ہے، لیکن حضرت امام احمدؒ کا ذکر ان میں نہیں کیا۔ علامہ خلیفؒ اور امام بیہقیؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ ہمارے الفاظ میں یوں ہے کہ محدثین کرامؒ کی ایک جماعت تشریف فرما تھی، جن میں خصوصیت سے امام بیہقیؒ، ابو حنیفہؒ، ابو حنیفہؒ، زہیر بن حربؒ اور خلفؒ بن سالم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مردہ عورتوں کو نہلانے والی ایک عورت آئی اور اس نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حیض والی عورت مردہ کو نہلا سکتی ہے یا نہیں؟ پوری جماعت اس کا جواب نہ بن پڑا اور ایک دوسرے کا منہ ٹکے لگے۔ اتنے میں امام ابو ثورہؒ سامنے سے آنکے بسبب اس عورت سے کہا کہ یہ مسئلہ اس آنے والے شخص سے دریافت کرو۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں حالانکہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص موقع پر حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ بحالت حیض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک میں پانی ڈال کر سر میں مانگ نکالا کرتی تھیں جب اس حالت میں زندہ آدمی کے سر پر پانی ڈالا جا سکتا ہے تو مردے کو کیوں ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا؟ اور اس کو کیوں غسل نہیں دیا جاسکتا؟ امام ابو ثورہؒ کا یہ فتویٰ جب ان محدثین نے سنا تو اس حدیث کی اسناد اور طرق کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا کہ یہ روایت

فلاں سے بھی مروی ہے اور فلاں سے بھی مروی ہے۔ اس غائلہ نے ان سے تنہا کھینچے ہوئے کہا کہ ۱۔
واین کنتم الی الان (بغدادی ج ۲ ص ۱۷۱ و طبقات تم اب تک کہاں تھے؟
الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۲۹ بکئی)

اس واقعہ سے ایک توریہ امر ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے جملہ پیش آمدہ مسائل محض طرق حدیث اور
اسانید کو جمع کر لینے ہی سے ہرگز حل نہیں ہوتے، اور نہ امام یحییٰ بن معین جیسے پختہ کار محدث سے اس میدان
میں کون بڑھ سکتا ہے؟ مگر اس جماعت کے اندر وہ بھی لا جواب ہو کر رہ گئے اور دوسری بات
یہ معلوم ہوئی کہ محدثین کرام کی باوقار جماعت بھی فقہاء عظام کی اس فوقیت و برتری کو تسلیم کرتی ہے
اور ان پر اعتماد و اعتبار کچھ کے لوگوں کو ان سے اخذ مسائل میں محتاج گروانتی ہے۔

حضرت امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۔
وَعَدَّ الْإِثْمَ قَالَ الْفُقَهَاءُ وَهُمْ أَعْلَمُ بِمَعْنَى
الحديث۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۸) اور اسی طرح فقہاء نے کہہ دیا کہ وہ حدیث کے
معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

مشہور محدث حضرت سلیمان بن مهران الأشعث (متوفی ۲۷۸ھ) جو الحافظ الثقفہ اور شیخ الاسلام
تھے۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۵) نے ایک موقع پر فرمایا کہ ۲۔

یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة
رجامع بیان العلم ص ۲ ص ۱۲۳ ذیل الجواب جلد ۲
پنساری کے گردہ تم طبیب ہو اور ہم
پنساری ہیں۔

مشکوٰۃ مناقب موفق ص ۱۶۳، الخیر المسان مآ و التقدیر

پنساری کے پاس اگرچہ مختلف قسم کی قیمتی جڑی بوٹیوں اور ادویہ کا تو کافی شاک ہوتا ہے مگر وہ نہیں
جانتا کہ یہ کس بیماری کا علاج ہیں؟ مقدار خوراک کیا ہے؟ پرہیز کیا ہے؟ مفرد قابل استعمال ہیں یا کرب
وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو طبیب اور حکیم ہی جانتا اور بتا سکتا ہے، اسی طرح محدثین کرام کے حافظہ میں ہزاروں
ہیش بہا حدیثوں کا خزانہ تو ہوتا ہے مگر وہ ان سے استنباط احکام اور استخراج مسائل پر قادر نہیں ہوتے
یہ کام فقہاء کا ہے اور وہی حدیث کے معنی کو بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ فقہاء کرام
کے مقابلہ میں وہ محدثین مراد ہیں جو زے محدث ہیں اور فقہاء بہت کا ملکہ ان کو حاصل نہیں ہے۔
باقی ہے وہ محدثین عظام جو جامع بین الحدیث والفقہ ہیں یا بالفاظ دیگر جو فقہاء محدثین میں شامل ہیں

مثلاً امام بخاری وغیرہ تو ایسے حضرات محل بحث نہیں ہیں۔

محدث شیر علی بن حشرم (المتوفی ۲۵۰ھ) مسند بن قاسم فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ نسائی کہتے ہیں وہ ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۱۱۱ فرماتے ہیں کہ ہم وکیع بن الجراح کی مجلس میں موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ تمہارے نزدیک ان دونوں سندوں میں سے کون سی سند بہتر ہے؟ اعش عن ابی وائل عن عبثہ اللہ بن مسعود؟ اس میں صحابی تک صرف دو واسطے ہیں اور سند عالی ہے) یا سفیان بن منصور عن ابی ہریرہ عن علقمہ عن ابن مسعود اس میں صحابی تک چار واسطے ہیں اور سند ماضی ہے) ہم نے کہا کہ ہمارے نزدیک تو اعش عن ابی وائل کی سند بہتر ہے۔ امام وکیع نے فرمایا کہ سبحان اللہ اعش تو زکے شیخ اور محدث ہیں اور ابو وائل بھی شیخ ہیں برعکس اس کے دوسری سند میں سفیان فقیہ ہیں، منصور فقیہ ہیں، ابی ہریرہ فقیہ ہیں اور علقمہ بھی فقیہ ہیں۔

وحدیث یتداولہ الفقہاء خیر من ان یتداولہ
الشیوخ (معارف علوم الحدیث ص ۱۱ طبع
قاہرہ و کتاب الاعتبار ص ۱۱ طبع حیدرآباد دکن)
اور وہ حدیث جس کو فقہاء روایت کرتے ہوں
اس سے زیادہ بہتر ہے جس کو زکے شیوخ بیان
کرتے ہوں۔

علامہ ابو بکر محمد بن موسیٰ المہذابی الشافعی (المتوفی ۵۸۴ھ) جو الامام الحافظ اور البارع تھے،
تذکرہ جلد ۱ ص ۱۵ اور امام متقی اور مبرز تھے۔ طبقات سبکی جلد ۱ ص ۱۸۹) دو مختلف حدیثوں میں
تطبیق و ترجیح کے وجوہ بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ لکھتے ہیں کہ ۱۔

ان یکون رواۃ احد الحدیثین مع تساویہم
فی الحفظ والیقان فقہاء عارفین بالجتاد
الاحکام من ثمرات الالفاظ فان استدلج
الی حدیث الفقہاء اولیٰ ۱۵
دو حدیثوں میں سے ایک حدیث راوی دوسری
حدیث کے راویوں کے ساتھ حفظ و یقان میں مساوی
ہونے کے علاوہ فقہاء ہوں اور الفاظ کے میووں سے
احکام چنے اور حاصل کرنے کے عارف ہوں تو انکی
حدیث کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے
کتاب الاعتبار ص ۱۵

اس سے اندازہ فرمائیے کہ دو متضاد حدیثوں کی ترجیح میں بھی جو خالص فن حدیث کا مسئلہ
ہے محدثین کرام نے فقہاء کی برتری کو نظر انداز نہیں کیا اور ایسی حدیث کو جس کے راوی حسانہ

اللہ متقن ہونے کے علاوہ فقہاء بھی ہوں اس حدیث پر ترجیح دی ہے جس کے راوی فقیہ نہ ہوں۔
امام حاکمؒ اپنی بے نظیر کتاب معرفت علوم الحدیث میں حدیث کی صحت و اتقان کے بعد
اس کی فقہی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

معرفة فقه الحديث اذ هو ثمة هذا
العلوم و به قوام الشريعة فاما فقهاء الاسلام
اصحاب القياس والرأي والاستنباط والمجمل
والتظرف معدون في كل عصر و اهل
كل بلد۔ اور معرفت علوم الحدیث مثلاً
فقیہ حدیث کا پہچانا کیونکہ وہ ان علوم کا مرقب ہے اور
اسی کے ساتھ شریعت کا قوام ہے، ہر حال فقہاء
اسلام جو قیاس و رائے، استنباط و مجمل اور نظر و
تظرف سے کام لیتے ہیں وہ ہر زمانہ اور ہر شہر میں
مشورہ و معروف رہتے ہیں۔

امام حاکمؒ اپنی سند کے ساتھ ہلال بن العلاء الرقیؒ و المتوفی ۲۸۸ھ ابو حاتمؒ ان کو صدوق
اور نسانی صالح اور یس بدہ یاس کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ تہذیب
التہذیب جلد ۱۱ ص ۸۳ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت
پر چار شخصیتوں کو پیدا کر کے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ایک ان میں سے۔

بالشافعی بفقہ لعادیت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم امام شافعیؒ میں جنہوں نے احادیث رسول صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم میں فقہیت سے کام لیا۔

اور دوسرے امام ابو عبیدہؒ و المتوفی ۲۲۴ھ جو الامام المجتہد اور البحر تھے تذکرہ جلد ۲ ص ۵
نقہ اور مامون تھے۔ ایضاً ج ۲ ص ۶) میں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غریب حدیثوں
کی شرح و تفسیر کی ہے، اور تیسرے امام یحییٰ بن معینؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) میں جنہوں نے آپ کی
حدیثوں کو مجھٹ سے پاک و صاف کیا ہے، اور چوتھے حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ)
میں جنہوں نے آٹھ وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل دین اور حکم پر باوجود امتحانی
صعوبتیں برداشت کرنے کے ثابت قدمی کا اظہار کیا۔ لولہ ہم لہذا ہب الاسلام (معرفت
علوم الحدیث ص ۸۵) اگر یہ نہ ہوتے تو اسلام بخصت ہو جانا۔ بلا شک اسلام ایک بچاندہیب
ہے اور یہ تاقیامت ہے گا اور حقیقتہً اس کا محافظ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر عالم اسباب
کی طرف نگاہ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اپنے وقت میں یہ چاروں حضرات اسلام کے بہترین محافظ

تھے۔ علامہ خلیب بغدادیؒ نے بھی یہ واقعہ اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے، اور آخر میں لکھا ہے کہ:-
 لو ان ذالک کفر الناس (بغدادی ج ۲ ص ۱۲۱) اگر یہ نہ ہوتے تو لوگ کافر ہو جاتے۔ (معاذ اللہ)
 ملاحظہ کیجئے کہ جہاں اسلام کی حفاظت و بقا کے لیے دیگر امور قابلِ تائش سمجھے گئے ہیں
 وہاں تفقہ فی الحدیث کی صفت اور خوبی کو بھی پس پشت نہیں ڈالا گیا اور یہ ایک واضح حقیقت
 ہے کہ بغیر تفقہ کے حدیث کی باریکیاں اور نکات سمجھے بھی نہیں جاسکتے۔ یہی ایک ایسا فن
 ہے جس کے ذریعہ سند و معنی، روایت و درایت کی پیچیدگیاں تاخر تدبیر کے ساتھ سلجھائی جاسکتی
 ہیں، چنانچہ امام عبد الرحمن بن الجوزی الحنبلیؒ (المتوفی ۵۹۸ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

اعلم ان فی الحدیث دقائق و افات لا تویمان لے کہ حدیث میں بڑی باریکیاں اور پیچیدگیاں
 یعرفها الا العلماء الفقهاء تارة فی تعلیها و ہوتی ہیں جن کو صرف وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو
 تارة فی کشف معناها۔ فقہاء ہوں۔ کبھی تو ان کی روایت و نقل میں اور کبھی ان
 کے معانی کے کشف میں یہ دقائق و افات ہوتی ہیں۔
 (دفع شبه التشبیہ ص ۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فقہاء کرامؒ کا اصل میدان تو درایت و فقہ ہے مگر بایں ہمہ وہ سند و
 روایت کے بڑے خط اور ناہموار راستے سے بھی بے خبر نہیں ہوتے۔

حافظ الدین امام ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

فان علم الحلال والحرام انشأ بمتلفی من حلال وحرام کا علم و مسائل تو فقہاء ہی سے اخذ
 الفقہاء (فتح الباری جلد ۱ ص ۳ طبع مصر) کیے جاسکتے ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ حافظ موصوفؒ متاخرین محدثین میں اپنی نظیر صرف آپ ہیں اور علم حدیث
 کے علاوہ دیگر بیسیوں علوم میں ان کی گہری نگاہ ہے لیکن وہ فقہاء کرامؒ کے اس صحیح منصب سے
 جو سچے سچ ان کے نمایاں شان ہے تسلیم کرنے سے نہ چارہ پاتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ اس سے
 بڑھ کر فقہ و فقہاء کی فضیلت و منقبت اور کیا ہو سکتی ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) نواب صاحبؒ لکھتے ہیں: شیخ الاسلام
 المجتہد المطلق شیخ المناہلۃ اہ الجنۃ (ص ۳۳) محدثین اور فقہاء کے مراتب اور خدمات
 بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

قال احمد بن حنبل معرفة الحديث
والفقه فيه احب الى من حفظه
الى ان قل

ام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت اور
اس میں تفقہ پیدا کرنا مجھے اس کے معرفت یا ذکر
سیلنے سے زیادہ محبوب ہے۔

وقال علي بن المديني اشرف العلم الفقه
في متون الاحاديث ومعرفة احوال الرواة
اه (منهاج السنة جلد ۴ ص ۵۳ طبع مصر)

اور امام علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ اشرف تر علم
احادیث کے متون میں تفقہ پیدا کرنا اور احوال روایت
کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون المغربی نے فقہ کی ضرورت اور اس کی افادیت پر بیسویں بحث
کی ہے، (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون از ص ۴۴ تا ص ۴۵ طبع مصر)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب المحقق (المتوفی ۱۱۷۱ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ :-

• وبعد از قرآن و حدیث مدار اسلام برفقہ است : اہ (رقعة العینین ص ۱ طبع مجتبائی)

ان تمام عبارات اور اقتباسات سے فقہ و درایت کا مقام آسانی کے ساتھ معلوم ہو
جاتا ہے کہ نظر شریعت اور علماء امت کے اقوال کے آئینہ میں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں
ہے، اور فقہ اسلامی کی توہین و انکار کرنا سلامت روی کے سراسر خلاف ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ :-

الحفظ غير الملكة العلمية ومن كان
عنايته بالحفظ اكثر من عنايته الى
تحصيل الملكة لا يحصل الى طائل من
ملكة التصرف في العلم ولذلك ترى من
حصل الحفظ لا يحصل شيئاً من الفن و
تجد ملكة قاصرة في علمه ان فارض او
ناظر ومن قلن انه المقصود من الملكة
العلمية فقد اخطا وانما المقصود هو
ملكة الاستخراج والاستنباط وسرعة الانتقال

حفظ کا درجہ اور ہے اور ملکہ علمیہ کا مقام اور ہے
جس شخص کا اہتمام ملکہ حاصل کرنے کی بجائے حفظ
میں زیادہ ہو اس کو تصرف فی العلم کے ملکہ سے کوئی
فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور اسی وجہ سے تم دیکھو
گے کہ جو شخص حفظ کو پالیں گے وہ فن کی کوئی چیز حاصل
نہیں کر سکتا اور اس کا علمی ملکہ قاصر رہتا ہے جب کہ
وہ گفتگو اور مناظرہ کرے اور جس شخص نے یہ گمان
کر لیا کہ ملکہ علمیہ سے صرف حفظ ہی مقصود ہے سو
اس نے بیشک خطا کی کیونکہ ملکہ طلب تو دراصل

من الدوال الى المدلولات ومن اللزيم الى
المستلزم وبالعكس فان ضم اليها ملحمة
الاستحضار فنعم المطلوب وهذا لا يتم
بمجرد الحفظ اهـ

استخراج اور استنباط اور الفاظ سے معانی کی طرف اور
لازم سے مزعم کی جانب اور بالعکس انتقال کرنے کا
ملکہ حاصل کرنا ہے اور اگر اس کے ساتھ ملکہ حفظ و
استحضار بھی حاصل ہو جائے تو پھر نو علیٰ ثر ہے مگر
یہ ملکہ محض حفظ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

(الملحمة فی ذکر الصراح المستترة ص ۸)

غور فرمائیے کہ نواب صاحب کیا ارشاد فرمائے ہیں! سچ ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام کہ
مقصود بالذات تو ایسا ملکہ علمیہ حاصل کرنا ہے جس کے توسط سے استخراج احکام اور استنباط مسائل
کی گہنی سلجائی جاسکے۔ محض حفظ سے بھلا یہ ملکہ علمیہ کس کو حاصل ہو سکتا ہے؟ اسی کا نام فقہ اور دانت
اور شئے واجتہاد ہے۔ جو شخص اس سے موصوف ہو گا گویا وہ ملکہ علمیہ کی مددۃ المنتہیٰ پر فائز ہو گا۔
امت کے لیے جس سے اوپر کوئی اور مقام تصور نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابو الحسن منصور بن اسماعیل القافعی (المتوفی ۳۲۷ھ جو احد الائمة المذہب ہے) فرماتے ہیں کہ۔
عَابَ التَّنْقِیَ قَوْمٌ لَا عَقْلَ لَهُمْ وَمَا عَلَيهِ إِذَا عَابُوهُ مِنْ ضَعْفِ
مَاضَرِ شَمْسِ الضَّحَى وَهِيَ طَالِعَةٌ أَنَّ لَا يَعْنَى ضَوْءَ هَامِنْ لَيْسَ ذَا بَصَرٍ

(طبقات شافعی ج ۲ ص ۲۱)

ترجمہ :- یعنی فقہ حاصل کرنے کو ان لوگوں نے معیوب قرار دیا ہے جو عقل سے محروم
ہیں اور ایسے لوگوں کے علم فقہ پر عیب لگانے سے کوئی ضرر نہیں ہے۔
اگر کوئی نابینا آفتاب نیمروز کو جو آب و تاب سے طلوع ہو چکا ہو، نہیں دیکھتا تو اس سے
آفتاب کی روشنی کو کیا نقصان ہوتا ہے؟

فہم سے کوئی چارہ نہیں

کم ظرف کو تاہم فہم اور متعصب لوگ تو ہمیشہ فقہ کی اہمیت کو گھٹانے کی فکر میں گھسے رہتے ہیں اور فقہاء کرام اور کتب فقہ کی تنقیص و تہذیب میں بلاوجہ اپنا قیمتی وقت صرف کر دیتے ہیں لیکن ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ قرآن کریم احادیث شریفہ اور اجماع اُمت کے بعد فقہ و قیاس اور اجتہاد کی حاجت ایسی اہم اور ضروری ہے کہ اس سے کوئی معترض نہیں اور زمانہ حال کے غیر مقلدین حضرات کو بھی اس کی افادی حیثیت تسلیم کر لے سے کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد امجد علی صاحب (المتوفی ۱۳۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ سنت کے نزدیک بنیادی اصول چار ہیں۔ تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآن، سنت، اجماع اُمت اور قیاس ان میں بھی اصل قرآن و سنت ہے اجماع اور قیاس کا ماخذ بھی قرآن اور سنت ہے، کتاب و سنت کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے نہ قیاس الخ (پیش لفظ معیار الحق ص ۱) اور نیز مولانا موصوف تَفَقُّہ فی الدِّین کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ قرآن و سنت کی حفاظت کے باوجود دُنیا کے حوادث لامتناہی ہیں اور کتاب و سنت کی راہنمائی کے سوا ان حوادث سے عہدہ بردار ہونا ممکن نہیں اس لیے لانا اہل علم اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا قرآن عزیز کا ارشاد ہے :-

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۚ (غل)

جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کرو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انما شفاء العی السؤال۔ انجان آدمی کے لیے صحت مندریقہ یہی ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے یہ ایک فطری جذبہ تھا ہر زمانہ میں اہل علم نے اس ذمہ داری کا احساس فرمایا وقت کی ضرورت اور ماحول کے مطابق کتاب و سنت کے تقاضوں کو پورا فرمایا، آوارگی سے بچتے ہوئے غیر منصوص حوادث کے فیصلے انہیں یعنی کتاب و سنت کی روشنی میں کئے اور اس کے ساتھ وقت کے مصالح اور ضرورتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا اور (پیش لفظ معیار الحق ص ۱) الغرض فقہاء کرام نے جو کچھ کیا ہے اسی فطری جذبہ کے تحت آوارگی سے بچانے کے لیے اور وقتی ضرورتوں اور مصالح کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے۔

باب سوم

فہرہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
 اس بات میں ذرا برابر بھی شک و شبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ صحابہ کرام شرف صحبت نبوی کے فیض اور برکت سے سب کے سب عادل، ثقہ، متقی، خدا پرست اور پاکباز تھے مگر فہم قرآن، تدبیر حدیث اور تفقہ فی الدین میں سب یکساں نہ تھے بلکہ اس لحاظ سے ان کے آپس میں مختلف درجات اور مقامات مرتب تھے، چنانچہ امام مسروق رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰ھ جو الامام الفقیہ اور احد الاعلام تھے، تذکرۃ الحفاظ جلد اول (۱) فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام سے فیض صحبت اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان سب کا علم حدیث سمٹ کر چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ، پھر میں نے ان چھ حضرات شرف صحبت حاصل کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود پر ختم ہو گیا ہے۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۵۵۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۴۰ و مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۲ مع شرح العراقی۔

امام حاکم نے بھی امام مسروق سے یہ روایت نقل کی ہے، اس میں انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کا نام ذکر کیا ہے۔ مستدرک جلد ۲ ص ۳۶۵ وکتبہ الماکذۃ الذہبی

اور امام شعبی (متوفی ۱۸۰ھ) جو امام حافظ، فقیہ متقن اور علامۃ التابعین تھے (ذکرہ اصح) کا بیان ہے کہ صحابہ کرام میں دینی مسائل کے بارے فیصلہ صادر کرنے والے تھے حضرات تھے مدینہ طیبہ میں حضرت عمرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور کوفہ میں حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (متفق و مستطاعت)

حافظ ابن القیم الحنبلی (متوفی ۷۵۰ھ) کہتے ہیں کہ اُمت مرحومہ میں بالعموم دین فقہ اور علم صحابہ عبداللہ بن مسعودؓ، اصحاب زید بن ثابتؓ، اصحاب عبداللہ بن عمرؓ اور اصحاب عبداللہ بن عباسؓ کے ذریعہ پھیلا ہے۔ اہل مدینہ کا علم اصحاب زید بن ثابتؓ اور اصحاب عبداللہ بن عمرؓ کے ذریعہ اور اہل مکہ کا علم اصحاب عبداللہ بن عباسؓ کے ذریعہ پھیلا ہے۔

واما اهل العراق فعلمهم عن اصحاب اور اہل عراق کا علم اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ کے توسط سے پھیلا ہے۔

(اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۸۰ شرف المطابع دہلی)

اور نواب صدیق حسن خان صاحب (متوفی ۱۲۰۰ھ) کہتے ہیں کہ جن صحابہ کرام سے دین، علم اور فقہ کی اشاعت ہوئی ہے، ان میں حضرات ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ پیش پیش تھے (المبنة في الاسوة الحسنة بالنسبة ص ۵) مولانا مبارک پوری صاحب (متوفی ۱۲۵۲ھ) کہتے ہیں کہ دینی مسائل کی ترویج و اشاعت کے لحاظ سے صحابہ کرام کے تین طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے جس سے مسائل کی ترویج ہوئی ہے مگر نسبتاً کم اور دوسرا طبقہ متوسط ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس سے دین کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی ہے، ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت عمرؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (تحفة الخوذي ج ۱ ص ۱۸۰)

امام شعبی (عاصم الاول) کا بیان ہے کہ مجھے اہل کوفہ، بصرہ اور عجاز کی حدیثوں کا امام شعبیؒ سے بڑا کوئی عالم معلوم نہیں تھا۔ جلد ۱ ص ۱۸۰ محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ شعبیؒ صحابہ کرام کی کثیر تعداد کے سامنے فتویٰ دیا کرتے تھے ایضاً ص ۱۸۰، ابو حصینؒ کا بیان ہے کہ میں شعبیؒ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا ایضاً ص ۱۸۰ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ایک شیخ لابی حنیفہؒ تھے ص ۱۸۰

کہ امام ابوحنیفہ کے بڑے شیخ اور استاد یہی تھے، کا ارشاد ہے کہ:-

هذان الفقهاء بعد اصحاب رسول الله
صلى الله عليه وسلم بالصوفية في اصحاب
عبد الله بن مسعود (تاريخ بغداد جلد ۱۲ ص ۱۹۹) ہوا تھا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بعد فقہاء
کا طبقہ کوفہ میں اصحاب عبداللہ بن مسعود میں بنا۔

اور پھر ان کے نام یہ بیان کیے ہیں۔ علقمہ بن قیس النخعی، عبیدہ بن قیس المرادی، شریح بن الحارث
الکندی اور مسروق بن الاعمش الہمدانی۔

اور امام ابراہیم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب جو قرآن پڑھتے پڑھاتے اور جن
کی رائے پر لوگ مطمئن ہو کر تشکی حاصل کرتے تھے، یہ چھ حضرات تھے، علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، عمرو
بن شریح اور الحارث بن قیس۔ (ایضاً)

اور امام شعبی ہی سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ:-

ما كنت اعرف فقهاء الكوفة الا اصحاب
عبد الله (ورثت ذكوة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۱)
میں کوفہ میں اصحاب عبداللہ بن مسعود کے سوا اور
کسی کو فقہار نہیں جانتا۔

حضرت علیؑ جب کوفہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود لوگوں میں دین
اور فقہ کا جذبہ پیدا کرنے کی سعی کر رہے ہیں اور مسجد کوفہ میں جب چار سو کے قریب دواتیں لکھی
ہوئی دیکھیں جن سے طلبہ کرام کتابتِ علم میں مصروف تھے، تو ان سے خوش ہو کر یہ فرمایا کہ:-

لقد ترك ابن ام عبد يعنى ابن مسعود
هؤلاء من الكوفة (مناقب موفی ج ۲ ص ۱۵۱)
عبداللہ بن مسعود نے ان کو کوفہ کے روشن چراغ
بنا کر چھوڑا ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ فقہ میں جن حضرات کو مقام
بمقام حاصل رہا ہے، ان میں خصوصیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے اصحاب شامل
ہیں اور ان کی فقہ تمام مجتہدین کی فقہ پر مقدم اور ان پر فائق ہے۔ چنانچہ حضرت شاذلی اللہ
صاحب لکھتے ہیں کہ:-

قول زید بن ثابت اور فرات بن مقدم باید ساخت بر اقوال مجتہدین و قول عبداللہ بن مسعود
را در قرأت و فقہ (ازالة الخفاء ص ۱۵ طبع صدیقی، مدینہ)

کوفہ میں حضرات صحابہ کرام کا درود

حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب اہل محل و عقد نے حضرت علیؓ راہ المتوفیٰ سے شہداء کو خلیفہ راشد تسلیم اور منتخب کر لیا تو کچھ ایسے ناگفتہ بہ حالات اٹھ کھڑے ہوئے جن کی وجہ سے خلیفہ چہارم کو خاصی پریشانی اور مصیبت کا سامن کرنا پڑا اور عراق کے اندر اس انداز سے شورش اور فتنہ برپا ہوا کہ حضرت علیؓ نے سیاسی طور پر خلافت کے استحکام کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ مدینہ طیبہ سے دار الخلافہ منتقل کر کے عراق کے کسی موزوں شہر کو مرکز بنالیا جائے۔ چنانچہ یہ شرف کوفہ کو حاصل ہوا اور انہوں نے اپنی خلافت کا بیشتر حصہ جو چار سال تھا (حاشیہ نفع الطیب جلد ۲ ص ۱۴۱ طبع مصر) وہیں گزارا تھا اور اس اثناء میں علاوہ دیگر علمی ضیاء پاشیوں کے جو ان کی اور دیگر حضرات صحابہ کرام کی وجہ سے خوب پھیلیں جتنے بھی اہم قضایا اور فیصلے ان کے ذریعے صادر ہوئے وہ کوفہ ہی میں ہوئے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ :-

وانما ظهر علمه على وفقه في الكوفة بحسب
مقامه فيها عند مئة سنة خلافة اهـ
یعنی حضرت علیؓ کا علم اور ان کی فہم کوفہ میں ان کی
خلافت کی مدت میں ظاہر ہوتی رہی۔
(منہاج السنہ ج ۲ ص ۱۳۷ طبع مصر)

اور حضرت شاولی اللہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ :-
كان اغلب قضایاه بالكوفة
(حجة البالغة ج ۱ ص ۱۳۲ طبع مصر)

اور یہ کوئی معذرتے چند فیصلے نہ تھے بلکہ حضرت شاولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ :-
قضایائے بسیار در ایام خلافت بردست او ظاہر شدند (قرۃ العینین ص ۱۴۱ طبع مجتہبائی دہلی)
مگر یہ یاد رہے کہ حضرت علیؓ کے کوفہ جانے سے پہلے بھی وہاں علم و عرفان کی بارش برستی
رہی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ :-

حضرت علیؓ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا تاہم اہل کوفہ حضرت علیؓ کے وقت تو کیا حضرت
عثمانؓ کے خلیفہ ہونے سے بھی بیشتر قرآن و سنت کا علم رکھتے تھے۔ (منہاج السنہ ج ۲ ص ۱۳۹)

اور کہتے ہیں کہ موجب حضرت علیؑ کو فہ تشریف لے گئے تو ان سے پہلے ہی اہل کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت حذیفہؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ الاشعریؓ وغیرہ سے جن کو حضرت عمرؓ نے کوفہ بھیجا تھا، دین و علم حاصل کر چکے تھے۔ (ایضاً ج ۴ ص ۱۵۷) اور جو جو علوم اہل کوفہ نے حاصل کیے تھے وہ بھی سن لیجئے کہ :-

فان اهل الكوفة التي كانت داه كلوا
قد تعلموا الايمان والقرآن وتفسيره
والسنن عن ابن مسعود وخيم قبل ان
يقدم على الكوفة ا هـ
(منہج السنۃ ج ۴ ص ۱۴۲)

اہل کوفہ نے جو حضرت علیؑ کا دار الخلافہ تھا حضرت عبداللہؓ بن مسعود وغیرہ سے ایمان، قرآن، تفسیر، سنن اور سنت کا علم حضرت علیؑ کی کوفہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔

اور ان اکابر صحابہؓ کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرامؓ عراق کے اس بابرکت شہر کوفہ میں تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ امام حاکمؒ (المتوفی ۵۰۴ھ) جو الحافظ الکبیر امام المحدثین تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۲۷) نے انچاسؓ صحابہ کرامؓ کے نام مع ولایت بیان کیے ہیں جو کوفہ میں نزیل ہوئے۔ (ملاحظہ ہو معرفت علوم الحدیث ص ۱۹۱ طبع القاہرہ)۔

علامہ ابن سعدؒ (المتوفی ۲۳۰ھ) جو الحافظ العلماہ اور کثیر العلم تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۱۲) کہتے ہیں کہ شریبندی اور تین سو بیست رضوان میں شریک ہونے والے صحابہؓ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱ طبع مصر)

اس سے انداز لگایجئے کہ دیگر صحابہ کرامؓ جو کوفہ میں فروکش ہو کر اس کو بابرکت کر کے ہو گئے ان کی تعداد کیا ہوگی؟

امام البریثر الدولابی الحنفیؒ (المتوفی ۳۲۰ھ) جو الحافظ اور العالم تھے تذکرہ ج ۲ ص ۱۹۱) سند کے ساتھ مشہور تابعی حضرت قتادہؒ (المتوفی ۱۱۸ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ :-

نزل الكوفة الف وخمسون رجلا من
اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم واثبة
وعشرون من اهل بدر كتاب الكنى والاسماء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے ایک ہزار اور پچاس (دو ہزار صحابہؓ) اور چوبیسؓ بیوی صحابہؓ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔

جلد ۱۴۱ طبع حیدر آباد دکن)

امام احمد بن عبد اللہ العجلی (المتوفی ۲۴۱ھ) جو الامام الحافظ اور القدوس تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۷۱ کا بیان ہے کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ نازل ہوئے تھے (بحوالہ فتح القدیر حافظ ابن ہمام جلد ۲ ص ۲۷ طبع نئی کٹورہ شرح نقایہ جلد ۱ ص ۱۱۱ لفظ علی غاری)۔

امام شمس الدین السخاوی الشافعی (المتوفی ۹۲۰ھ) کوفہ میں فروکش ہوئے والے بعض صحابہ کرامؓ کے نام لکھ کر آگے فرماتے ہیں کہ ۱۔

وخلق من المصابة. (الاعلان بالتوبخ لمن ذم اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ وہاں اترے۔

التاریخ ص ۱۲۹ طبع دمشق)

غور فرمائیے کہ جو مقام خلیفہ چارم حضرت علیؓ کا دار الخلافہ ہوا جس میں عام صحابہ کرامؓ کے علاوہ بدی اور اصحاب الشجرہ رحن کو منائے الہی کی سند بذریعہ قرآن پاک اور حضرت کا پروانہ بتوسط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو چکا ہو) نازل ہوئے ہوں اور جس میں فقہار صحابہؓ میں سے علی الخصوص حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ فصل خصوصاً اور تعلیم کے ذریعہ علم دین، ایمان اور فقہ سے لوگوں کے دلوں کو مالا مال کر چکے ہوں اس کی فضیلت کے لیے یہ مناقب و مزایا بھلا کیا کہم ہیں؟

امام نووی الشافعی (المتوفی ۷۲۷ھ) جو الامام الحافظ والاومد القدوس اور شیخ الاسلام تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۷۱ لکھتے ہیں کہ ۱۔

وہی دار الفضل و محل الفضلہ کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔

(شرح مسلح ج ۱ ص ۱۸۵)

اور امام ابو حنیفہؒ کے کوفہ کو معدن العلم والفکر فرمایا ہے۔ (مناقب موفی ج ۱ ص ۱۸۵)
امام سہیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۸ھ) جو العلانہ الحافظ اور شیخ الاسلام تھے۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۲۷۱ لکھتے ہیں کہ افعال حج اور مناسک تو تم اہل مکہ سے حاصل کرو اور قرأت اہل مدینہ سے سیکھو لیکن ۱۔
وخذوا الحلال والحرام عن اهل الكوفة
(رحم بلدان باقوت جموی لفظ کوفہ)

اور نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو مغازی اور جگوں کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ اہل مدینہ سے حاصل کرے اور مناسک حج اہل مکہ سے یکے۔

ومن اراد الفقه فالكوفة
(مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۶۴)

حافظ ابوالقاسم بن عساکر والمتوفی ۵۸۱ھ جو حافظ الامام الحافظ الکبیر فخر الائمہ اور ثقتہ الدین تھے، تذکرہ جلد ۱ ص ۱۱۱) اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعی (المتوفی ۲۴۰ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تم نماز کے مسائل اہل مدینہ سے، مناسک حج اہل مکہ سے اور ملائم وغیرہ کے حالات اہل شام سے حاصل کرو۔ اور

فالدائ عن اهل الكوفة
(تاریخ دمشق جلد ۱ ص ۳۱ طبع دمشق)

یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ کوفہ صرف فقہ ہی کے لیے مشہور نہ تھا بلکہ وہ علم حدیث کا بھی اچھا خاصہ مرکز تھا اور ہزاروں طلبہ حدیث وہاں حاضر ہو کر اپنی آتش شوق بجھایا کرتے تھے، چنانچہ مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین (المتوفی ۱۸۰ھ) جو الامام الربانی، ضیہ، امام، غزیر العلم، ثقتہ، ثبت اور فہم تعبیر کے علامہ تھے، تذکرہ جلد ۱ ص ۳۱) فرماتے ہیں کہ:-

قدمت الكوفة وبها اربعة الاف يطلبن
الحديث (تدیب الراوی ص ۲ طبع مصر)

محدث بغداد عمار بن مسلم (المتوفی ۲۲۰ھ) ابو سالم فرماتے ہیں کہ وہ ثقتہ اور امام تھے۔ بغدادی جلد ۱ ص ۱۲ مل ۲۶ اور عجلی فرماتے ہیں کہ وہ ثقتہ، ثبت اور صاحب سنت تھے۔ ایضاً اور یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقتہ، ثبت اور متقن تھے۔ ایضاً مل ۲۶ اور علامہ ذہبی ان کو الحافظ اور محدث بغداد کہتے ہیں۔ تذکرہ ج ۱ ص ۳۴) فرماتے ہیں کہ:-

فقد منا الكوفة فاقنا اربعة اشهر ولوا دنا
ان لکتب مائة الف حديث لکتبناها
فما كتبنا الا قدر خمسين الف حديث
ہم کوفہ پہنچے اور چار ماہ وہاں قیام کیا۔ اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ حدیث لکھ سکتے تھے مگر ہم نے (کمال احتیاط کے ساتھ) صرف پچاس

الی ان قال وما رأينا بالكوفة لحنانا مجوزا ۱
 (شرح الفیہ العراقی ج ۲ ص ۹ طبع مصر و تقدیمہ
 نصب الرأیہ ص ۳۵)
 ہزار حدیثیں ہی لکھیں (پھر فرمایا) کہ ہم نے کوفہ میں
 عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اس کو روکے بغیر والا
 کوئی نہیں دیکھا۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن ابی داؤد و المتوفی ۳۱۹ھ جو الحافظ العلامہ اور قدوة المحدثین تھے ،
 تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹۸ اور وہ اپنے دور کے بڑے زاہد اور عابد تھے ، تین لاکھ سے زیادہ لوگ
 ان کے جنازہ میں شریک ہوئے تھے ۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۰) فرماتے ہیں کہ :-

وقال دخلت الكوفة ومعى درهم ولحد
 فاشتريت به ثلاثين مئة باقلا وفكنت
 اكل منه واكتب عن الاشيج فافترج
 من الباقل رحى كتبت عنه ثلاثين
 الف حديث مابين مقطوع ومرسل
 رتذكرة الحافظ جلد ۲ ص ۲۹۹ وتاریخ بغداد
 ج ۲ ص ۵۹۱ و طبقات شیعہ ج ۲ ص ۲۳۰)
 میں جب کوفہ میں داخل ہوا تو میرے پاس صرف
 ایک ہی درہم تھا جس کا میں تیس مئة (تقریباً)
 ایک رطل اور پونڈ کا مئة ہوتا ہے) باقلا خرید لیا۔ پھر
 میں اس کو کھاتا رہا اور محدث اشیعہ سے حدیثیں
 لکھتا رہا۔ اس طرح میں نے باقلا کے ختم ہونے
 سے پہلے ہی تیس ہزار حدیثیں لکھ لیں جن میں
 مقطوع اور مرسل بھی شامل تھیں۔

اس عبارت میں جس الاشیع کا تذکرہ آیا ہے وہ ابو سعید عبد اللہ بن سعید بن حصین الکندی الکوفی
 (المتوفی ۲۵۴ھ) ہیں جو الامام شیخ الاسلام، الحافظ اور محدث الکوفہ تھے۔ امام ابو حاتم کا بیان
 ہے کہ ہوا علہ اہل زمانہ۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۳۰)

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے طلب حدیث کے
 سلسلہ میں بہت سے اسلامی شہروں کا سفر اختیار کیا تھا لیکن کوفہ اور بغداد میں تو وہ بار بار حاضر ہوتے
 رہے ، چنانچہ خود ان کا اپنا ارشاد ہے کہ :-

لا احصى كد دخلت الى الكوفة وبغداد
 مع المحدثين لصدى السارى مقدمه فقي البار
 میں یہ نہیں گن سکتا کہ میں محدثین کے ساتھ کوفہ
 اور بغداد کو کتنی مرتبہ گیا۔

جلد ۲ ص ۳۹۹ طبع مصر)
 امام عبد اللہ بن احمد و المتوفی ۲۹۰ھ جو الامام الحافظ اور المجتہد تھے ۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۳ نے

اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ طلب علم کے لیے ایک ہی استاد کی خدمت میں رہنا چاہیے، یا دیگر مقامات میں بھی جا کر علم حاصل کرنا چاہیے؟ تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:-

میرحل و یکتب من الکوفیین والبصریین سفر اختیار کرنا چاہیے اور کوفیوں، بصریوں اہل
واہل المدینۃ ومکۃ رتدیب الروی مدینہ اور اہل مکہ سے علم لکھنا چاہیے۔
مرء اوفیج المغیث ص ۲۲۱

ملاحظہ کیجئے کہ امام اہل سنت اور مقتدائے ملت نے جن مقامات اور جن حضرات سے علم حاصل کیا یا
سکتا ہے، ان میں اہل کوفہ کا ذکر سب سے پہلے نمبر پر کیا ہے، کیا خوب کہا گیا ہے کہ یہ
میری انتہائے نگارش سی ہے تو سے نام سے استدا کر رہا ہوں
اہل کوفہ اور علم حدیث

چونکہ حضرت امام ابو حنیفہ کوئی تھے، اس لیے سابق زمانہ میں ماسدین اور متعصبین اور کچھ
حقیقت ناشناس حضرات نے اور اس دور میں غیر مقلدین حضرات نے خاصی وقت صرف
کر کے یہ مہم شروع کر رکھی ہے کہ اہل کوفہ کو تو حدیث کا علم ہی نہ تھا اور کوفہ والوں کی حدیث
میں ٹور ہی نہیں اور کوفہ والوں کی نقل ہی معتبر نہیں اور اگر جابر جعفی کذاب نہ ہوتا تو کوفہ والے علم
حدیث ہی سے تہی دست ہوتے وغیرہ وغیرہ تعبیرات سے وہ اس عنوان کو ادا کرتے ہیں
چنانچہ مصنف حقیقت الفقہ حصہ اول ص ۸ میں یہ مٹھی قائم کرتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث دانی
اور پھر کہ تو دعوئی سے بالکل غیر متعلق حوالے نقل کئے ہیں ہمیں ان کے جواب دینے کی ضرورت
ہی نہیں اور ایک حوالہ البوداؤد ج ۲ ص ۲۵ طبع جمعباتی کا یوں نقل کیا ہے۔ (ہم صرف ان کے
تہ مجہ ہی پر اکتفا کرتے ہیں) ۱۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ، حدیث میں ٹور نہیں ہے ۱۹ھ
مگر صدافسوس کہ مصنف مذکور بات کو بالکل نہیں سمجھا اور اگر سمجھتا تو خیانت سے
بکرم نہ ہوتا، ہم البوداؤد کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

قال ابو علی سمعت ابا داؤد قال قال النیل ابو علی کہتے ہیں کہ میں نے البوداؤد سے سنا کہ النیل
حیث حدث بهذا الحديث والله انه عتدی جب یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے تو یہ بھی فرماتے

بہالی من العسل یعنی قولہ حد ثنا و حدثنی
قال ابوعلی سمعت ابا داؤد یقول سمعت
احمد یقول لیس لحديث اهل الكوفة
لوں قال ومارأيت مثل اهل البصرة كانوا
تعلّموه من شعبۃ (انتہی) جلد ۲ ص ۳۲۱

تھے کہ بخدا یہ حدیث جمیع حدیثنا و حدثنی کے (سمع
کیلئے صریح) الفاظ آتے ہیں مجھے شہد سے بھی یادہ
لغیہ معلوم ہوتی ہے۔ ابوعلی نے ابو داؤد سے یہ روایت
کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے احمد سے سنا انہوں نے فرمایا کہ
اہل کوفہ کی حدیث میں تو نہیں اور میں اہل بصرہ کی طرح کوئی
اور نہیں دیکھا جو یہ فرق ملحوظ رکھتا ہے کیونکہ انہوں نے
شعبہ سے یہ حاصل کیا ہے۔

(بایں ہمہ حضرت شعبہ کا علم بھی اہل کوفہ کا فیض تھا چنانچہ بغدادی لکھتے ہیں۔ و علمہ
کوفی جلد ۹ ص ۲۵۴)۔

بات صرف اتنی ہے کہ اہل بصرہ حد ثنا و حدثنی وغیرہ کے الفاظ میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں۔
اور اہل کوفہ اس فرق کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اور اسی عدم فرق پر قاضی عیاض المالکی (المتوفی ۵۴۵ھ)
اور حافظ عراقی الشافعی (المتوفی ۵۸۶ھ) نے اجماع نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الملہم ص ۵۸ وغیرہ)
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام زہری، مالک، ابن عیینہ، یحییٰ القطان، اکثر اہل حجاز اور اہل کوفہ
اور اسی طرح اہل بخاریہ کا یہ مسلک ہے اور اسی کو ابن الحاجب نے مختصر میں ترجیح دی ہے اور امام
حاکم نے ائمہ اربعہ کا یہ مذہب بتایا ہے کہ ان الفاظ کا ایک ہی معنی ہے۔ اور بعض نے
ان الفاظ کی پابندی کو صرف مستحسن قرار دیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱۱ طبع مصر)
حضرت امام احمد بن حنبل، ابن روایت کے اس دقیق فرق کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں
کہ اہل کوفہ کی حدیث اس فرق کو واضح کرنے کے لیے اتنی روشن نہیں جتنی کہ اہل بصرہ کی سند کلمی
میں روشن اور واضح ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے یہ فرق امام شعبہ سے حاصل کیا ہے، یہ مطلب ہرگز
نہیں کہ کوفہ والوں کی حدیث متن کے لحاظ سے بے نور ہوتی ہے جیسا کہ مؤلف حقیقت الفقہ کا یہ
باطل اور بے بنیاد مدعی ہے اور مؤلف نتائج تقلید نے تو اس سے بھی بڑھ کر غلط بیانی سے کام لیا ہے
چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ رئیس المتدین امام ترمذی کا قطعی و ناطق فیصلہ بھی سننے چلیے، لولا جابر الجعفی
لکان اهل الكوفة بغیر حدیث ولولا حماد لکان اهل الكوفة بغیر فقہ (ترمذی ص ۲)

اگر جابر جعفی ایسا کذاب نہ ہوتا تو جعفی مذہب کے پاس کوئی حدیث نہ ہوتی اور اگر حضرت حماد کوئی نہ ہوتے تو حنفیت فقہ سے سنی دست ہوتی۔ جابر جعفی کو امام ابو حنیفہؒ کے بڑا کذاب فرماتے ہیں اور حضرت حماد بھی مشکلم فیہ یعنی غیر معتبر ہیں۔ لطف یہ کہ فقہ حنفیہ کا سرمایہ حیات سے دے کر بقول امام ترمذی جابر جعفی اور حماد کوئی ہی ہیں۔ (انتہای بلفظہ منہ و صلا)

مگر حیرت ہے کہ مؤلف مذکور بھی کسی وجہ سے جمالت کا شکار ہو گیا۔ اولا اس لیے کہ یہ قول امام ترمذیؒ کا نہیں بلکہ وکیع بن الجراحؒ کا ہے اور وہ جابر بن یزید جعفیؒ کی توثیق کر رہے ہیں۔ (اگرچہ جمہوران کی تضعیف کرتے ہیں) چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ :-

وقال وکیع مہما شککم فی شیء فلا تشکوا
فی ان جابرًا لثقة حدیثا عنه مسعود سفیان
وشعبة وحسن بن صالح اھ

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۷۷)

اور ترمذیؒ کی اس عبارت میں بھی مقصود بالذات یہی نکتہ ہے۔ وثانیاً مؤلف نے اہل کوفہ سے کیونکر علی التبعین جعفیؒ ہی سمجھ لیے ہیں، کیا کوفہ میں اور حضرات نہ تھے؟ اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو مولانا مبارکپوری صاحبؒ ہی کی سن لیجئے :-

قلت الصحيح ان الترمذی اراد باهل الكوفة
من كان فيهما من اهل العلم كالامام ابی حنیفة
والسفیانین وغيرهم واراد ببعض اهل
الكوفة بعضهم ولم ير باهل الكوفة او
ببعض اهل الكوفة الامام ابی حنیفة وحده

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذیؒ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات
مراد لیے ہیں جو اہل علم و اہل سب سے تھے مثلاً امام ابو حنیفہؒ
سفیان ثوریؒ سفیان بن عیینہؒ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ
بعض مراد لیے ہیں امام ترمذیؒ نے اہل کوفہ یا بعض
اہل کوفہ سے صرف امام ابو حنیفہؒ ہی مراد نہیں لیے۔

(مقدمۃ تہذیب الاحوذی ص ۱۲)

کیا اس حوالہ کے پیش نظر ہم یہی سمجھ لیں کہ جلد اہل کوفہ کی حدیث دانی جابر بن یزید جعفیؒ پر قائم ہے؟ اور بقول مؤلف ساری التعلیل سے دے کر اہل کوفہ کی حدیث دانی کا سرمایہ حیات ہی جابر جعفیؒ ہیں؟ وثالثاً امام حمادؒ کو علی الاطلاق مشکلم فیہ سمجھنا اور مشکلم فیہ کا معنی غیر معتبر کرنا بالکل غلط ہے۔ بد نہ

اکثر روایات مشکلم فیہم مضمون گے۔ (مزید تحقیق لتعلیق المغنی ج ۱ ص ۱۵۱ میں دیکھئے) اور کیا امام حاتم محمد بن
اسحاق سے بھی زیادہ مشکلم فیہم ہیں؟ جن کی روایت پر قرأت خلف الامام کے مسئلہ کی عمارت کھڑی ہے
اور غیر مقلدین حضرات کے دورِ حاضر میں سب سے بڑے محدث اور جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث
ایکس مقلد پر یوں ارقام فرماتے ہیں کہ ۱۔

”پھر یہ مسئلہ کیسے حجت ہو سکتی ہے، جب اہل کوفہ کی نقل صحیح نہیں تو تطبیق کی بھی ضرورت
نہیں اور (بمعظمہ خیر الکلام ص ۲۹۴)

یعنی اہل کوفہ کی نقل اور روایت سے گونڈا صی کے لیے کیا ہی تیر سبدف اور زود اثر نونہ
دستیاب کر لیا گیا ہے کہ جب اہل کوفہ کی نقل ہی صحیح نہیں تو پھر تطبیق کی کیا ضرورت ہے؟
بتائیے کہ اس جواب کے تریاق، مجرب اور اکسیر عظیم ہونے میں کیا کسر باقی ہے؟ جہاں سند میں
کوئی کوئی راوی ملے وہاں جھٹ سے یہ اکسیر اس کی روایت کو سونگھا وواہد یقین جاسیے کہ کھوڑنم
سے بھی پہلے اس کا اثر نمایاں ہوگا اور اہل کوفہ کی حدیث و روایت جہاں بھی ہوگی وہیں ختم و
بے ہوش ہو جائے گی۔ مگر یہ خیال بہت کہ مسئلہ رفع یدین، آمین بالجہر اور فوق الصدہ وغیرہ میں
کہیں سفیان ثوری اور یحییٰ ہی دیگر کوئی نہ ہوں، ورنہ یہ سودا سرسبز ہنگا پڑے گا اور یہ کہتا پڑے گا۔
جادو وہ جو سر پر چڑھ کر نکلے

راقم الحروف نے امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ کے سن وفات ۲۵۵ھ تک جب
محدثین کوفہ کی تلاش تاریخ خطیب، طبقات بکری، تذکرہ الحفاظ، معرفت علوم الحدیث تہذیب التہذیب
اور البدایہ والنہایہ وغیرہ کتب اسماء الرجال و طبقات میں شروع کی تو ان کی تعداد سینکڑوں کے
بھی متجاوز نکلی، خوف طوائف سے سب کو نظر انداز کر دیا، البتہ غیر مقلدین حضرات کو دعوت فکری نے
کے لیے تذکرۃ الحفاظ کی صرف پہلی جلد سے ان محدثین عظام کا ذکر کرنا بڑا ضروری معلوم ہوتا ہے جن
کو علامہ ذہبیؒ نے الکوفی یا نزہی الکوفہ کے لقب سے یاد کیا ہے عام اس سے کہ وہ مولد کوفی ہوں
یا سکنا۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں مستقل عنوان صرف انہی حضرات
کے ناموں سے قائم کئے ہیں جو حفاظ حدیث ہیں۔ کسی کے نام کے ساتھ انہوں نے الامام القدوة،
المحدث اور کسی کے نام کے ساتھ الحفاظ، الجہد، الشہدہ اور کسی کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام اور محدث

الکوفہ وغیرہ کے توصیفی کلمات لکھ کر اپنی حسن عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے، اور ان کا صحیح نہادہ مقام بھی بتایا ہے۔ ہم صرف ان حضرات کا ذکر کریں گے جن کو مستقل عنوان کے ساتھ انہوں نے ذکر کیا ہے اور حتیٰ الوسع ہر ایک کا بہترین وفات بھی عرض کر دیں گے۔

۱	طارق بن قیس	المتوفی ۱۰۳ھ	۲۱	المہم شعی	المتوفی ۱۰۳ھ
۲	سروق بن الاحبص	۶۳ھ	۲۲	ابو اسحق البیہقی	۱۲۷ھ
۳	عبیدہ بن عمرو المرادی	۷۲ھ	۲۳	حبیب بن ابی ثابت	۱۱۹ھ
۴	اسود بن یزید	۷۵ھ	۲۴	الحکم بن عتیبہ	۱۱۵ھ
۵	سویہ بن غنخلہ	۸۱ھ	۲۵	عمرو بن مرہ	۱۱۶ھ
۶	زبر بن حبیش	۸۲ھ	۲۶	قاسم بن مخیرہ	۱۱۱ھ
۷	ربیع بن الحثیم	۹۳ھ	۲۷	عبد الملک بن عمیر	۲۹ھ
۸	عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ	۷۳ھ	۲۸	منصور بن معتمر	۱۳۰ھ
۹	ابو عبد الرحمن السلمی	۷۳ھ	۲۹	مغیرہ بن مقسم	۱۳۰ھ
۱۰	شریح بن الحارث	۷۸ھ	۳۰	حسین بن عبد الرحمن	"
۱۱	ابو دائل شقیق بن سلمہ	۸۲ھ	۳۱	ابو اسحاق الشیبانی	۱۳۰ھ
۱۲	قیس بن ابی حازم	۹۷ھ	۳۲	الحفیل بن ابی خالد	۱۴۲ھ
۱۳	عمرو بن میمون	۷۵ھ	۳۳	سلمان بن مهران الخثعمی	۱۴۸ھ
۱۴	یزید بن وہب الجبلی	۸۴ھ	۳۴	عبد الملک بن سلمان العزیمی	۱۴۵ھ
۱۵	مروان بن سویہ	"	۳۵	محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ	۱۴۸ھ
۱۶	ابو عمرو الشیبانی	۹۸ھ	۳۶	جلجج بن اوطاة	۱۴۹ھ
۱۷	ربیع بن خراش	۱۰۱ھ	۳۷	مسعر بن کدام	۱۷۵ھ
۱۸	ابراہیم التیمی	۹۲ھ	۳۸	المسعودی	۱۹۰ھ
۱۹	ابراہیم النخعی	۹۵ھ	۳۹	سفيان بن حید ثوری	۱۹۱ھ
۲۰	سعید بن جبیر	"	۴۰	اسرائیل بن یونس	۱۹۲ھ

- (٦٣) زائدة بن قدامة المتوفى ١٦١ هـ
 (٦٤) الحسن بن صالح بن حي ١٩٤ هـ
 (٦٥) شيبان بن عبد الرحمن ١٩٣ هـ
 (٦٦) قيس بن الربيع ١٩٤ هـ
 (٦٧) ورقدة بن عمرو بن كليب بعد ١٩٠ هـ
 (٦٨) شريك بن عبد الله القاسمي ١٤٤ هـ
 (٦٩) زمير بن معاوية ١٤٣ هـ
 (٧٠) قاسم بن معن ١٤٥ هـ
 (٧١) أبو الأحوص سلام بن سليم ١٩٤ هـ
 (٧٢) عبيد بن القاسم ١٤٨ هـ
 (٧٣) سفيان بن عيينة ١٩٨ هـ
 (٧٤) أبو بكر بن عياش ١٩٣ هـ
 (٧٥) يحيى بن زكريا بن أبي زائدة ١٨٢ هـ
 (٧٦) عبد السلام بن حرب ١٨٤ هـ
 (٧٧) جرير بن عبد الحميد ١٨٨ هـ
 (٧٨) أبو خالد الأحمر ١٩٨ هـ
 (٧٩) أبو اسحاق الفزاري ١٨٥ هـ
 (٨٠) عيسى بن يونس ١٨٤ هـ
 (٨١) عبد الله بن إدريس ١٩٢ هـ
 (٨٢) يحيى بن يمان ١٨٩ هـ
 (٨٣) حميد بن عبد الرحمن ١٩٠ هـ
 (٨٤) علي بن مسهر ١٨٩ هـ
 (٨٥) عبد الرحيم بن سليمان ١٨٤ هـ
 (٨٦) أبو معاوية المتوفى ١٩٥ هـ
 (٨٧) مروان بن معاوية ١٩٣ هـ
 (٨٨) خصص بن غياث ١٩٣ هـ
 (٨٩) وكيع بن الجراح ١٩٤ هـ
 (٩٠) الأشعبي ١٨٢ هـ
 (٩١) عبدة بن سليمان ١٨٨ هـ
 (٩٢) الحارثي ١٩٥ هـ
 (٩٣) محمد بن فضيل بن غزوان
 (٩٤) أبو اسامة ٢٠١ هـ
 (٩٥) محمد بن بشر ٢٠٣ هـ
 (٩٦) يحيى بن سعيد بن ابان ١٩٣ هـ
 (٩٧) يونس بن بكير ١٩٩ هـ
 (٩٨) عبد الله بن قيس
 (٩٩) شجاع بن الوليد ٢٠٢ هـ
 (١٠٠) محمد بن عبيد
 (١٠١) يعلى بن عبيد ٢٠٩ هـ
 (١٠٢) عبد الله بن داود الخوري ٢١٣ هـ
 (١٠٣) حسين بن علي الجعفي ٢٠٣ هـ
 (١٠٤) زبيدة بن الحباب ٢٠٣ هـ
 (١٠٥) عبيد الله بن موسى ٢١٣ هـ
 (١٠٦) اسحاق بن سليمان التيمي ٢٠٠ هـ
 (١٠٧) أبو أحمد النسيري ٢٠٢ هـ
 (١٠٨) يحيى بن آدم ٢٠٣ هـ

- (٣١) زائدة بن قدامة المتوفى ١٦١ هـ
 (٣٢) الحسن بن صالح بن حي ١٩٤ هـ
 (٣٣) شيبان بن عبد الرحمن ١٩٣ هـ
 (٣٤) قيس بن الربيع ١٩٤ هـ
 (٣٥) ورقدة بن عمرو بن كليب بعد ١٩٠ هـ
 (٣٦) شريك بن عبد الله القاسمي ١٤٤ هـ
 (٣٧) زمير بن معاوية ١٤٣ هـ
 (٣٨) قاسم بن معن ١٤٥ هـ
 (٣٩) أبو الأحوص سلام بن سليم ١٩٤ هـ
 (٤٠) عبيد بن القاسم ١٤٨ هـ
 (٤١) سفيان بن عيينة ١٩٨ هـ
 (٤٢) أبو بكر بن عياش ١٩٣ هـ
 (٤٣) يحيى بن زكريا بن أبي زائدة ١٨٢ هـ
 (٤٤) عبد السلام بن حرب ١٨٤ هـ
 (٤٥) جرير بن عبد الحميد ١٨٨ هـ
 (٤٦) أبو خالد الأحمر ١٩٨ هـ
 (٤٧) أبو اسحاق الفزاري ١٨٥ هـ
 (٤٨) عيسى بن يونس ١٨٤ هـ
 (٤٩) عبد الله بن إدريس ١٩٢ هـ
 (٥٠) يحيى بن يمان ١٨٩ هـ
 (٥١) حميد بن عبد الرحمن ١٩٠ هـ
 (٥٢) علي بن مسهر ١٨٩ هـ
 (٥٣) عبد الرحيم بن سليمان ١٨٤ هـ

۸۷ داؤد بن یحییٰ بن بیان المتوفی ۲۰۳ھ	۹۳ یحییٰ بن ابی بکر المتوفی ۲۰۸ھ
۸۸ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن زید ۲۱۳ھ	۹۴ زکریا بن عدی ۲۱۲ھ
۸۹ ابو نعیم فضل بن وکیل ۲۱۹ھ	۹۵ احمد بن عبد اللہ بن یونس ۲۲۷ھ
۹۰ قبیصہ بن عقبہ ۲۱۵ھ	۹۶ ابو عثمان ۲۱۹ھ
۹۱ موسیٰ بن داؤد الضبی ۲۱۷ھ	۹۷ خالد بن مخلد قطوافی ۲۱۳ھ
۹۲ خلف بن تمیم ۲۰۶ھ	

یہ یاد رہے کہ ہم نے تذکرۃ الحفاظ جلد اول ہی سے کوفہ کے ان حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے اور ان میں بھی حضرت امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف (المتوفی ۱۸۲ھ) کا ربا وجودیکہ ان کو تذکرۃ الحفاظ جلد اول میں مستقل عنوان دے کر علامہ ذہبی نے بیان کیا ہے) تذکرہ نہیں کیا تاکہ ان کے نام سے مزاج یار کہیں برہم نہ ہو جائے۔

اس سے آپ اندازہ لگالیجئے کہ تذکرۃ الحفاظ کی بقیہ تین جلدوں اور بیسیوں دیگر اسناد احوال کی کتابوں میں محدثین کوفہ یا بالفاظ دیگر کوفہ کے حدیث دانوں کی تعداد اور گنتی کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہم مصنف حقیقت الفقہ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ کیا ان محدثین کوفہ یا کوفہ کے حدیث دانوں کی بیان کردہ حدیثوں میں ٹور کی کوئی کرن اور جھلک ہے یا نہیں؟ صحاح ستہ اور خصوصیت صحیحین میں تو ان میں اکثر حضرات کی حدیثیں آفتاب نیمروز کی طرح چمک رہی ہیں اور کیا ہم مؤلف نتائج التقلید اور ان کے جلد مصدقین حضرات سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا ان تمام حضرات کا نام جھڑ جھڑی ہے؟ اور کیا ان سب بزرگوں کو روایتیں صرف جابر جعفی کے طریق ہی سے حاصل ہوئی ہیں؟ اور کیا ان تمام حضرات کا سرمایہ حیات سے لے کر جابر جعفی پر ہی ختم ہو جاتا ہے؟ اور کیا ہم جابوہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب نے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے نزدیک ان اہل کوفہ حضرات کی نقل صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا ان اکابر حفاظ حدیث کی روایت کی دوسری روایت حدیث کی بیان کردہ حدیثوں سے تطبیق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور کیا ان کی نقل اور پیش کردہ روایات واحادیث پر کوئی اعتماد و اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

قارئین کرام! آپ نے بخوبی یہ ملاحظہ کر لیا کہ غیر متقلدین حضرات کا اصل اختلاف تو صرف حضرت

امام ابوحنیفہؒ کوئی سے ہے، لہذا ان کے لیے صرف یہی کہہ دینا کافی تھا کہ ہم نہ تو امام ابوحنیفہؒ کو (مقتل) قتل مانتے ہیں اور نہ ان کی قتل کو اور اگر اس سے بھی آگے نوازش کرنا چاہتے تھے۔ تو یہ کہہ دیتے کہ ان اہل کوفہ کی قتل کو بھی ہم نہیں مانتے جو حنفی ہیں۔ اگرچہ کئی طور پر یہ بھی قطعاً باطل ہے۔ مگر صدافسوس تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کی عدالت کے پردہ میں سب اہل کوفہ کو کورساجار ہا ہے اور سب پر سے اعتماد ہٹایا جا رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر تعصب کی مثال بھی دنیا میں کوئی ہو سکتی ہے؟ اور اگر کوئی یہ تاویل کرے کہ اہل کوفہ سے ہماری مراد ہی حنفی ہیں تو یہ بھی باطل ہے۔ ہر قسم مقدر تحفۃ الاحوذی کے حوالہ سے اس کی تردید لکھ آئے ہیں اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے۔ تو کیا غیر مقلدین حضرات کے نزدیک امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام عبد اللہ بن مبارکؒ، امام دیک بن الجراحؒ، امام لیث بن سعدؒ اور امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہؒ وغیرہ وغیرہ سب کی قتل صحیح نہیں؟ اگر ان کی قتل صحیح نہیں تو محدثین کرامؒ میں کس کی قتل صحیح ہے؟ ہم نے اپنی کتاب ”طائفۃ منصور“ میں تاریخ کے محسوس حوالہ جات سے ان اکابر کا حنفی ہونا ثابت کیا ہے۔ الغرض غیر مقلدین حضرات کا اہل کوفہ کی حدیث دانی کا انکار کرنا چودھویں رات کے نصف اسماء چاند اور آفتاب نیمروز کا انکار کرنا ہے جس کو کوئی بھی منصف مزاج تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ متعصبین کی بات ہی الگ اور جدا ہے۔ اس کا اس جہاں میں کسی پکس کوئی علاج نہیں اور اس کے بارے میں ہم صرف یہی عرض کر سکتے ہیں کہ:-

ہاں کہ تا طبل قیامت نهند

آن تو دیک آید یا ایس ما

باب چہارم

امام صاحب کا مقام علم کلام اور فقاہت میں

حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی ولادت سنہ ۱۵۰ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ جب کہ حضرات محدث کرام کی بعض بزرگ شخصیتیں موجود تھیں اور انہوں نے اکابر تابعین سے علم دین حاصل کیا اور فقہ میں تو حضرت امام ابو حنیفہ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ اکثر محدثین غلام، فقہار کرام اور جمہور امت کی موافق اور کب مخالف سب اُن کے فقہی کمال پر متفق اور اُن کی اس خوبی اور کمال میں ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ حضرت امام شافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

ومن اراد الفقه فهو عيال على ابي حنيفة
فہ چاہنے والا امام ابو حنیفہ کا غرض بین ہے۔ (الحلی)

(الانتقاء ۱۳۶) ابن عبد البر

سند میں نہ تو احمد بن محمد بن الفضل ہے اور نہ الحارثی

اور نیز فرماتے ہیں کہ:-

كان ابو حنيفة وقوله في الفقه مسالاة فيه
امام ابو حنیفہ کا قول فقہ میں سہم ہے۔

(الانتقاء ۱۳۵)

نیز امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ابو حنیفہ کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں دیکھا ہے، وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تجھ سے اس ستون کے سونا ثابت کرنے کے دلائل پیش کریں تو قائم ہو جائے (بخاری جلد ۱ ص ۲۳۸ و اکمال ص ۶۲۵) تو وہ ضرور اپنی جنت میں کامیاب رہیں۔

حضرت روح بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں سنہ ۱۵۰ھ میں مشہور محدث ابن جریج کے پاس تھا کہ اچانک حضرت امام ابو حنیفہ کی وفات کی خبر آگئی۔ ابن جریج نے انا لله والہ الیہ پڑھ کر صدمہ کے ساتھ

یہ فرمایا کہ :-

• کتنا بڑا علم نصحت ہو گیا ہے۔

(امامی ج ۱۳ ص ۲۳۹)

حضرت مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ کوفہ میں مجھے دو آدمیوں پر شک آتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ پر ان کی فتنہ میں اور حسن بن صالحؒ پر ان کے زہد میں۔ (الایض)

محدث اسرئیل فرماتے تھے کہ نعمان بن ثابتؒ کیا ہی خوب مرد تھے جو ہر ایسی حدیث کے حافظ تھے جس میں فتنہ ہوتی تھی اور اس کی وہ خوب بحث و تمحیص کیا کرتے تھے اور اس میں فتنہ کی تہمت پہنچتے تھے۔

محدث عبد الرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت معمرؒ کے پاس حاضر تھے۔ اتنے میں امام عبد اللہ بن المبارک تشریف لائے۔ ہم نے امام معمرؒ سے یہ سنا، وہ فرمایا ہے تھے کہ مجھے تو ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر فتنہ کی مہارت رکھنے والا کوئی اور نظر نہیں آتا جو مخلوق کے لیے فتنہ و قیاس کے ذریعہ راہِ نبیؐ بنانے والا ہو اور میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ محتاط کوئی شخص نہیں دیکھا جو خدا تعالیٰ کے دین میں شک کی کوئی چیز داخل کر کے اپنے نفس کے لیے وبال تیار کرنے پر آمادہ ہو۔

ابو جعفر رازیؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا پرہیزگار اور کوئی نہیں پایا۔ (بغدادی

جلد ۱۳ ص ۱۲۲)

علامہ ذہبیؒ ان کو الامام الاعظم، فقیہ العراق، امام متورع، عالم، عامل، متقی اور کبیر الشان کہتے

ہیں۔ (مناقب المناظر جلد ۱ ص ۱۵۸)

حافظ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ علماء کی بڑی جماعت نے ان کی تعریف کی اور ان کو صاحب

فنیلت تسلیم کیا ہے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ طبع مصر)

اور نیز فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام موصوفؒ سے روایت کی اور ان کی توثیق و تصحیح

کی ہے، وہ ان لوگوں سے بدجہان زیادہ ہیں جنہوں نے ان میں (بلاد جہم) کلام کیا ہے۔ (مختار ص ۱۲۲)

علامہ خطیب بغدادیؒ باوجود امام صاحبؒ پر انتہائی جرح نقل کرنے کے ان کی ذاتی خوبی

اور علمی قابلیتوں کا انکار نہیں کر سکے۔ ان کو امام اصحاب الرائے اور فقیہ اہل العراق فرماتے ہیں اور

اپنی تاریخ میں امام صاحبؒ کے بہت سے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ج ۱۳)

ص ۳۲۲ تا ۳۶۸) اور بحوالہ امام شافعیؒ یہ نقل کرتے ہیں کہ لوگ علم عتاد و کلام میں امام ابو حنیفہؒ کے خوش چیں ہیں۔ (بغدادی جلد ۳ ص ۱۶۱)

امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ علماء تو صرف چار ہیں، سفیان ثوریؒ، ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور اوزاعیؒ (الہدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۰۷)

امام صدر الاممؒ مکی الحنفیؒ (المتوفی ۵۶۸ھ) اپنی سند کے ساتھ امام عبدالرحمن بن حسدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں صرف نقال حدیث تھا، اور سفیان ثوریؒ علماء کے امیر المومنین تھے، اور سفیان بن عیینہؒ امیر العلماء تھے اور شعبہؒ عیار الحدیث (یعنی حدیث کی تحصیل کے لیے طواف و حرکت کرنے اور سرگردان رہنے والے جگہ کسولی) تھے اور عبداللہ بن المبارکؒ صرف الحدیث تھے اور یحییٰ بن سعید قاضی العلماء تھے اور فرماتے ہیں کہ:

وابو حنیفۃ قاضی قضاء العلماء ومن قال
لث سوی هذا فانه فی عنانہ بنی سلیم
ابو حنیفہؒ علماء کے قاضی القضاء تھے جو شخص تھے
اس کے علاوہ کوئی ادبات کے تو تم اس کو بنو سلیم
(مناقب مرقی جلد ۲ ص ۲۵ طبع حیدرآباد دکن) کی غلاطت اور گندگی ڈالنے کی جگہ (یعنی کوڑی ہیں)

قال دو

حسن بن صالح بن حمیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ بکھار عالم اور تثبت فی العلم تھے۔ (الانتقاء ص ۱۲۸ و تائیب الخطیب ص ۱۵۲)

مشہور مؤرخ محمد بن اسحاق بن ندیمؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

والعلم بڑا و بھرا و شرقاً و غرباً بعداً و قریباً
علم ہر دیکھ، مشرق و مغرب اور بعد و قریب میں
تدوینہ رضی اللہ عنہ (فہرست ابن ندیم ص ۱۹۹) بھی مدون ہوا ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کا مدون کیا ہوا ہے۔

مکتبہ التجاریۃ الکبریٰ بمصری)

علامہ مجتہد بن اثیر الشافعیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص لطف اور بھیدا اس میں مضمون نہ ہوتا تو ائمہ محدثین کا تقریباً نصف حصہ کبھی امام ابو حنیفہؒ کی پیروی نہ کرتا اور اس جلیل القدر امام کے مسک پر عامل ہو کر اور ان کی تقلید اختیار کر کے کبھی تقریب خداوندی حاصل کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ (محملہ جامع الاصول، بحوالہ تقدیرہ نصب اللہ ص ۲۹)

حافظ ابن کثیر الشافعی (المتوفی ۷۴۸ھ) امام صاحب کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں کہ الإمام وفقیہ العراق، أحد الأئمة الاسلام والتادة الاسلام أحد أركان العلماء أحد الأئمة الأربعة، أصحاب مذاهب المتبوعة (البداية والنهاية جلد ۲ ص ۲۸)

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ :-

ومتما في الفقه لا يلحق شهده بذلك
اهل جلدهم ونصوصاً مالك والشافعي
(مقدمہ ص ۴۴ طبع مصر)

فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان کے ہم عصر علماء نے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے خصوصاً امام مالک اور امام شافعی نے۔

امام ابن حجر مکی الشافعی (المتوفی ۸۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ :-

قال بعض الأئمة لعريظهم لأحد من أئمة
الاسلام المشهورين مثل ما ظهر لأبي حنيفة
من الأصحاب والتلاميذ ولعريظهم العلماء
وجميع الناس بمثل ما انتفعوا به وبأصابعهم
في تفسير الأحاديث المشبهة والمسائل
المستبعدة والشوازل والقضاء والاحكام
جزاهم الله خيراً (الخيرات لکھنؤ ۲۳، ۲۴ طبع مصر)

بعض ائمہ نے کہا ہے کہ مشہور ائمہ اسلام کے متعلق اور شاگرد جتنے کہ امام ابو حنیفہ کے ہیں اتنے اور کسی کے نہیں اور علماء و اکثر لوگوں کو مشتبہ احادیث کی تفسیر اور مسائل قیاسی اور قضاء اور احکام میں جتنا امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے حاصل ہوا ہے وہ اور کسی سے حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

مزید تائید: حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ سبھی لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے خوشہ چین اور عیال ہیں۔ ان کو سبجائب اللہ فقہ کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ اور نیز فرماتے ہیں کہ :-

من اراد ان يعرف الفقه فليستزأبأحنيفة
وأصحابه فان الناس كلهم عيال عليه في
الفقه (تألیف بغداد ج ۱ ص ۲۷۱ و مناقب مولی ص ۱۲)

جو شخص فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کے نقش قدم پر چلے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام صاحب کے خوشہ چین ہیں۔

امام حافظ الدین کردری الحنفی (المتوفی ۸۲۷ھ) امام شافعی سے اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ ابنوں نے فرمایا کہ :-

ماثلیت افتہ منہ (مناقب کردی ص ۹)

(کنزانی مفتاح السعاده ص ۶۲۵) واکمال ص ۶۲۵) میں نے ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں پایا۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ فقیہ تھے اور فقہ دور ع کے ساتھ مشہور تھے۔
امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر حدیث کی تفسیر جاننے والا اور
فقہی نزاکت کر پکھنے اور ان کے مواقع کا علم رکھنے والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں نے
جب بھی امام ابو حنیفہؒ سے کسی مسکے میں مخالفت کی ہے تو غور کرنے کے بعد ان کی رائے اور مسلک
ہی آخرت کے سلسلہ میں زیادہ نجات دہندہ پایا۔ (تقویٰ تو انہی کے قول میں تھا۔ یہ الگ
بات ہے کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے از روئے فتویٰ امام ابو یوسفؒ نے بہت سے مسائل
میں امام صاحبؒ سے اختلاف رائے بھی کیا ہے۔ صفحہ ۱) اور فرماتے ہیں کہ:-

میں بسا اوقات کسی حدیث کی طرف مائل ہو جاتا مگر
وکنت ربما ملت الی الحدیث وکان
معلوم ہوتا کہ امام ابو حنیفہؒ صحیح حدیث کو مجھ سے زیادہ
ہوا بصراً بالحدیث المصحح مبنی -
جانتے ہیں۔

امام اعظمؒ نے قاضی ابو یوسفؒ کو طعن دیتے ہوئے یہ کہا کہ تمہارے ساتھی ابو حنیفہؒ نے حضرت
ابن مسعودؓ کا یہ قول عرق الامۃ طلاقھا الخ (لونڈی کی آزادی ہی اُس کی طلاق تصور ہوگی) کیوں
ترک کیا ہے؟ وہ فرماتے گئے۔ آپ کی بیان کردہ اس حدیث کی بناء پر جو آپ نے ابراہیمؓ عن عائشہؓ
عن عائشہؓ کی سند سے امام ابو حنیفہؒ سے بیان کی ہے کہ جب حضرت بریرہؓ کا آزاد ہوئیں تو ان کو
اپنے خاوند حضرت معیثؓ کے نکاح میں بسنے یا علیحدہ ہو جانے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس پر
اعظمؒ فرماتے گئے کہ واقعی ابو حنیفہؒ بڑے ہی سمجھدار ہیں۔

عبد اللہ بن ادریسؒ ایک موقع پر امام ابو حنیفہؒ کی آمد پر ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔
اس پر ان کے کچھ رفقاء نے جن میں امام ابو یوسفؒ بن سبیشؒ بھی تھے معترض ہوئے کہ آپ اس
شخص کے لیے کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ابو حنیفہؒ کا پایہ علم میں بہت بلند ہے
اگر میں ان کے علم کے لیے نہ کھڑا ہوتا تو ان کی عمر کے لحاظ سے کھڑا ہوتا اور اگر عمر کا لحاظ بھی
نہ کرتا تو قنوت لفقہاء (ان کی فقہ کے لیے کھڑا ہوتا)۔ اگر فقہ کے لیے بھی نہ کھڑا ہوتا تو ان
زہد کے لیے کھڑا ہوتا۔ (تاریخ بغداد جلد ۳ ص ۲۴۱)۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ جامع الکملات ہیں اس لیے ان کی ایک ایک خوبی زبان حال لگی
تعظیم و تکریم کی دعوت دیتی ہے، اور حق یہ ہے کہ ۸۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی صاحب حدیث امام سفیان ثوری سے
بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا مگر ابو حنیفہ ان سے بھی بڑھ کر فقیہ تھے۔

ابو جہم البیہقی سے سوال کیا گیا کہ سفیان بڑے فقیہ میں یا ابو حنیفہ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ام ابو حنیفہ
کے شاگرد اور غلام بھی فقہ میں سفیان سے بڑھ کر ہیں۔ (بغدادی جلد ۲ ص ۲۴۲) نیز انہوں نے یہ فرمایا
کہ ابو حنیفہ فقیہ اور تمام الفقہ ہیں اور سفیان تو متفقہ میں (ایضاً ص ۲۴۲)۔

امام یزید بن ہارون رالمیثقی ۲۰۶ھ جو الحافظ القدوة اور شیخ الاسلام تھے اور وہ اپنے وقت
کے عابد و زاہد حضرات میں شمار ہوتے تھے، چالیس سال سے زیادہ عرصہ انہوں نے عشاء کے وضو
سے صبح کی نماز پڑھی ہے تذکرہ ج ۱ ص ۲۹۲ سے سوال کیا گیا کہ سفیان زیادہ افقہ ہیں، یا ابو حنیفہ؟ تو
انہوں نے فرمایا کہ ابو حنیفہ زیادہ افقہ ہیں۔ (بغدادی ج ۱ ص ۲۴۲)

ابو مسلم المستملی نے امام ابو جعفر یزید بن ہارون سے دریافت کیا کہ آپ کی ابو حنیفہ اور ان کی کتبیں
دیکھنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ۱۔

انظر وافها ان کنتم تريدون ان تفقهوا
فالمازيت احد امن الفقهاء يحسنه
الخطري قوله۔ (ما یجہد ج ۱ ص ۳۴۲)

اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کی کتابوں کو ضرور
دیکھو کیونکہ میں نے فقہاء میں سے کسی ایک کو بھی ایسا
نہیں پایا جو ان کے قول کو دیکھنا ناپسند کرتا ہو۔

نیز امام یزید بن ہارون نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر حلیم کوئی نہیں دیکھا،
وہ صاحب فضل و دین اور متورع تھے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھتے تھے اور صرف وہی کام اور
باتیں کرتے تھے جو لایعنی نہیں ہوتی تھیں۔ (الخیرات الحسان ص ۵۲)

امام یزید بن ہارون سے پوچھا گیا کہ آدمی فتویٰ دینے کا مجاز کب ہو سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب
ابو حنیفہ کی مثل اور ان کی طرح (فقیہ) ہو جائے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ اے ابو حنیفہ آپ ایسی بات
کہتے ہیں؟ فرمایا ہاں اس سے بھی زیادہ کہتا ہوں کیوں کہ میں نے ابو حنیفہ سے بڑا فقیہ اور متورع کوئی

اور نہیں دیکھا۔ میں نے اُن کو دھوپ میں ایک شخص کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں نے سوال کیا کہ آپ دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں چلے جاتے، وہ کہنے لگے کہ مالک مکان پر میرا قرضہ ہے۔ میں نہیں پسند کرتا کہ مقرض و مدیون کے مکان اور دیوار کے سایے کے نیچے بیٹھ کر اس سے مستفیع ہوں؟ اس سے زیادہ تقویٰ اور صدق اور کیا ہوگا؟ (مناقب موفی ج ۱ ص ۲۱۹) کہ درسی جلد ۱ ص ۲۱۹

امام زید بن ہارونؒ ہی فرماتے ہیں کہ:-

کتبت عن النّاشیخ حمّلت عنهم العلو
فما لیت واللّٰہ فہم اشدّ ودعا من الی
حنیفۃ ولا احفظ للسانہ

میں نے ایک ہزار استاد سے علم کھا اور حاصل کیا ہے
لیکن خدا تعالیٰ کی قسم میں نے ان سب میں ابو حنیفہؒ سے
بڑھ کر صاحب درجہ اور اپنی زبان کی حفاظت
کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔

(مناقب موفی ج ۱ ص ۱۹۵)

حضرت زید بن ہارونؒ بطریق مغیرہ امام ابراہیمؒ کا کوئی قول مناسب تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر یہ سوال کیا کہ اے شیخ ہم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بیان کیجئے، لوگوں کے قول چھوٹیے، زید بن ہارونؒ نے برہم ہو کر فرمایا، اے احمق! یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی تفسیر ہے، اور تو آپ کی حدیث کو کیا کرے گا جب تو نے ان کا معنی اور تفسیر ہی نہ سمجھی۔

ولکن متکد التّماع والبیع لوعان متکد
العلم لطلبتم تفسیر الحدیث ومعانیہ
ونظرت فی کتب الی حنیفۃ وفی اقادیہ
ففسر لکم الحدیث وزیر الرجل واخرجہ
من مجلسہ۔ (مناقب موفی جلد ۲ ص ۲۸)

لیکن تمہارا مقصد تو صرف سُن لینا اور حدیثوں کو جمع کر لینا ہی ہے۔ اگر تمہارا مطلوب علم کا حاصل کرنا ہو تا تو تم حدیث کی تفسیر اور اس کے معانی بھی طلب کرتے اور ابو حنیفہؒ کی کتابوں اور ان کے اقوال کو سیکھتے اور تمہارے سامنے حدیث کی تفسیر منکشف ہوتی، یہ کہتے ہوئے اس شخص کو جھڑک کر مجلس سے نکال دیا۔

یہی زید بن ہارونؒ فرماتے ہیں کہ:-

اقامیل الی حنیفۃ لایجہا الا الذکی من
امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کو صرف ذکی لوگ ہی پسند کرتے

التجالی ولا يضبطها الا الفہیم منهم
ہیں اور ان کے اقوال کو فقط وہی اشخاص ضبط کر سکتے

ہیں جو فہیم ہوں۔

(مناقب مرقی جلد ۲ ص ۴۷)

علامہ تاج الدین السبکی الشافعی (المتوفی ۷۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ :-

ابو حنیفہ کی فقہ گری اور باریک بینی۔

لفقہ ابی حنیفۃ دقیق۔

(طبقات الشافعیہ جلد ۲ ص ۴۷ طبع مصر)

یہی وجہ ہے کہ بعض کم سواد اور نااہل لوگ اس کی دقت اور باریکی تک رسائی حاصل نہیں کر

سکتے اور اس سے نالاں ہو کر اس میں کیڑے نکالتے ہیں۔ یثربی نے ایک مقام پر کیا خوب کہا ہے :-

بِذِي الْغَبَاوَةِ مِنْ اِنْشَادِهَا مَنْسَدٌ
كَمَا تَخْشُرُ يَاحُ النُّورِ دِيَابِ الْجَعْدِ

ترجمہ :- یعنی غبی لوگوں کو ان (اشعار) کے پڑھنے سے ضرر پہنچتا ہے، جیسے گلاب کے پھول

کی خوشبو سے غلاظت کی گولیاں بنانے والے کیڑوں کو ضرر پہنچتا ہے۔

امام یزید بن ہرون ہی فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کے ساتھ ملاقات کی ہے لیکن

میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو زیادہ عقل مند، افضل اور متوسع نہیں دیکھا۔ (بغدادی ج ۱ ص ۱۳۴)

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے ابو حنیفہ جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔

ابو یحییٰ الحنفی کا بیان ہے کہ میں نے ابو حنیفہ سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا۔

امام ابو یوسف بن عیاض فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ افضل اہل زمانہ ہیں۔ (مناقب مرقی جلد ۲ ص ۴۷)

امام اذراعی اور عمری دونوں فرماتے ہیں کہ :-

هو من اعلم الناس بمعضلات المسائل
ابو حنیفہ پیچیدہ اور مشکل مسائل کو سب لوگوں سے زیادہ

جانتے ہیں۔

(مناقب مرقی جلد ۲ ص ۴۷ تبیین العیون ص ۲۸)

حضرت امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں میں سب سے بڑا عابد، سب سے

بڑا متقی، سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا فقیہ دیکھا ہے، اعب الناس تو عبد العزیز بن ابی رواد ہیں اور

اوجع الناس فضیل بن عیاض ہیں اور اعلم الناس سفیان ثوری ہیں اور افقہ الناس امام

ابو حنیفہ ہیں۔ اور فرمایا کہ :-

میں نے فقہ میں ان کا کوئی نظیر نہیں دیکھا۔

ما رأیت فی الفقہ مثله

عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ اگر حدیث اور اثر میں فقہ کی ضرورت پیش آئے تو اس میں امام مالک، سفیان اور ابو حنیفہ کی رائے معتبر ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ۱۔

وَابُحَنِيفَةَ أَحْسَنَهُمْ وَأَدْقَهُمْ فَطَنَةً
وَأَغْوَاهُمْ عَلَى الْفَقْهِ وَهَوَاقِفَهُ الشَّدَاثَةُ
(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۴۳)
ابو حنیفہ ان سب میں عمدہ اور باریک بصر کے مالک
ہیں اور فقہ کی باریکیوں میں غائبہ نگاہ رکھنے والے اور
قیوں میں بٹے فحیتہ ہیں۔

نیز انہوں نے فرمایا کہ جب امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کسی فتویٰ پر متفق ہو جائیں تو پھر ان کے
فتویٰ کے آگے (علمی دنیا میں) کون ٹھہر سکتا ہے؟

اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ دونوں بزرگ کسی فتویٰ پر مجتمع ہو جائیں تو یہ قوی بات ہے۔
سے، فذلک قیوتی، اور امام سیوطی فرماتے ہیں کہ امام ابن المبارک نے فرمایا، جب یہ
دونوں بزرگ کسی قول پر اتفاق کر لیں تو میرا یہی قول ہوگا فذلک قولی (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۴۳)
وتبیض الصحیفۃ مکان

عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقہ میں اچھا کلام کرنے والا
اور کوئی نہیں دیکھا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کے لیے اپنی رائے سے کوئی بات کرنی مناسب ہے،
تو ابی حنیفہ کے لیے یہ مناسب ہے۔ (بغدادی ج ۱۳ ص ۲۴۳) امام ابن المبارک نے یہ بھی فرمایا کہ ۱۔

افقہ الناس ابو حنیفۃ ما رأیت فی الفقہ
مثلاً وقال ایما لولہ ان اللہ تعالیٰ اعطانی
بابی حنیفۃ وسفیان کنت کما سائر الناس
وقہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۰۵
لوگوں میں سب سے بڑھ کر فقہ ابو حنیفہ ہیں، میں نے
ان کی مثل فقہ میں کسی کو نہیں دیکھا نیز انہوں نے یہ
بھی فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ اور سفیان کے ذریعہ
میری امت کو فرماتا تو میں ہم لوگوں کی طرح ہوتا۔

امام عبداللہ بن المبارک کے سامنے کسی شخص نے امیر ابو حنیفہ کی شان میں گستاخی کی تو وہ شیراز
کی طرح گرجتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے ویحد۔ تعجب سے تجھ پر تو اس شخص کی شان میں گستاخی کر
رہا ہے جس نے پینتالیس سال پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں اور حوراست کو پورا قرآن کریم
دور کعتوں میں ختم کر رہا ہے اور پھر فرمایا کہ ۲۔

وتعلّمت الفقہ الذی ہندی من ابی حنیفۃ
میں نے جو علم فقہ حاصل کیا ہے تو وہ ابو حنیفہ ہی سے

(بغدادی ۲۵۵) و مناقب مفتوح ۲۳۶ تبیض الصیفۃ ۲۵) حاصل کیا اور لکھا ہے۔
امام عبداللہ بن المبارک نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بڑی تعریف اور مدح کی ہے اور بہت سے
اشعار بھی انہوں نے امام صاحبؒ کی تعریف میں کہے ہیں، چند یہ ہیں۔

لقد كان السداد ومن عليها
امام المسلمین ابوحنیفہ
بلاشبہ شہروں اور ان پر مبنی والوں کو
امام المسلمین ابوحنیفہؒ نے زینت بخش ہے
بآثار وفقه في حديث
صاٹار الوصوف علی الصیفۃ
امادیت اور حدیث کی روایت کے ساتھ جو اپنے روزا اور اسرار میں لٹکانا کی طرح صوفیہ پر چمکتے ہیں۔

(تبیض الصیفۃ ۲۵) و مقدمہ عدة الراية من لمولانا عبدالحی
عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ جب تم آثار یا حدیث و سرع حاصل کرنا چاہو تو سفیان ثوریؒ
سے حاصل کرو۔

واذا اردت تلك الدقائق فابوحنيفة
اور جب تم فقہ کی باریکیاں حاصل کرنا چاہو تو ابوحنیفہؒ
سے حاصل کرو۔

محمد بن بشر کا بیان ہے کہ میں امام سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔
ترجیب میں سفیانؒ کے پاس حاضر ہوتا تو وہ فرماتے، تم کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ ابوحنیفہؒ کے
پاس سے آیا ہوں تو وہ فرماتے کہ۔

لقد جئت من عند افقه اهل الارض
واقعی تم تو زمین کے فقیہ تر انسان کے پاس آئے ہو۔
ابو نعیمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ مسائل کے بارے میں نہایت ہی باریک بین واقع ہوتے
ہیں۔ (صاحب خوض فی المسائل)۔

عبداللہ بن داؤد الخریجیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں ابوحنیفہؒ کے
یہ دعا کریں کیونکہ انہوں نے حدیث وفقہ کو ان کے لیے محفوظ کیا ہے۔ (بغدادی ۲۳۴)
عبداللہ بن یزید مرقیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نوجوان ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر بڑا فقیہ

نہیں دیکھا۔

شداؤ بن حکیم کا بیان ہے کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت مکی بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ اعظم اہل زمانہ تھے۔
 نصر بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ سے غافل اور بے خبر و غفلت تھے۔ ابوحنیفہؒ نے اُن کو جگایا ہے
 امام یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم نے امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے بہتر رائے
 کسی کی نہیں سنی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال سے لیے ہیں (بغدادی جلد ۱۳ ص ۲۴۵)
 امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ قرأت میرے نزدیک حمزہؒ کی معتبر ہے اور فقہ ابوحنیفہؒ کی۔ میں نے
 اسی پر لوگوں کو پایا ہے۔ (بغدادی جلد ۱۳ ص ۲۴۶ و مناقب جلد ۲ ص ۱۱ و مناقب کردی ص ۱۱)
 امام سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں کے بارے میں میرا یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ کوفہ کے پہل
 سے تجاوز کریں گی حالانکہ وہ تو آفاق تک پہنچ چکی ہیں ایک حمزہؒ کی قرأت اور دوسری ابوحنیفہؒ کی فقہ۔
 ابراہیم بن عکرمہ الخرمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو متورع اور بڑا فقیہ نہیں دیکھا
 (بغدادی ج ۱۳ ص ۲۴۶)

علامہ محمد طاهر الخفگیؒ (المتوفی ۱۲۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی
 مقبولیت کا کوئی خاص راز اور بھید نہ ہوتا تو امت کا ایک نصف جتھہ کبھی ان کی تقلید پر مجتمع نہ ہوتا۔
 (تکملة مجمع البحار ج ۲ ص ۵۲)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کو فی سببہ علم و علم وین مقرب
 امامت دار و پیمناں در زہد و عبادت امام سامکان است تو قصد جہود الاعراض من تذکار جنود الابرار ص ۹۳
 حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ جنہیں فہم و فکر کا خارقہ
 کہنا چاہیے اس میں پیدا ہوئے اور (الاعتصام ص ۱۸۷ و فتاویٰ ص ۱۹۷)
 حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے
 متعلق فرمایا کرتے تھے کہ کیونکہ آپ کا مجتہد متبع سنت متقی اور پرہیزگار ہونا ہی آپ کی فنیست
 کے لیے کافی ہے اور آیتہ اِنَّا اَعَزُّ مَعَكُمْ عِندَ اللّٰهِ اَلْقَاكُمْ کی بشارت آپ کے لیے خود
 قرآن مجید میں موجود ہے مگر اکثر اہل نقل حضرت کی تابعیت کے قائل نہیں اس لیے تابعیت کا دعویٰ
 کرنا فضول ہے۔ (المیات بعد المہات ص ۵۹۳)

ہم نے البیان الازہر کے مقدمہ میں چوٹی کے محدثین کرام مثلاً امام حلیہ بغدادیؒ امام ابن عبد البرؒ

علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ وغیرہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ روایت کے لحاظ سے تابعی ہیں، اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہاں روایت کے بارے میں انکار تابعیت لگ بحث ہے، لیکن صحابیت اور تابعیت کے ثبوت کے لیے صرف روایت کافی ہے نہ کہ روایت۔
ہم نے احسن الکلام میں بھی اس پر باحوالہ بحث کی ہے۔

حضرت ملا علی نقادی المحنفی (المتوفی ۱۱۴۲ھ) کہتے ہیں کہ جمہور علماء اہل حدیث اس کے قائل ہیں کہ صرف صحابی کی ملاقات سے آدمی تابعی ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے طول صحبت اور نقل روایت شرط نہیں ہے۔ (ذیل الجواہر جلد ۲ ص ۵۳۳)

مشہور مؤرخ محمد بن اسحاق بن ندیم فرماتے ہیں کہ:-
ابو حنيفة من التابعين لقي عدة من الصحابة
وكان من الورعين المذاهدين اهـ
(فہرست ابن ندیم ص ۲۹۸)
امام ابو حنیفہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے
کئی صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور وہ متوہدین
اور تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علم و فضل، تقویٰ اور ورع وغیرہ صفات حمیدہ پر متعدد حوالے اور اقتباسات آئندہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ الشار اللہ العزیز آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان تمام پیش کردہ حوالوں سے یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فتاہیت اور علمی برتری اور فوقیت کے گیت صرف احناف کرام ہی نہیں لگاتے بلکہ ممالک و شوافع، حنابلہ وغیرہ محدثین و فقہاء، عرفاء و صوفیاء وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) ہر مسلک اور ہر طبقہ کے حضرات ان کی تعریف میں طبع انسان میں یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اُمت کی اکثریت نے جس طرح حضرت امام عظیم ابو حنیفہؒ کے علم و دیانت پر اعتماد کر کے ان کی خوشہ چینی کی ہے وہ حضرات صحابہ کرامؓ اور کبار تابعینؓ کے بعد اور کسی کو خطیب نہیں ہو سکا اور علم و عرفان اور حدیث و فقہ کی ہزاروں شمعوں کے ہوتے ہوئے جس طرح آتش علم بجھانے کے لیے پروانے ان کے گرد جمع ہوئے ہیں وہ اور کسی پر جمع نہیں ہوئے کیا خوب کہا گیا ہے کہ:-

سیریزم فلک شب بھر ہزاروں شمعیں جلتی ہیں
مگر اس محفلِ گردوں میں پروانے نہیں دیکھے

بشارت ۱-

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مناقب و فضائل کے سلسلہ میں بعض غلط کار اور نادان دوستوں نے کچھ جعلی حدیثیں بھی گھڑی اور سیس کی ہیں مگر امام موصوفؒ کے مزایا اور کمالات ثابت کرنے کے لیے ہمیں تنکوں کے اس پل کی ہرگز حاجت نہیں ہے اور نہ موصوفؒ کی فضیلت و منقبت اس کی محتاج اور مفتقر ہے کیوں کہ عیاں را چہ بیاں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے سر پر دست مبارک رکھ کر پھر یہ ارشاد فرمایا کہ:-

لو كان الايمان عند الثريالساله رجال اور جبل من هؤلاء (بخاری جلد ۲ ص ۲۷۷)
واللفظ له (مسلم ج ۲ ص ۲۱۲)
اگر ایمان ثریا کے پاس بھی پہنچ جائے تو کئی مرد
یا ایک مرد ان فارسی نسل کے لوگوں میں سے اس
کو فروہ پاسے گا۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:-
لو كان الدين عند الثريا لذهب به رجل من فارس او قال من ابناء فارس
حتی یتناوله:-
اگر دین ثریا کے پاس بھی ہو تو لا محالہ فارسی نسل
کا ایک آدمی اس کو حاصل کر لے گا۔

(مسلم ج ۲ ص ۲۱۲)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فارسی الاصل ہونا تاریخی طور پر ایک کھلی حقیقت ہے اور یہ صحیح حدیث جس طرح اور متعدد فارسی نسل کے علماء ربانی اور خادمان دین کی فضیلت ثابت کرتی ہے (کیونکہ رجال من هؤلاء بصیغۃ جمع آیا ہے) اسی طرح اس کا ایک مصداق یا بانفاذ دیگر اولین مصداق حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں چنانچہ امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ والمتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ:-

اقول قد بشر حلیہ اللہ علیہ والہ وسلم
بالامام ابی حنیفۃ فی الحدیث الذی
اخرجه ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی ہریرۃ
میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
اس حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کی بشارت دی ہے
جس کو ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابوہریرہؓ

قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس - واخرج الشيرازي في القاب عن قيس ابن سعد بن عبادۃ قال قال رسول الله عليه وسلم لو كان العلم معلقا بالثريا لتناوله قوم من ابناء فارس وحديث ابی هريرة اصله في صحيح البخاري ومسلم (تبيين الصيغۃ ص ۵۲)

سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا میں بھی ہو تو لاہی ہے کہ ابناء فارس اس کو حاصل کریں گے اور شیرازی نے القاب میں قیس بن سعد بن عبادۃ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علم ثریا میں بھی لٹکا ہوا ہو تو ابناء فارس ایک قوم اس کو ضرور حاصل کریں گی اور حضرت ابوہریرہ کی اصل حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔

موارد الظمان اور مسند احمد کی روایت یوں آتی ہے کہ :-

لو كان العلم بالثريا لتناوله ناس من ابناء فارس (مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۲ و موارد الظمان ص ۵۴)

اگر علم ثریا میں بھی ہو تو ضرور اس کو ابناء فارس میں سے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔

راقم کہتا ہے کہ اگر لفظ علم نہ بھی ہو یا یوں کہہ لیجئے کہ اس کا ثبوت بھی نہ ہو تو بھی لفظ ایمان اور دین جو بخاری اور مسلم کی روایت میں موجود ہے کیا کم ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

الدين النصيحة قلنا لمن قال لله وكتابه ورسوله ولائمة الدين وعامته (بخاری ج ۳ ص ۵۲۲)

دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے کہا کس کی خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول اور ائمۃ المسلمین اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی ہے۔

(اور البوداؤد ج ۲ ص ۳۲ میں ان المدين النصيحة تین مرتبہ آیا ہے)

الغرض دین کا لفظ اتنا اور ایسا جامع و مانع لفظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ہستی کتاب اللہ، ائمۃ المسلمین اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ پیش آنا ہی دین ہے، جس کو یہ دولت نصیب ہو گئی اس کو اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اور یہ خوبی کتاب اللہ اور ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کیسے حاصل ہو سکتی

ہیں؟ اس کے بغیر علم اور کیا شے ہے؟ حضرت امام نووی الشافعیؒ اس کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ:-

وقد يتناول (وفي نسخة يتناول) ذالك
على الائمة الذين هم علماء الدين وان
من نصيحتهم قبول ما رويوه وتقليد
في الاحكام واحسان الظن بهم انه
(شرح مسلم جلد ۱ ص ۵۵)

اور کبھی اس کا مصداق وہ ائمہ دین ہوتے ہیں جو دین کے
جائزے والے ہیں اور ان کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو
کچھ سنوں نے روایت کیا ہو اس کو قبول کیا جائے
اور احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے ساتھ
خیر ظنی کی جائے۔

جو حضرات امام نووی کو غیر معتقد ثابت کرتے ہیں وہ اس حوالہ کو پیش نظر رکھیں، مزید بحث
طاہرہ منصورہ اور الکلام المفید میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن حجر مکی الشافعیؒ ایک مستقل عنوان قائم کر کے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بشارت کی حدیث امام بخاریؒ، مسلمؒ،
ابو نعیم شیرازیؒ اور طبرانیؒ وغیرہ کے حوالے سے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ:

قال الحافظ المحقق الجلال السيوطي هذا
اصل صحيح يعتمد عليه في البشارة بابي حنيفة
وفي الفضيلة السامة الى ان قال ، قال بعض
تلامذة الجلال وملجزم به شيعنا من ان
الامام ابا حنيفة هو المسمي من هذه الحديث
ظاهرا شك فيه اه

حافظ محقق جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ
کی بشارت اور فضیلت تادمہ کے لیے یہ ایک صحیح اور
قابل اعتماد اصل ہے (پھر فرمایا کہ) جلال الدینؒ کے بعض
شاگرد فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد اور شیخ نے
جزم کے ساتھ جو یہ فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ ہی اس حدیث
سے مراد ہیں یہ بالکل واضح اور ظاہر بات ہے۔

(الغیرات الحسان ص ۱۰۷)

اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

فیض الباریؒ میں ہے لم یکن مقلداً لآلئہ لم یکن متعبداً۔ ارہ او پیرو بدیع الدین شافعیؒ صاحب
ہیں، نیز سندھ میں کئی اکابر علما گزشتہ ہیں جو کہ تقلید سے بیزار تھے مثلاً شیخ معین الدین ٹٹھوی مصنف دراسات
اللبیب اھ۔ تنقید سدیدہ مشک۔

اور عذر محمد معین السندی (المتوفی ۱۱۶۱ھ) باوجود شیعہ اور قیاس و تقلید کے منکر ہونے کے
فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں متصہبیں کی کوئی جرح قابل قبول نہیں ہے کیونکہ:-
وعظیم منقبہ الذی نال بہا العلم فی
وہ تو اس عظیم منقبت کے مالک ہیں جس سے انہوں

الثریا علی ما یشیر الیہ قولہ صلی اللہ علیہ
 نے شریعت سے علم حاصل کیا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ
 وسلم لو کان العلم فی الثریا لنالہ جلال علیہ وآلہ وسلم کا قول اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر
 من فارس ۱۔ علم شریعت میں بھی ہو تو اس کو ضرور فارسی نسل کے کچھ لوگ
 (دراسات البیوت ۲۸۹ طبع لاہور) حاصل کر لیں گے۔

حضرت شاہ احمد بن عبد الرحیم ولی اللہ دہلوی الحنفیؒ والمتولیؒ اپنے ایک مکتوب
 میں لکھتے ہیں کہ :-

”درود سے در حدیث لو کان الایمان عند الثریا لنالہ رجال اودجل من هؤلاء یعنی اہل
 فارس وفی رداۃ لنالہ رجال من هؤلاء بلا شک مذکورہ کریم فقیر گفت امام ابو حنیفہؒ دریں حکم
 داخل است کہ نہ اے تعالیٰ علم فقہ را بدست دے شائع ساخت و جمع از اہل اسلام را باں فقہ مہذب
 گردانیدہ خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است و بس و در جمع بلدان جمع اقاہم ہادشان
 حنفی اند و قضاۃ و اکثر مدرسان و اکثر عوام حنفی“ (کلمات طلیبات یعنی مجموعۃ مکاتیب
 حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ص ۶۸ طبع مجتبائی دہلی)

نیز حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

”بلکہ امام ابو حنیفہؒ و یاران ماوراء النہر و خراسان و نیز از اہل فارس اند و در میان این بشارت
 داخل“ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۷ طبع صدیقی دہلی)

اور ثواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

”صواب آنست کہ ہم امام (ابو حنیفہؒ) وراں داخل است و ہم جملہ محدثین فارس باشند و انھن
 (اتحاف النبیین ص ۵۲)

ان صاف اور صریح حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ لو کان
 الدین عند الثریا وغیرہ کے الفاظ سے جو حدیث آئی ہے اس کا اولین مصداق ہیں
 اور یہ دروازہ کسی اور کے لیے بھی بند نہیں ہے، اور حضرت امام بخاریؒ وغیرہ دیگر خادمانِ نبیؐ
 اور علماء ربانی بھی اس میں شامل ہیں جنہوں نے روایت و درایت، لفظ و معنی کی امانت
 کو سینوں اور سفینوں میں محفوظ کر کے امت مرحومہ تک پہنچانے کی سعی کی اور جو بزبانِ حال یوں کہتے ہیں کہ :-

اٹھاتے کیا زمین و آسمان بار امانت کو !
ہمیں دونوں جہاں میں حامل بارِ گراں نکلے

دیانت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خوبیاں اور کمالات انسان کو حاصل ہیں، ان میں ایک عمدہ خوبی اور
فصلت دیانت بھی ہے، اور دیانت دائرہ آدمی کو جس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے
وہ مخفی نہیں ہے، یہ خوبی بھی خالق کائنات نے حضرت ابو حنیفہؒ کو علی وجہ الائمہ مرحمت فرمائی تھی۔
کتب تاریخ اور مناقب میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ ہم صرف اپنے دعوئے کی تزیین کے لیے
چند مثالیں عرض کرتے ہیں:-

امام دینؒ بن الجراح فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں ایک عورت
ریشمی کپڑا لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یہ کپڑا آپ فروخت کر دیں۔ امام صاحبؒ نے سوال کیا،
کہتے ہیں؟ وہ کہنے لگی، سو میں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی قیمت سو سے زیادہ ہے۔ پھر فرمایا
کہ کہتے ہیں یہ کپڑا چلا جائے؟ اُس نے ایک سو روپیہ اور زیادہ کیا حتیٰ کہ چار سو تک اُس نے قیمت
بتائی۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اُس کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ وہ کہنے لگی، آپ مجھ
سے استنزا نہ کریں کام کریں۔ فرمایا کہ سچ مچ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اس
کپڑے کی صحیح قیمت پانچ سو پڑی اور وہ اتنے میں بیکا۔ (مناقب موفی ج ۱ ص ۱۲۲) اگر ہزار زمانہ
یا ہمارے دور کا کوئی بڑے سے بڑا صاحب علم و فضل تاجر بھی ہوتا تو غلبت کہ جب اُس
عورت نے سو کہا تھا تو اس کو اتنی یا تو سے پر ثرنا دیا جاتا مگر امام موصوفؒ کی دیانت اس خود غرضی
اور حیلہ سازی سے بالکل بے نیاز تھی۔

مسٹر بن عبد الملک کا بیان ہے کہ ایک شخص کپڑا لایا اور امام صاحبؒ کے ہاتھ فروخت
کرنا چاہا۔ آپ نے پوچھا۔ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ بولا، ایک ہزار، امام صاحبؒ نے فرمایا
کہ اس کی قیمت اس سے بدرجہا زیادہ ہے، حتیٰ کہ آٹھ ہزار درہم پر ان کا معاملہ طے ہوا۔

(ایضاً ص ۲۱۹)

ایک دفعہ حضرت امام صاحبؒ کے ایک شاگرد نے ان کی غیر حاضری میں مدینہ طیبہ کے

ایک باشندہ پر چار سو پے کی قیمت کا گرم کپڑا دھوکے سے ایک ہزار درہم پر فروخت کر دیا جب حضرت امام صاحب کو اس کا علم ہوا تو شاگرد کو سخت تنبیہ کی اور اس کو دوکان کے سلسلہ سے الگ کر دیا اور اس خریدار کا حلیہ پوچھ کر اس کے پیچھے ہو لیے، جب اس سے مدینہ طیبہ میں جا بیٹے تو کافی اصرار و تکرار کے بعد :-

فرقة عليه السائمة وتترك عليه الثوب
جمع إلى الصوفة (مناقب مرفق ج ۱ ص ۱۹۸)
چھ سو درہم آئے واپس کر دیے اور کپڑا اس کے پاس چھوڑ کر پھر کو فہ لوٹ آئے۔

اس سے زیادہ دیانت و خدا پرستی اور خشیاست الہی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟
ایک دفعہ ان کے غلام نے ان کے مال میں تجارت کی اور تیس ہزار روپیہ نفع کمایا مگر اسیں امام موصوف کے خیال میں غرابی تھی :-

فقدى ذلك مغلًا وهو ثلثون الف
درهم على الفقراء (الفتح ج ۱ ص ۲۰۳)
یہ تیس ہزار درہم انہوں نے سب کے سب فقراء پر تقسیم کر دیے۔

امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ لوٹ مار کی کچھ بچریاں ایک دفعہ کو فہ آگئیں اور کو فہ والوں کی بچریوں سے ان کا اختلاط ہو گیا۔ امام صاحب نے دریافت کیا کہ :-
کہ تعیش الشاة قالوا سبع سنين فترك
اكل لحم الغنم سبع سنين۔
بکری زیادہ سے زیادہ کشا مرصہ زندہ رہتی ہے؟
لوگوں نے کہا سات سال چنانچہ امام صاحب نے
سات سال تک بکری کا گوشت ترک کر دیا۔

(مناقب مرفق ج ۱ ص ۲۰۵)
امام ابن حجر مکی الشافعی فرماتے ہیں کہ صرف ایک بکری اس سے بکریوں میں مل جاتی تھی اور پھر یہ واقعہ نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ :-

تو دعائے احتمال ان تبغى تلك الشاة الحرام
فیصادف اكل شیئ منها فیظلم قلبه
او (الخیرات الحسان ص ۱)
امام موصوف نے محض صرع کی بنا پر ایسا کیا کیونکہ احتمال تھا کہ وہی حرام بکری اس مدت تک جاتی رہ جاتی اور اس کو کھانے کی وجہ سے ان کے دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی۔

غیر فرماتے اس توسع و اتقاد اور نہ ہر دیانت پر کہ انہوں نے محض اس شبہ کی بنا پر سات

سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا کہ کہیں اُسی حرام بکری کا گوشت ہی اس طرح نہ کھا جائیں حالانکہ
 سینکڑوں جانور اور حلال بکریاں بھی روزانہ کوفہ میں ذبح ہوتی تھیں اور ایسے موقع پر بکری کے گوشت کے
 کھانے میں شرعاً کوئی قباحت بھی نہ تھی، مگر امام موصوف کی نظر صرف فتویٰ ہی پر نہ تھی، تقویٰ پر بھی تھی،
 اور ان کو ان کا وسیع و تقویٰ اس پر مجبور کرتا تھا پھر یہ کیسے بار کر لیا جائے کہ جو پارسائی کے اس بلند
 مقام پر فائز ہو، وہ قصد و ارادۂ خدا تعالیٰ کے دین اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت
 کو بدل ڈالتا ہوگا اور حرأت و بے باکی کے ساتھ بے دھڑک فتوے صادر کرتا ہوگا اور دین اسلام
 کی ایک ایک کڑی اور کڑی کے ایک ایک حلقہ اور گھنڈی کو توڑنا ہوگا؟ کوئی بھی منصف مزاج اور
 دیانتدار انسان تاریخی حقائق کی روشنی میں اس پر یقین نہیں کر سکتا اور نہ اس کے اذعان پر اپنے کو آمادہ
 کر سکتا ہے۔

وہ ذات کہ ہے عالم تعبیر سے اونچی
 اس کے لیے آئین بہار اور خندان اور

امانت

امانت کی عمدہ نمائندگی اور صفت سے بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو واسطہ
 حصہ عطا فرمایا تھا، چنانچہ سفیان بن وکیع فرماتے ہیں کہ:-
 کان ابوحنیفۃ عظیم الامانة - ابوحنیفہؒ بہت بڑے امانت دار تھے۔

(مناقب مرقیہ ج ۱ ص ۲۲)

ایک دفعہ ایک قبیلے نے ایک لاکھ اور تیس ہزار روپیہ بمنہ امانت امام موصوفؒ کے پاس رکھا
 تھا (ایضاً ج ۱ ص ۲۲) جب امام صاحبؒ کی شہادت ہوئی تو آپ کے حالات لکھنے والوں نے لکھا
 ہے کہ:-

مات ابوحنیفۃ وفی بیتہ لثاس
 ودائع خمسین الف الف
 جس وقت امام صاحبؒ کی وفات ہوئی تو ان کے
 گھر میں لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں۔

(مناقب مرقیہ ج ۱ ص ۲۲)

حافظ محمد بن ابراہیم الزبیری (المتوفی ۸۳۷ھ) کہتے ہیں کہ:-

انه ثبت بالتواتر فضله وعدالته وتقواه
وامانتہ ام (الدفع الیاسمہ ام ۱۵۸ طبع مصر)
امام ابو حنیفہؒ کی فضیلت، عدالت، تقویٰ اور
امانت تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

اندازہ کیجئے کہ جو بزرگ ہستی لوگوں کی امانتوں میں امین اور محتاط ہو وہ خدا تعالیٰ کے آخری
دین اور اسلام جیسی امانتِ عظمیٰ کے ساتھ کس طرح خیانت روا رکھ سکتی ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ جس
طرح انہوں نے لوگوں کی ان فانی اور دنیوی امانتوں کو محفوظ رکھا ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر انہوں نے
خدائی امانت اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی اور بتائی ہوئی شریعت کی امانت کو پوری
طاقت اور وسعت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے اور دین اسلام کے اس صحیح عشق میں انہوں نے
انتہائی مصائب کا سامنا کیا ہے کیونکہ۔

نیاز عشق میں ذوق خودی ہوتا ہے جب پیدا
تو پھر فرقِ جبین و استمال باقی نہیں رہتا!

استقامت

ظالم سے ظالم اور جابر سے جابر بادشاہ کے سامنے حق کی بات کہہ دینا تو کوئی مشکل بات نہیں
ہوتی، ہاں مگر اس حق بات پر ڈٹ جانا اور عزم و دلیری سے ہر قسم کی تکلیف و مصیبت کو خندہ
پیشانی سے برداشت کرنا حتیٰ کہ اپنی جان عزیز سے بھی ہاتھ دھو ڈالنا یہ بڑی ہی مشکل بات ہوتی
ہے، اور یہ خوبی صرف اُن اولوالعزم انسانوں کو نصیب ہوتی ہے جو صحیح معنوں میں لغو اسے
حدیث الامثل فالامثل کا مصداق ہوتے ہیں۔ ان بلند شخصیتوں میں ایک حضرت امام
ابو حنیفہؒ کی شخصیت بھی ہے، جن کو بنی اُمیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد الحجاج (المتوفی ۱۳۲ھ)
کے عہدِ حکومت میں عراق کے جابر گورنر یزید بن عمر بن حبیرہ نے سیاسی طور پر اپنے اقتدار کو زیادہ سے
زیادہ مستحکم بنانے اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے عہدہ قضا پریش کرنا ضروری سمجھا مگر امام موصوفہ
نے حکومتِ وقت کے ظلم و جور اور بے اعتدالیوں و بے عنایتیوں کے پیش نظر اس عہدہ کے
قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ عبید اللہ بن عمرو الرقیؒ (جو ایک ثقہ راوی ہیں۔

سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۶۶) کا بیان ہے کہ۔

حکم ابن عبیدہ اباحنیفۃ ان یلیٰ له قضاء ابن حبیرہ نے امام ابو حنیفہؒ سے کوئٹہ کی قضا کے بارے

الكوفة قال عليه فضربه مائة سوط و
عشرة اسواط في كل يوم عشرة اسواط
وهو على الامتناع اهـ

(تاریخ بعد اوج ۱۳ ص ۳۳۶)

میں گفتگو کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا، چنانچہ
ابن ہبیرہ نے امام ابو حنیفہؒ کے لیے ایک سو
دس کوڑے سزا تجویز کی کہ روزانہ دس کوڑے سزا دی جائے
بایں ہند امام موصوفؒ نے یہ بات تسلیم نہ کی۔

لنظیر ظاہر پہلے صرف کوفہ کی قضا پیش کی گئی مگر بعد کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا
عہدہ پیش کیا گیا، اور تاریخ بتلاتی ہے کہ بعض دفعہ قاضی القضاۃ وزیر خزانہ اور وزیر مالیت
کے عہدے ایک ہی شخصیت کے سپرد کر دیے جاتے تھے۔ چنانچہ امام حسنہ الاممہؒ
کہتے ہیں کہ ۱۔

حبس اباحیفة فی النجین ایا ما یطلب
منه ان یکون قاضی القضاۃ فامتنع اهـ
(مناقب موفی ج ۲ ص ۱۴۱)

اور یہ پیش کش بھی کی گئی کہ ۱۔

امام ابو حنیفہؒ کو کسی دن قید کر کے ان سے یہ مطالبہ
کیا گیا کہ ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا جائے مگر
وہ اس سے بالکل منکر ہو گئے۔

ان یتولی القضاۃ یمخرج القضاۃ من تحت
یہ الی جمیع کور الاسلام اهـ رابضاً
جلد ۲ ص ۱۴۱

وہ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کریں اور تمام
قاضی ان کے حکم سے تمام اسلامی شہروں میں مقرر
کیے جائیں۔

اور نہ صرف قاضی القضاۃ کا عہدہ ہی پیش کیا گیا بلکہ بیت المال بھی ان کے سپرد کرنے
کی پیش کش کی گئی، چنانچہ لکھا ہے کہ ۱۔

یکون علی خاتمہ ولا ینفذ کتاب ولا یمخرج
شیئ من بیت المال الا من تحت یدہ
(معجم ج ۲ ص ۱۴۱)

کہ ذمہ داری کی صراحت کے سپرد کی جائے گی اور کوئی
دستاویز اور بیت المال سے کوئی مال نہیں برآمد
کیا جائے گا مگر ان ہی کے حکم اور ہاتھ سے۔

اور صدر الامر کہتے ہیں کہ ۱۔

بادشاہ نے ان کو اختیار دیا کہ یا تو ان کی پشت اور
پیٹ پر سزا کے کوڑے برسیں اور یا وہ وزیر خزانہ

ونحیہ السلطان علی ان یوجع ظہرہ و
بطنہ او یجعل مفاتیح خزائن الاموال بیدہ

فلتأخذ عذابهم على عذاب النخرة ۱
(منافق مرفق ج ۲ ص ۱۴)

کا عمدہ منہج مال لیں، امام موصوفؒ نے آخرت کی سزا
پران کی سزا کو ترجیح دی اور یہ عمدہ قبول نہ کیا۔
حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ریح کا بیان سب سے کہ مجھے بنو امیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد کے
عراقی گورنر یزید بن عمر بن ابی سہبہ نے بھیجا تھا کہ میں امام ابو حنیفہؒ کو اس کی خدمت میں
حاضر کروں۔

فأرادہ علی بیت المال فابی ففسدہ
(اسواط ۱۵) (الخيرات الحسان ص ۵۸)

علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی الشافعی (المتوفی بعد ۷۲۸ھ) کہتے ہیں کہ:-
بادشاہ نے امام ابو حنیفہؒ کو خزانہ کی چابیاں سپرد
کرنے کی اور بصورت انکار سزا دینے کی دھمکی دی
مگر انہوں نے اس کی سزا کو اللہ تعالیٰ کی سزا
مذابہم علی عذاب اللہ تعالیٰ۔

پر ترجیح دی۔

(اعمال ص ۶۲۴)

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیے کہ اسلامی مملکت میں قاضی القضاۃ اور بیت المال کا عہدہ
کتنی بڑی چیز تھی جس منصب کے لیے لوگ زمین کی خاک چھانتے اور خون و پسینہ
ایک کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتے اور ایسے ذریعہ مواقع کی تلاش و جستجو میں لوگ
سرگرداں رہتے ہیں مگر امام موصوفؒ نے اس عہدہ کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا
اور غور کیجئے کہ اگر موصوفؒ اپنے مذہب و مسلک کو بکھر بھیلانے کی سعی اور کادس کہتے
جیسے کہ متعصب لوگوں کا خیال ہے تو کیوں وہ قاضی القضاۃ نہ بن جاتے اور اپنے شاگردوں اور
متوسلین کو قاضی بنانا کہ اطراف مملکت میں بھیجتے جاتے مگر وہ ان تمام مفروض عیوب سے پاک تھے
اس لیے اس عہدہ کو ہرگز قبول نہیں کیا۔ امام صاحبؒ کو ان کی والدہ نے بھی یہ کہا کہ بیٹے یہ عہدہ
قبول کر لو انہوں نے نہ فرمایا کہ اماں جان جس بات کو میں جانتا ہوں آپ نہیں
جانتی ہیں۔ (صفوة الصفوة ج ۲ ص ۶۳ لابن الجوزیؒ) اور ان کے ہمہ راہ خیر خواہان
نے بھی اس سے آگاہ کر دیا تھا کہ:-

فعلت ان لم يقبل ضربہ علی ثلثہ عشرین سوطاً الا
ابن ہبیرو نے یہ قسم اٹھائی ہے کہ اگر یہ عہد انہوں
نے قبول نہ کیا، تو ان کے سر پر بیس کڑے لگائے

ر مناقب علی بن القادی ج ۲ ص ۵۰۵ جابیں گے۔

مگر اس عزم و استقلال کے ہمالیہ نے ان ناہمین کے ان مشوروں اور ہمد دیوں کی مطلقاً کوئی پروا نہ کی اور قید و بند کی تمام مصیبتوں اور صعوبتوں کے برداشت کرنے کے لیے گویا یہ فرماتے ہوئے میدانِ عمل میں نکل آئے کہ

مصیبت آشنا ہوں میں ازلی سے اے چمن والو
مجھے آرام آیا بھی تو زیرِ دام آتے کا!

اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ :-

فکنت وهو یزید منی ان یکتب بضرب عنق رجل وانتم علی ذالک ، فواللہ لا ادخل فی ذالک ابداً۔
میں کیسے اس عہد کو قبول کروں جبکہ وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس حکم پر مہرِ تصدیق ثبت کروں گا؟ بخدا میں ہرگز اس عہد کو قبول نہ کروں گا۔

ر مناقب صدرا لشمہ ج ۲ ص ۱۲۴

ابن ہبیرو نے جب یہ سنا تو غیض و غضب میں اس کا سیما پ حرارت اپنے آخری درجہ پر پہنچ گیا اور ابنِ صیاد کی طرح غصے سے بھرپور ہو کر کہنے لگا کہ بخدا میں اپنے ارادہ کو بجا نہ عمل پنا کر رہوں گا۔ اور ابو حنیفہؒ کو سخت سزا دوں گا لیکن وہ جو نظریہ قائم کر چکے تھے ایک لہجہ اس سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اور صاف اغفلوں میں یہ کہہ دیا کہ :-

ضربہ لی فی الذنیا اسهل علی من مضاع الحدید فی الاخرة واللہ لا فعلت ولو قتلنی۔ ر مناقب موفق جلد ۲ ص ۲۲ و

ابن ہبیرو کی دنیوی سزا مجھ پر آخرت کے ہتھکڑوں اور گروں کی مار سے بہت آسان ہے، بخدا میں یہ عہد ہرگز نہیں قبول کروں گا اگرچہ وہ مجھے قتل ہی کر ڈالے۔

مناقب سکوری ج ۲ ص ۱۲۱

اس کے بعد قاضی ابن ابی سیال، ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند وغیرہ کا ایک وفد حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ملا اور سب نے حکومت کے عزائم اور ارادوں سے ان کو آگاہ کیا اور

حالات کی انتہائی نزاکت کا تجربہ کیا اور سب نے یک زبان ہو کر مخلصانہ اور ناصحانہ انداز میں یہ کہا کہ :-

لما نشد الله ان تهلك نفسك
فانا اخوانك وعلناكاره لهذا الامر
ولم نجد بدا من ذلك فقال ابو حنيفة
لو ارادني ان اعد له ابواب مسجد واسط
لم ادخل في ذلك امر من اقب موفق
جلد ۲ ص ۵۸ واللفظ له والخيرات الحسان
ومن اقب كورى جلد ۲ ص ۶۱

ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ کر سکتے ہیں کہ
اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں ہم سب آپ کے
بھائی اور ہم خیال ہیں اور سب اس شخص عمدہ کو
پسند نہیں کرتے مگر کیا کریں مجبور ہیں امام موصوف
نے فرمایا کہ ابن ہبیر اگر مجھے واسطہ کی مسجد
کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں اس پر بھی
آمادہ نہیں ہوں۔

کتنی بڑی جرأت اور ہمت ہے کہ ظالم سے کئی طور پر بائیکاٹ کر کے اس کے ساتھ
کسی مرحلہ پر بھی شریک ہونا گوارا نہیں کرتے۔ ہر قسم کے طغیان و تعدی اور ظلم و جور کے بے پناہ فکروں
کے مقابلہ میں ٹوٹ کر خود داری، بلند ہمتی اور استقلال کا ثبوت دیتے ہوئے گویا
یہ فرماتے ہیں کہ :-

جنا کی تیغ سے گردن و فاشیروں کی
کٹی ہے برہر میدان مگر بھکی تو نہیں!

اور سزا بھی کس طرح دی جاتی تھی، اندرون جیل نہیں اور نہ کسی مخفی مقام میں بلکہ تصریح
موجود ہے کہ :-

كان يخرج كل يوم فينادي عليهم
حتى يجتمع الناس فيضرب عشرة اسواط
ثلاثين به حتى ضرب مائة وعشرين
بوطاقي اثني عشر يوما فيضرب كل
يوم عشرة اسواط ويضرب به في الاسواق

ہر روز ان کو باہر نکالا جاتا اور منادی کرائی جاتی جب
لوگ جمع ہو جاتے تو ان کے سامنے ان کو روزانہ دس
کوڑے سزا دی جاتی، پھر ان کو گھمایا جاتا، اسی طرح
بارہ دن سزا دی جاتی رہی، اور ایک سو بیس کوڑے
پوسے کئے گئے، اور بازاروں میں ان کو پھرایا جاتا رہا۔

انصاف سے فرمائیے کہ ایک معمر اور بڑے شخص پر یہ مظالم کیا کم ہیں؟ اور اس سے بڑھ کر
تذلیل و تحقیر اور کیا ہو سکتی ہے؟ مگر اس ہمت کے پہاڑ نے نہایت صبر آئے ماطریقہ پر ایک ایک
کوڑا اپنے گھزور اور نازک جسم اور ضعیف و ناتواں سر پر برداشت کیا اور اس ظلم و جور کے ناپید اکنار
ودیا کی موجوں اور موجوں کے ظالم شیر تھپڑوں سے ٹکریلتے ہوئے اور پیکتے ہوئے منزل مقصود کی طرف
قدم بڑھاتا رہا کہ :-

پہاڑی گولن سی منزل نہ ساحل سبے نہ دیابے

شاور بحر غم کا اب کہاں ڈوبے کہاں نکلے

ناظرین کو لازم یہ سمجھتے ہوں گے کہ شاید بزم امت کے دور ہی میں امام موصوف کے مصائب
کے دن کٹ گئے، جبر و استبداد کے طوفان ہٹ گئے اور سزا و تعذیب کے سیاہ اور گھٹ گھو
بادل چھٹ گئے مگر یقین کیجئے کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ جب اموی دور ختم ہوا اور عباسی دور کا آغاز ہوا اور
عباسی خلیفہ سفاح (المتوفی ۱۳۶ھ) کے بعد ابو جعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کا عہد شروع ہوا تو اس
کو بھی اپنی حکومت و سلطنت کے استحکام اور عوام و خواص کو اپنی طرف مائل کرنے کی
غرض سے امام ابو حنیفہؒ کی علمی اور عملی شہرت کو اپنے لیے آلہ کار بنانے کی ضرورت
پیش آئی۔ اُس نے بھی امام صاحبؒ کو عہدہ قضاہ پیش کرنا ضروری سمجھا چنانچہ خطیب بغدادیؒ
لکھتے ہیں کہ :-

دعا ابو جعفر ابی حنیفۃ الی القضاہ
قابلی علیہ فہنہ (بغدادی ج ۱ ص ۲۲۸)

ابو جعفر نے امام ابو حنیفہؒ کو عہدہ قضاہ قبول کرنے
کی دعوت دی مگر وہ نہ مائلے تو اُس نے اُن کو
قید کر دیا۔

اور یہ قضاہ بھی معمولی قضا نہیں بلکہ قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا :-

ان یسکون قضاۃ بلاد الاسلام من
تحت امرہ فامتنع اہ (الخصایا الحسن)

کہ تمام بلاد اسلام کے قاضی ان کے ماتحت ہوں
مگر وہ صاف انکار کر گئے۔

کاش کہ ابو جعفر منصور جو خلفاء عباسیہ میں بڑا عالم اور علم دوست یاد کیا جاتا ہے امام مظلوم
کو قید کرنے پر ہی اکتفا کر لیتا تو پھر بھی ایک مدہوتی لیکن اس کی آتش غضب اس پر کب

ٹھنڈی ہو سکتی تھی؟ چنانچہ اُس نے امام موصوف کے لیے کٹڑوں کی سزا تجویز کی۔
 ملا علی القاری لکھتے ہیں کہ ۱۔

ان المنصور لما عرض عليه القضاة و
 امتنع منه ثلاثين سوطاً حتى
 سال الدم على عقبه ۱۵
 ردیل الجواهر ج ۲ ص ۳۹۲

منصور نے جب امام موصوف پر عہدہ قضاہ پیش
 کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس نے تیس کوٹے سزا
 ان کو دی یہاں تک کہ خون ان کے بدن سے
 نکل کر ان کی اڑیوں پر بہا رہا۔

مگر یہ یاد رہے کہ امام موصوف کو ننگا کر کے یہ سزا دی گئی تھی، چنانچہ امام موفق الدین چمکتے ہیں
 کہ ۱۔

لما ضرب المنصور ابا حنیفة رحمه الله
 ثلاثين سوطاً على القضاة بعد ملجئهم من
 ثيابهم لسال الدم على عقبه ۱۵
 مناقب صدر الاسلام ج ۱ ص ۲۱۵

کہ ابو جعفر منصور نے امام موصوف کے عہدہ قضاہ سے
 انکار کرنے پر ان کو کپڑوں سے بالکل ننگا کر کے تیس
 کوٹے سزا دی اور خون ان کی اڑیوں پر بہا رہا۔

غور فرمائیے کہ آخر امام موصوف نے کیا جرم کیا تھا کہ یہ ظالمانہ سزا ان کو دی گئی؟ صرف یہی جرم
 تھا کہ وہ ظالم کے ساتھ ظلم میں تعاون و اشتراک نہیں کرنا چاہتے تھے اور اس سے بڑھ کر
 تقویٰ اور ورع اور خدا خونی اور رومانیت کی کوئی مثال امت مسلمہ میں بغیر عدائے چند افراد کے اور
 کہیں ملتی ہے؟ دیکھئے کہ حکومتیں بدل گئیں، حکام اور شخصیتیں بدل گئیں، زمانہ بدل گیا، اگر نہ بدلا
 تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کا عزم و استقلال نہ بدلا اور خدا خونی اور استقامت نہ بدلی، پچھلے
 میں کٹڑوں سے اپنے ناتواں بدن کو زخمی کر دیا، برسبر عام سزا برداشت کی، مصائب آلام
 کے تھپیڑے جھیلے مگر ظالموں اور بے دردوں کے سامنے آہ بھی نہ کی، اگرچہ دل میں
 یہ کہتے رہے کہ ۱۵۔

جو ہو بے درد اُس کو درد کا احساس ہو کیوں کہ
 شکر کی بلا جانے، ستم سے ہم پر کیا گنہ ری
 حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) کو بیکار و بے وقت نے معتزلہ کی ریشہ دوانی

مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور دفن کرنے کے بعد بھی سیشن دن تک لوگوں نے اُن کی نماز جنازہ پڑھی۔ (مسيرة النعمان ص ۲۳ مولانا شبلی)

یہ ہے دنیا اور دنیا والوں کی داستان کہ امام مظلومؑ کو محض اس لیے شہید کر دیا گیا کہ وہ ان کے ساتھ بے انصافی اور حرام خوری میں ہم پیالہ دہم نوالہ نہیں ہونا چاہتے تھے مجموعی طور پر پڑھ کر کڑا بھی اپنے سر اور باقی اعضاء پر گوارا کیا ہے، قید و بند کی پادنجیر زندگی بھی بدامنت کی سنگے بدن پر آزیانے بھی کھائے، بازاروں اور شاہراہوں میں آپ کو گھمایا بھی گیا، آپ کی تذلیل و تحقیر کی خاصی تشہیر بھی کی گئی۔ جیل خانہ میں آپ کے لیے عرصہ حیات بھی تنگ کیا گیا، کھانے اور پینے وغیرہ میں بھی انتہائی سختی کی گئی اور بالآخر دہر دست زہرے کہ اس حالت میں بھی ظالموں نے سفید ریش کے مصلوب کئے کے خوب پٹیا اور زمین پر گرا اور لٹ کر ظلم ان کے دہن مبارک میں زہر کا پیالہ بھی انڈیل دیا مگر بایں ہمہ وہ ظلم اور ظالموں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس طرح فانی و عارضی اور ناپائدار دنیا کو چھوڑ کر گلستانِ علم اور بوستانِ عمل کا وہ خوشبودار اور کھلا ہوا پھول اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔

اے ابوحنیفہ! تجھ پر پروردگارِ عالم کی کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں تو نے حق کے لیے جان دے کر آنے والی نسلوں کے لیے استقلال و استقامت کا بہترین نمونہ قائم کیا اور حق پر قائم و دائم رہنے والوں کے لیے عمدہ اسوہ پیش کیا اور اس طرح باغِ دنیا کے سینکڑوں کانٹوں کے سلسلے تجھ جیسا خوشبودار اور پیارا پھول توڑ ڈالا گیا

آہ۔

چمن میں خار کو حاصل ہے اک حیاتِ دراز
ستم ہے زندگی بھل مگر دراز نہیں!

فتہ حنفی کی مقبولیت

تاریخ اسلام اس بات کے لیے کافی ثبوت پیش کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی معتد بہ اکثریت امام ابوحنیفہؒ کی فتہ کی دلداد رہی ہے۔ بعض حضرات نے اس کی وجہ تو صرف یہی بتائی ہے کہ چونکہ امام ابو یوسفؒ اور اس قسم کے دیگر اکابر حنفیہ اسلامی حکومتوں میں

سے جب مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں قید کیا اور کوڑوں سے ان کے مظلوم بدن کو سولہاں کیا گیا، تو وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اس ہمت و عزیمت اور استقلال و پامردی کو ایک مثالی نمونہ قرار دیتے ہوئے ان کے حق میں دعا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:-

وصان احمد بن حنبل اذا ذکر ذلک
بکی وترحم علی ابی حنیفۃ وذلک بعد
ان ضرب احمد۔ (بعد اوی جلد ۱۳ ص ۳۲۹)
ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۶۴، مناقب موفق جلد ۲
ص ۱۶۹ والفتیات الحسان ص ۵۹

افسوس ہے کہ اگر اس پر بھی بس ہو جاتا تو ظلم و جور کی ایک حد ہوتی مگر ابو جعفر منصور کو امام موصوف کا اس بڑھاپے میں بھی چار سال قید و بند میں رہنا کھنٹنے کی طرح کھنٹتا رہا اور جب اُس نے محسوس کر لیا کہ امام صاحبؒ کسی اذیت اور دکھ سے ڈر کر اور مرعوب ہو کر ظالم حکومت کا تعاون کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہیں تو بالآخر امام صاحبؒ کی بے خبری میں جیل خانہ کے اندر ہی ان کو زیر دلوایا گیا۔ ثور سقاہ معافیات (بعد اوی جلد ۱۳ ص ۳۳۱) کہ پھر ان کو زیر ہلوا دیا گیا، اور اس سے ان کی وفات ہو گئی۔ امام موصوفؒ نے جب زہر کا اثر محسوس کیا تو سجدے میں گر گئے اور اسی حالت میں ان کی رُوح مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور اُنہوں نے اپنی جانِ جہاں آفریں کے سپرد کردی اور جب ان کی وفات اور شہادت ہو گئی تو جیل خانہ کے عملہ نے بیرونی دنیا کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی کہ اہم موصوفؒ کی وفات طبعی ہے مگر بصیرت والے دیکھ رہے تھے اور کانوں والے یمن بہتے تھے کہ امام موصوفؒ کے بدن کا ایک ایک رینگٹا بدنِ مالِ ان ظالموں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ:-

خونِ ناسحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے

کیوں وہ نیٹھے ہیں میزری نعلین پہ دامن ڈالے

جیل خانہ کے اندر جو رویہ اور طرزِ عمل امام موصوفؒ کے ساتھ روا رکھا گیا وہ بجائے خود قابلِ حیرت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:-

ضيقوا عليه الامر في الطعام والشراب
ولبس اھ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۱۱)
ان پر کھانے پینے اور قید میں انتہائی تنگی
کی گئی۔

اور جب ان کو زہر دیا گیا تو اس حالت میں بھی ان کو پٹیا لگیا تاکہ زہر کی سرایت بدن میں جلدی
جلدی ہو جائے۔ چنانچہ علامہ کروری لکھتے ہیں کہ:-

ثم امر المنصور ان يضرب مصلوباً حتى
يتفرق اللحم على اعضائه ففعل به
ذالھ اھ (مناقب کروری ج ۲ ص ۲۵)

عام مؤرخین تو زہر خورانی کے واقعہ کو امام صاحب کی لاعلمی پر محمول کرتے ہیں لیکن اچھی خاصی
جماعت اس رائے سے اختلاف کرتی ہے۔

ودعی جماعة انه رفع اليه قدح فيه سم
لا يشرب فامتنع وقال اني لا اعلم ما فيه
ولا عين على قتل نفسي فطرح نصبت
في فيه قهراً فوات۔ (الخصائص لسان بلخ)

ایک جماعت یوں روایت کرتی ہے کہ امام ابو حنیفہ
کے سامنے جب زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا تاکہ وہ اس
کو نوش کر لیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا
کہ مجھے اس کے اندر جو کچھ ڈالا گیا ہے اس کا علم
ہے، اور میں اس کو پی کر خود کشی نہیں کر سکتا، چنانچہ
ان کو زمین پر لٹا کر زبردستی زہر پلویا گیا اور اس سے
ان کی وفات ہو گئی۔

اور امام صدر الامر لکھتے ہیں کہ جب ان کے سامنے زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا اور بار بار ان کو
نوش کرنے کے لیے کہا گیا تو امام موصوف نے فرمایا کہ:-

لا اشرب اني اعلم ما فيه لا عين على
نفسى فطرح ثم صب في فيه۔

میں نہیں پیتا مجھے علم ہے جو کچھ اس میں ہے میں
خود کشی کا ارتکاب نہیں کر سکتا چنانچہ ان کو لٹا کر ان
کے منہ میں پیالہ اٹھیل دیا گیا۔

(مناقب ج ۲ ص ۱۴۲)

غرضیکہ کہ اس مظلومانہ طرز پر ۱۵۷ھ میں ان کی وفات ہوئی، پہلی مرتبہ کم و بیش
پچاس ہزار کے مجمع نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ آٹھ والوں کا ماتا بندھا ہوا تھا، چہرہ

قاضی القضاۃ تھے لہذا ان کی ترغیب یا بالفاظ دیگر اثر و رسوخ اور کنبہ پروری کی وجہ سے فتنہ حنفی مقبول ہوئی ہے بہت سے غلط کار لوگوں نے فتنہ حنفی کی مقبولیت کے گھڑ کر بالکل یہ باطل نظریہ قائم کیا ہے جیسا کہ بہت سے غیر مقلدین حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ایک حوالہ پر حواشی و رجواشی لگا کر اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ پہلے تو یہ بات بھی نہایت قابل غور و فکر ہے کہ اکثراً مسلمان اور عادل بادشاہ (جو اگرچہ خلفاء راشدین کی مد میں تو شمار نہیں کیے جاسکتے مگر ان کی اسلام دوستی بھی شک و شبہ سے بالا تر رہی ہے) کیوں فتنہ حنفی کے قبول کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے کوشاں اور مجبور ہوئے؟ اگر آئے دن نئے نئے حوادث و فوازل اور احکام و مسائل میں بغیر فتنہ کے ان کو کوئی صحیح حل نظر آتا یا فتنہ حنفی کے بغیر کسی اور امام کی فتنہ میں ان کے لیے تشنیع کا کوئی سامان موجود ہوتا تو وہ فتنہ حنفی کے دامن میں کیوں پناہ لیتے؟ اور اس کے گردیدہ اور دلدادہ کیوں ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت اور سلطنت کی ترقی زمانہ کے ساتھ نئی نئی مشکلات کو غیر فتنہ پر یا دشمن مولوی اور زاویہ خمول میں تصوف کی ضربیں لگانے والا غیر عالم صوفی اور ہر پیش آمدہ نئے حادثہ اور مسئلہ کو صریح الفاظ حدیث میں تلاش کرنے والا محض سادہ لوح محدث کیا جانے؟ وقت کے جدید تقاضوں اور نئے نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن و حدیث کی صحیح روشنی میں حل کرنے کا صرف وہی اہل ہو سکتا ہے جو قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ تابعین اور ائمہ دین کے پیش کردہ اصول و ضوابط کے تحت ہر نئے مسئلہ کا حل تلاش کر سکے اور اپنے فقہ و اجتہاد سے اس نازک گتھی کو سلجھا سکے اور ملکی حالات اور مسلمانوں کے جدید مسائل سے بھی خاصا واقف ہو۔ باقی وہ سطحی قسم کے حضرات جو ان چیزوں سے مطلقاً دلچسپی ہی نہیں رکھتے تو وہ بیچارے لکیر کے فقیر کیا خاک جدید مسائل حل کریں گے۔ یہ بات دلچسپی اور عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ جب پاکستان کے ہر ولی عزیز و وزیر عظیم لیاقت علی خان صاحب مرحوم راولپنڈی میں شہید کئے گئے تو لکھنؤ میں میرے پاس ایک بہت بڑے عالم (جو کم و بیش قیس بنییس سال تک کامیاب مناظر ہے) ہیں اور ایک ایک مسئلہ پر نکات و در نکات بیان کیے چلے جاتے ہیں (موجود تھے۔ چنانچہ انہی کے توسط سے ہم نے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت منگوائی اور

ہم سب آمین کہتے ہیں۔ جب لوگ چلے گئے تو وہ حضرت مجھ سے دریافت کرنے لگے کہ کیا علیؑ
صاحب کون بزرگ تھے جن کے لیے یہ کرامت مچ گیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ تو پاکستان کے وزیر اعظم
اور قوم کے خیر خواہ تھے۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ پھر تو وہ بہت اچھے آدمی ہوں گے؟ بھلا خور فرمائیے
کہ ایسے حضرات جدید مسائل کا کیا حل تجویز کر سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ کامیاب مناظر محقق واعظ اور جید
عالم ہیں اور صحیح معنی میں خادم اسلام اور مذہب کے شیدائی ہیں۔ اور اسی طرح کے ایک
اور بزرگ جو پھوٹی کے محدث، فقیہ اور صوفی ہیں اور سیکڑوں علماء کے استاد ہیں، وہ
ایک دفعہ فرمانے لگے کیا یہ وزراء کرام تنخواہیں بھی لیا کرتے ہیں؟ غور کیجئے کہ اگر تنخواہوں اور
سستی شہرت کا سوال نہ ہوتا تو اس سبلی مال کی کڑیاں ایک دوسرے کے سر پہ کاہے
کر بیستیں اور مکتا بازی کا مظاہرہ کیوں ہوتا؟ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ ایسے علماء
ربانی کی تذلیل و تنقیص کی جائے اور نہ یہ مراد ہے بلکہ مقصود صرف اس قدر ہے کہ وہ
اپنے علمی اور اصلاحی کاموں میں کچھ ایسے منہمک رہتے ہیں کہ دنیوی امور کی طرف وہ توجہ ہی
نہیں کرتے۔ اگر نگاہ بصیرت سے دیکھا جائے تو مسلمان اور عادل بادشاہوں کا فہم تنفی کر اپنا
مضامین اس لیے تھا کہ وہ ہر نئے مسئلہ اور حادثہ کا حل جو قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ
میں نظر نہ آتا تھا، اس میں یا اس کے پیش اور قائم کردہ کلیات اور قواعد میں پالیتے تھے (اور
فتنا کرام کی باریک بین نظروں نے ان اصول و کلیات کو قرآن و حدیث ہی سے استنباط
کیا ہے) اس لیے وہ اس کے گرد بیٹھے، اور یہ فہم تنفی کے جامع اور کامل ہونے کی ایک تفل
دلیل ہے کہ وہ نامساعد حالات میں بھی ترقی پذیر رہی اگرچہ سہ

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف پھول

پھر بھی کھلا ہوا ہے عجب خوش مزاج ہے!

مگر فہم تنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ نہیں بلکہ اس کی قبولیت کے کئی اور وجوہ ہیں،
مثلاً ایک یہ کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مقام فتنہ میں بہت اونچا ہے جیسا کہ ہم باحوالہ پہلے
عرض کر چکے ہیں، اور ان کے شاگردوں اور متوسلین کو بھی یہ خوبی اور کمال حاصل تھا کیونکہ ابوالحسنؒ لایہ
ایک مشہور مثال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لو کان الدین عند الثریا

(الحديث) میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بشارت اور خوشخبری دی ہے امام صاحب اس کا اولین مصداق ہیں جیسا کہ باحوالہ یہ بھی گزر چکا ہے، اس لئے بھی ان کی فقہ کو بڑی حاصل رہی ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کی فقہ اس لیے مقبول رہی ہے کہ اس کے اصول و ضوابط شوری کے ذریعے طے ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ کوفہ کے اندر کتاب و سنت کی روشنی میں وضع قوانین اور حل حوادث و نوازل کے لیے ایک مجلس شوری قائم تھی جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سرکردگی میں مسائل پر غور و غوض کیا کرتی تھی اور کافی بحث و تمیص اور مناظرہ کے بعد جب سب کی رائے متفق ہو جاتی تو پھر وہ مسائل قید تحریر میں لائے جاتے تھے اور منضبط کئے ان کی تدوین کی جاتی تھی، اور یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ اجتماعی سعی، انفرادی کوشش سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہی رہتی ہے، اور اس طریق سے جو مسائل طے کئے جائیں گے، ظاہر بات ہے کہ ان میں خطا اور غلطی نسبتاً بہت ہی کم ہوگی۔ اگرچہ یہ طریق بھی معصوم عن الخطا کا درجہ اور مقام تو حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ ہے آخر یہ بھی اجتہاد ہی مگر اس میں غلطی کا امکان بہر حال کم رہتا ہے، اور شوری کا ستمن اور مفید ہونا خود قرآن کریم سے مثلاً وَامْرُؤُهَا شَوْرٰی يَنْتَهٰی اور نیز متعدد صحیح احادیث اور خلفاء راشدینؓ کے عمل اور دیگر دلائل شرعیہ سے بالکل روشن اور ہویا ہے جس کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔

اراکین شوری

امام صاحب نے جو یہ مجلس شوری اور محفل مذاکرہ قائم کی تھی، اس کے اراکین اپنے وقت میں چوٹی کے فقیہ، محدث اور قیاس دان حضرات تھے جو آزادی رائے کے ساتھ مسائل میں رائے زنی کہتے تھے۔ چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ اسحاق بن ابراہیم سے روایت کہتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:-

كان اصحاب ابی حنیفۃ الذین یداکرونہ
ابو یوسف و یزید و داؤد الطائی و اسد
بن عمرو و عافیۃ الودی، والقاسمین
اصحاب ابی حنیفہ و جوان کے ساتھ مسائل میں مذاکرہ
کیا کرتے تھے یہ تھے امام ابو یوسفؒ، داؤد،
طائی، اسد بن عوفؒ، عافیۃ الودیؒ، قاسمین

معنی، علی بن مسر، منہل بن علی اور حبان بن علی،
اور جب وہ کسی مسئلہ میں بحث و تمیص شروع کرتے تو اگر
عافیہ ان میں شریک نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ فرماتے
کہ اس مسئلہ میں بحث عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو
جب عافیہ آجاتے اور ان کی رائے سے وہ متفق ہو
جاتے تو امام ابوحنیفہ فرماتے اب اس مسئلہ کو لکھو
اور اگر عافیہ اتفاق نہ کرتے تو امام صاحب فرماتے
یہ مسئلہ مت لکھو۔

معنی، علی بن مسر و منہل و حبان ابنا علی
وہاذا یخوضون فی المسئلة فان لم یجزم
عافیہ قال ابوحنیفہ لا ترفعوا المسئلة حتی
یجزم عافیہ فاذا جزم عافیہ فان وافقہم
قال ابوحنیفہ اثبتوها فان لم یوافقہم قال
ابوحنیفہ لا تثبتوها۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۲۳ طبع مصر ۱۲۳۹ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فقہ کے مسائل میں اپنے شاگردوں کا شعور بیدار
کرنے اور ان کی محنتی قوتوں کو اٹھا کر کرنے کی سعی کرتے رہتے تھے، اور امام صاحب صرف اپنی ذاتی رائے
ہی کو درج نہ کرواتے اور نہ اپنی اقتراوی رائے کا کسی کو پابند ٹھراتے بلکہ ان مذکور حضرات
کی خوب بحث و تمیص سے جب آخری رائے قائم ہو جاتی تو اس کو اصول اور
قراین کی کتابوں میں درج کر دیتے جن کو ہم اپنی اصطلاح میں اطلاقی کتابوں سے
تعبیر کرتے ہیں۔

امام صدر الکتاب لکھتے ہیں کہ :-

امام ابوحنیفہؒ نے اپنا مذہب ان میں بطور شوری
رکھا تھا اور اپنے اصحاب کے بغیر محض اپنی رائے ہی میں
وہ مستبد نہ رہتے تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے
دین میں احتیاط اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول رحمت
اور مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کے جذبہ کے
تحت کیا ہے چنانچہ وہ ان کے سامنے ایک ایک
مسئلہ پیش کرتے، ان کی رائے سنتے اور اپنا نظریہ
بیان فرماتے اور ایک ایک مہینہ جگہ ضرورت پڑتی

فوضع ابوحنیفہ رحمہ اللہ مذہبہ شوری
یبنہم لم یستبد فیہ بنفسہم وبنہم اجہلدا
منہ فی الدین ومبالغۃ فی النصیحة للہ و
رسولہ والمؤمنین فكان یلقى مسئلہ مسئلہ
ویسمع ما عندهم ویقول ما عنده و
یناظرہم شہراً او اکثر من ذالک حتی
یتقرر احد القوال فیہا ثم یثبتہا ابویہم
فی الاصول حتی اثبت الاصول کلہا اھ

(مناقب موفقی ج ۲ ص ۱۲۳)

تو اس سے بھی زیادہ عرصہ تک اس میں مستغرق
اور مباحثہ کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر
سب کی رائے جمع جاتی تو اس کے بعد امام ابو یوسفؒ
اس کو اصول میں درج کر دیتے یہاں تک کہ سب
اصول انہوں نے منضبط کر دیئے۔

اور اگر امام ابو یوسفؒ جلد بازی سے کام لیتے ہوئے اپنے استاد محترم کی رائے بدوں تحقیق اور
تحقیق کے لکھ دیتے تو امام ابو یوسفؒ ان کو تنبیہ فرماتے کہ :-

لا تكتب كل ما سمع مني فاني قد ادى
السراي اليوم و اتركه غدا و ادى الداي غدا
و اتركه ف غدا و اھ

(تقدمة نصب الدایہ ص ۱۰) کر دیتا ہوں۔

اور اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ وہ اُس وقت تک اپنی رائے کو تدوین کرنا پسند نہیں کرتے
تھے جب تک کہ خود بھی اچھی طرح اُس پر غور و خوض نہ کر لیتے اور مجلس شوریٰ کے ذریعے بھی
اس کی خوبی یا خرابی عیاں نہ ہو جاتی۔ نہایت افسوس ہے کہ بعض غیبی مقلدین
حضرات نے امام صاحبؒ کے اس حزم و احتیاط اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول
اور مسلمانوں کے ساتھ خالص ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کو مستحقون مزاجی
اور رائے کی بے ثباتی کا طعنہ اور نشتر لگا کر ان کا یہ عیب گردلہنے کی ناکام کوشش
کی ہے مگر یہ عیب کچھ سوء ظن اور تعصب و حسد کا نتیجہ ہے، اور ان کی بے بنیاد تاویلات
سے ان کے مسلک کے فروغ میں رتی بھر کا وٹ پیدا نہیں ہوئی اور نہ انشاء اللہ ہوگی،
کیونکہ :-

جن کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ ادا ہے

امام عبداللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ اس مجلس کے سامنے ایک اہم

مسئلہ درپیش ہوا۔

فناضوا فيها ثلاثة ايام بالعادة والعشى
(مناقب مرفق ج ۲ ص ۵۴)
تو ارکان مجلس تین دن تک صبح و شام اس میں غورو
طعن کرتے ہیں۔

اور یہ مجلس شوریٰ جب تک کہ مسئلہ کا حل تلاش نہ کر لیتی اس کو معہ من التوآ میں نہ
ڈالتی۔ چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے کہ :-

اذا وقعت لهم مسألة يدبرونها حتى
يفيئونها۔ (مناقب کردی ج ۲ ص ۵۴)
جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو
اس کو آپس میں خوب گردش دیتے یہاں تک کہ
بالآخر اس کی تہ تک پہنچ کر اس کو ردش کر لیتے۔

اس طرز عمل سے حضرت امام صاحب نے جو مسائل طے اور حل کئے ان کی تعداد
میں متعدد روایات اور حوالجات پیش نظر ہیں مگر اختصاراً ہم حضرت ملا علی نقی کا حوالہ
دیکھتے ہیں کہ :-

انه وضع ثلاثة الاف وثمانين الف
مسئلة منها ثمانية وثلاثون الف في العبادة
والباقي في المعاملات ۱۰
کہ امام صاحب نے تراستی ہزار مسئلے طے کئے ان میں
سے اڑتیس ہزار عبادت سے متعلق اور باقی معاملات
سے متعلق تھے۔

(ذیل الجواہر جلد ۲ ص ۴۲)

امام ابو حنیفہؒ کی وسعت نظر اور معاملہ فہمی کا اندازہ لگانے کے لیے امام محمد بن جریر
طبرانی (المتوفی ۳۲۰ھ) اور خطیب بغدادی کا ایک حوالہ ملاحظہ کیجئے وہ فرماتے
ہیں کہ :-

وعان أبو حنیفة أدل من مالک بن النصب
وطبری ج ۲ ص ۲۴ طبع مصر تاریخ بغداد ج ۱ ص ۴۱
امام ابو حنیفہؒ سب سے پہلے وہ شخص جنہوں
نے ہانس کے ذریعہ اینٹوں کے گننے کا طریقہ
ایجاد کیا۔

غور فرمائیے کہ پیمائش کے اس عمل سے خشت شکاری کا طریقہ کس قدر سہل اور
آسان ہو گیا ہے اور دینی مسائل کے علاوہ ان کی یہ رائے بھی کتنی کار آمد اور مفید ثابت ہوئی ہے
کہ آج تک تقریباً ساری دنیا اس اصول کو معمول برقرار رکھے رہی ہے۔ غرضیکہ فتنہ

حنفی میں صرف نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ ہی کے ابواب نہیں بلکہ معاشیات و سیاسیات، معاملات و اخلاق وغیرہ سارے علوم و فنون اس میں سمٹے ہوئے ہیں اور اس کی اسی ہمہ گیری نے قلوب و افہام پر استیلا کر کیا ہے اور لوگ اس کی افادیت اور ضرورت کے تسلیم کرنے سے بالکل چارہ نہیں پاتے۔

تیرا ہر نظارہ سب سے آئینہ دار زندگی

رقص کرتی ہیں تیرے دامن میں ہو جس علم کی

تدوین کتب کا سہرا امام صاحب کے سر ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے علمائے اُمت کی سہولت کے لیے سب سے پہلے تدوین کتب اور ابواب کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس میں ایک بہترین مثال قائم کی۔ چنانچہ صدر الائمہؒ لکھتے ہیں کہ:-

امام ابوحنیفہؒ نے سب سے پہلے علم شریعت کی تدوین کی، ان سے پہلے کسی نے (اس طرح کی) تدوین نہیں کی۔

وَالْبُحْتِيفَةُ رَحِمَهُ اللَّهُ أَوَّلَ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ هَذِهِ الشَّرِيعَةِ لَعَلَّ يَبْقَى أَحَدٌ مِنْ قَبْلِهِ، (مناقب موفق جلد ۲ ص ۱۳۶)

اور امام سیوطیؒ، امام صاحبؒ کی خصوصیات نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ:-
سب سے پہلے انہوں نے علم شریعت کی تدوین کی ہے اور ابواب میں اس کی ترتیب ہی ہے پھر امام مالکؒ نے نوٹا میں ان کی پیروی کی ہے امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ حضرات صحابہ کرام اور تابعینؒ نے علوم شریعت میں ابواب اور کتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہیں کیا، وہ تو صرف اپنے ہاں نظر پر اعتماد کرتے تھے، جب امام ابوحنیفہؒ نے علوم کو مندرجہ دیکھا اور اس کے ضائع ہونے کا خوف کیا تو ابواب میں اس کو مدون کر دیا۔

انہٗ أَوَّلَ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِيعَةِ وَرَتَّبَهَا الْبُوابَاتُ تَبَعَهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فِي تَرْتِيبِ الْمُوطَا لَعَلَّ يَبْقَى الْبُحْتِيفَةُ بَعْدَ دَوْنِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَالتَّابِعِينَ لَعَلَّ يَضْعُو فِي عِلْمِ الشَّرِيعَةِ الْبُوابَ مَبْتُوبَةً وَلَوْ كَتَبَا مَرْتَبَةً وَأَمَّا كَانُوا يَعْتَمِدُونَ عَلَى قُوَّةِ حِفْظِهِمْ فَلَمَّا لَئِي الْبُحْتِيفَةُ الْعِلْمَ مَنْ تَشَرُّوا وَخَافَ عَلَيْهِ الْقَصِيحُ دَقْنَهُ فَبَعْلَهُ، الْبُوابَ اھ (تبيين الصيغہ)

اور امام سیوطی ہی علامہ ذہبی کے حوالہ سے سلسلہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اس سن میں وَصَّفَ الْوَحَيْفَةَ الْفَقْهَ وَالرَّأْيَ (تابع الخلفاء ص ۱۸۱ طبع مجتبیٰ دہلی) امام ابو حنیفہؒ نے فقہ و رائے تصنیف کی۔

اور امام ابن حجر مکیؒ امام صاحب کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ
 اِنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ دَقَّنَ عِلْمَ الْفَقْهِ وَدَقَّهٖ الْبَوَابُ
 وَاَحْتَبَّ اَعْلٰی غَوَاہُو عَلَیْہِ الْیَوْمَ وَتَبِعَہٗ
 مَا لَکَ فِی مَوَظِعٍ وَ مِنْ قَبْلَہٗ ، اَنَّمَا کَانَ
 یَعْتَمِدُ وَنَ عَلٰی حِفْظِہِمُ وَہُوَ اَوَّلُ مَنْ
 وَضَعَ کِتَابَ الْغَرَائِضِ وَکِتَابَ الشُّرُوطِ ۔
 (الخصایات الحسان ص ۲۸)
 امام ابو حنیفہؒ ہی نے وضع کی ہے۔

یہ بات ملحوظ خاطر ہے کہ علم و دین کی باتیں اور مسائل پہلے دور میں بھی لکھے جاتے تھے اور اس کا حدیثی اور تاریخی طور پر کافی ثبوت موجود ہے اور ہم نے اپنی کتاب شوقِ حدیث میں اس پر بے شمار حوالے دیے ہیں لیکن ہمیں ہمہ حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؓ اور اتباعِ تابعینؓ کے زمانہ میں زیادہ تر دار و مدار حفظ پر تھا اور قرآن و حدیث کی طرح اکثر دینی مسائل بھی لوگوں کو بقتیدِ حروف یاد ہوتے تھے، جب خیر القرون سے زمانہ دور ہوتا گیا اور دینی جذبہ اور حفظ میں کمی واقع ہونے لگی تو سلفِ صالحین کو بعتائے دین کی فکر ہوئی اور انہوں نے عہدِ مسلم دین کو کتابی شکل میں لکھنے کی سعی کی اور اس طرح قرآن و حدیث کے علاوہ فقہی مسائل کا بھی معتد بہ حصہ ضبطِ تحریر میں آ گیا لیکن ان کی ترتیب اور ابواب و فصول کی صورت میں تدوین پھر بھی نہ ہوتی اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مسائل کی تلاش میں خاصی وقت ہوتی اور ایک ایک مسئلہ اور جزئی کی تلاش کے لیے خاص قیمتی وقت صرف ہو جاتا اس اہم ضرورت کو پیش نظر رکھ کر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور اسی طرح دیگر بزرگوں نے فقہ و غیرہ علوم کی ترتیب اور ابواب و فصول پر تدوین کا بیڑا اٹھایا اور ان کا یہ مفید کام آج تک قابلِ قدر لگا ہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس طرح قیمتی وقت کی بچت ہوتی ہے اور ذہنی پریشانی سے بھی بچا جاتا ہے جس باب کا مسئلہ ہوتا ہے کتاب کی فہرست

مضامین دیکھی اور فوراً باب یا فصل نکال کر مسئلہ دیکھ لیا جاتا ہے۔ گویا اس لحاظ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور اسی طرح دوسرے بزرگوں کا محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ وغیرہم پر یہ بھی ایک بہت بڑا احسان ہے ہاں جو احسان کو سمجھتا ہی نہ ہو تو اس کا کیا کہنا؟ اور جس کی چشم ہی مینا نہ ہو اس کو طوطہ کیا نظر آئے گا؟
 سچ کہا گیا ہے کہ

چشمِ بینا تو پہلے کر پیدا پھر یہ کنا کہ کو طوطہ نہیں

بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اپنی کوئی تصنیف نہیں اور خصوصاً الفقہ الکبیر ان کی نہیں لیکن یہ ان حضرات کا زاوہم ہے ہم نے البیان الاذہر کے مقدمہ میں اس پر بقدر ضرورت بحث کی ہے مشہور اور قدیم مؤرخ علامہ ابوالفرج محمد بن اسحاق بن ندیمؒ اپنی کتاب الفہرست بن الندیم ص ۲۹۸ میں (جس کو انہوں نے ص ۳۸۷ میں تصنیف کیا ہے) حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آپ تابعی تھے اور کئی حضرات صحابہ کرامؓ سے آپ کی ملاقات ہوئی پھر آگے لکھتے ہیں کہ الفقہ الکبیر کتاب الرسالة الی البقی کتاب العلم والمتعلم اور کتاب الرد علی القندیۃ ان کی تصانیف ہیں (محصلہ الفہرست لابن الندیم ص ۲۹۹ طبع مصر) اور علامہ طاش کبریٰ زاوہ لکھتے ہیں کہ خود امام ابو حنیفہؒ نے اپنی کتاب الفقہ الکبیر اور کتاب العلم والمتعلم میں علم کلام کی اکثر بحثیں کی ہیں اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ انکی تصانیف نہیں بلکہ یہ ابو حنیفہؒ البخاریؒ کی ہیں تو یہ بات معتزلہ کے مختصرات میں سے ہے ان کا یہ باطل خیال ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ان کے مسلک پر تھے علامہ حافظ الدین البیہاقیؒ نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہؒ میں لکھا ہے کہ میں نے خود یہ دونوں کتابیں علامہ ٹمس الدین الکوردی البرقیؒ فی العادۃ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں اور ان دونوں کے بارے میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں کتابیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تصانیف ہیں اور اس امر پر مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کا اتفاق ہے جن میں سے امام فخر الاسلامؒ نجدویؒ بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اصول میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے امام شیخ عبد العزیز بخاریؒ بھی ہیں جنہوں نے شرح الاصول میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔

باب پنجم

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور علم حدیث

ایم الامام، سید الفقہاء، ذکی الامت، راس الاقتیاد مجاہد کبیر حضرت نعمان بن ثابت الکوفیؒ میں جہاں خالق کائنات نے اور بہت سی خوبیاں اور بھلائیاں ودیعت رکھی تھیں وہاں ان کو علم حدیث سے بھی وافر حصہ مرحمت فرمایا تھا۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ فن روایت اور علم حدیث میں ان کا رتبہ اور پایہ باحوالہ عرض کرتے ہیں تاکہ ہر ایک منصف مزاج کو صحیح حقیقت معلوم ہو سکے اور متعصب و غلط کار لوگوں کے جھوٹے پروپیگنڈا سے متاثر نہ ہو کر خدا تعالیٰ کے نیک اور پارسا بندہ سے عداوت اور دشمنی اختیار کر کے محاربت خداوندی کا شکار نہ ہو کر کہیں اپنی آخرت ہی ضائع نہ کر دے۔

شیخ الاسلام ابن عبد البر المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

للدی حماد بن نسیہ عن ابی حنیفۃ لعادیت حماد بن زید نے امام ابو حنیفہؒ سے بہت سی حدیثیں کثیۃ۔ (الاستقاء ص ۱۳) روایت کی ہیں۔

اگر حضرت امام حنیفہؒ کے پاس حدیثیں تھیں ہی نہیں یا صرف سونے، سترے کے قریب تھیں جیسا کہ بعض متعصب لوگوں نے کہا ہے تو احادیث کثیرہ کا کیا مطلب ہو گا؟ اور جب خود ان کے پاس ہی زیادہ حدیثیں نہ تھیں تو حماد بن زید سے انہوں نے بھلا احادیث کثیرہ کیا روایت کی ہوں گی؟

اور حافظ ابن عبد البر ہی امام دیکھ بن الجراح کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ :-

وكان يحفظ حديثه كله وكان قد سمع
من أبي حنيفة حديثا كثيرا
که دیکھ بن الجراح کو حضرت امام ابو حنیفہ کی سب
حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام ابو حنیفہ سے بہت
سی حدیثیں سنی تھیں۔
(جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۳۹)

انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا کہ امام دیکھ بن الجراح بلند قدر اور بختہ کار محدث تھے۔
اگر حضرت امام ابو حنیفہ کی بیان کردہ حدیثیں ضعیف اور ناقابل اعتبار ہوتیں تو وہ ہرگز ان کو یاد
نہ کرتے؟ اور بہت سی حدیثیں بھی ہی وہ ان سے روایت کر سکتے ہیں جب کہ خود امام
ابو حنیفہ کے پاس بھی بہت سی حدیثیں ہوں۔

محدث ابن عدی (المتوفی ۳۶۵ھ) امام اسد بن عمرو (المتوفی ۱۹۰ھ) کے ترجمہ میں
لکھتے ہیں کہ :-

ولیس فی اصحاب الراۃ بعد ابی حنیفۃ
اکثر حدیثا منه۔
اصحاب الراۃ (یعنی فقہاء) میں امام ابو حنیفہ کے
بعد اسد بن عمرو سے زیادہ حدیثیں اور کسی کے
پاس نہ تھیں۔
(لسان المیزان ج ۱ ص ۲۸۴)

اور علامہ ابن سعد اسد بن عمرو ہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

وكان عنده حدیث كثير وموثقة
إنشاء الله۔ (تاریخ بغداد جلد ۷ ص ۱۶۱)
ان کے پاس بہت حدیثیں تھیں اور انشاء اللہ
وہ ثقہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام اسد بن عمرو جو خود صاحب حدیث کثیر تھے، امام ابو حنیفہ
کے پاس ان سے بھی کہیں زیادہ حدیثیں تھیں۔

امام صدر الامر مکی المحنفی، امام مکی بن ابراہیم (المتوفی ۲۱۵ھ) جو الحافظ، الامام اور شیخ فرائد
تھے، علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۲۳۲ کے بارے میں لکھتے ہیں
کہ :-

ولزموا باحیفة رحمہ الله وسیع منه
الحديث والفقه واكثر منه الروایة۔
انہوں نے امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہ
کر ان سے حدیث اور فقہ کا سیکھ لیا اور ان سے

بکثرت روایتیں کیں۔

یہ حضرت امام بخاریؒ کے استاد تھے اور صحیح بخاری میں بائیس^{۲۲} ثلاثیات میں سے گیارہ صرف مکئی بن ابراہیمؒ کی سند سے ہیں اور یہ بڑے پایہ کے حنفی تھے گویا ان کی علم الہند کے ساتھ امام بخاریؒ کو یہ رتبہ اور شرف حاصل ہوا کہ صحیح بخاری میں گیارہ ثلاثیات ان کی سند سے درج کیں۔

اور امام عیسیٰ بن مالان ابو جعفر المتوفی ۲۵۰ھ بعض نے ان میں کلام بھی کیا ہے، مگر امام احمدؒ ان کو صالح الحدیث، اور ابن عیینہ، ابن مدینی، ابن عمار موصی، ابن سعد، حاکم، اور ابن عبد البرؒ کہتے ہیں۔ قتیبہ التہذیب ج ۱۲ ص ۵۷ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ۱۔

امام اہل الرقی فی الحدیث والفقہ اکثر
عن ابی حنیفۃ روایۃ الحدیث والفقہ و
طان یقول ما رأیت افقہ من ابی حنیفۃ
وہ رچی کے باشندوں کے حدیث اور فقہ میں امام تھے،
انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے حدیث اور فقہ کی بہت
روایتیں لی ہیں اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام
ابو حنیفہؒ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔
(ایضاً ج ۱ ص ۲۳)

علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ محدث بشر بن موسیٰ (المتوفی ۲۸۸ھ جو
المحدث الامام ابو المہذب تھے متوفی ۲۸۸ھ) سے اور وہ اپنے استاد محترم حضرت
امام ابو عبد الرحمن المقرئ (المتوفی ۲۱۳ھ جو الامام، المحدث ابو شیخ الاسلام تھے، تذکرہ ج ۱
ص ۲۳۴) انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے نو سو حدیثیں سنی تھیں، مناقب کردی جلد ۲ ص ۲۱۶
سے روایت کرتے ہیں کہ :-

وکان اذا حدث عن ابی حنیفۃ
قال حدثنا ہذا
جب وہ ہم سے امام ابو حنیفہؒ کی سند سے
کوئی حدیث بیان فرماتے تو کہتے ہم سے شاہنشاہ
(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۴۵) نے حدیث بیان کی ہے۔

انذار فرمائیے کہ ایک محدث کامل اور شیخ الاسلام، حضرت امام ابو حنیفہؒ کو روایت
اور حدیث کا بادشاہ ہی نہیں کہتے بلکہ شاہنشاہ کہتے ہیں، جو شخص اپنے دور اور زمانے میں
حدیث کا شاہنشاہ ہو کیا اس کے محدث اور حافظ حدیث ہونے میں کوئی کسر اور

کسی قہر کا کوئی شک باقی رہ سکتا ہے؟ (فی حدیث اور سند میں شہنشاہ ہونا جزوی بات سمجھو اور مطلقاً شہنشاہ ہونا مخلوق کیلئے حرام ہے) حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں!

امام صدر الامر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وعبد اللہ بن یزید هو ابو عبد الرحمن المقرئ من حفاظ اصحاب الحديث وكبرائهم اکثر عن ابی حنیفۃ الدواۃ فی الحدیث۔
امام ابو عبد الرحمن المقرئ عبد اللہ بن یزید نے جو خود بھی اصحاب حدیث کے حفاظ اور بڑے ائمہ میں تھے امام ابو حنیفہ سے حدیث کی بہت سی

روایتیں لی ہیں۔

(مناقب موفق جلد ۲ ص ۲۱)

مشہور محدث اسرائیل (المتوفی ۱۶۲ھ جو الامام اور الحافظ تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۹) ارشاد فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کیا ہی خوب مرد تھے کہ:-

ما كان احفظ لحفظ حدیث فيه فتد واشد قصده عنه واعلم بما فيه من الفتد۔
انہوں نے ہر ایسی حدیث کو کیا ہی اچھی طرح یاد کیا جس سے کوئی فتی مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے اور وہ حدیث کے بارے میں بڑی بحث کرنے والے اور حدیث میں فتی مسائل کو بہت زبانا جاننے والے تھے۔

(ملک بن عبد اللہ جلد ۱۳ ص ۲۹۹ و تبیین المعنی ص ۲۴)

امام صدر الامر مکی، امام عینی بن یونس (المتوفی ۸۴۷ھ جو ثقہ اور ثبت تھے، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۲۹) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

اکثر عن ابی حنیفۃ الدواۃ فی الحدیث والفتد۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۹۹)۔
انہوں نے امام ابو حنیفہ سے حدیث اور فتہ کی بہت سی روایتیں کی ہیں۔

امام عبد اللہ بن داؤد الخزرجی (المتوفی ۲۱۳ھ جو الحافظ الامام اور القدودہ تھے، تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸۲) علامہ ابن سعد ان کو ثقہ، عابد اور ناسک اور امام ابن معین ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ ایضاً جلد ۱ ص ۱۸۲) فرماتے ہیں کہ:-

يجب على اهل الاسلام ان يدعوا الله لابي حنیفۃ فی صلواتہ قال وذكر حفظہ علیہم
مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں، اللہ تعالیٰ سے امام ابو حنیفہ کے لیے دعا کریں اور ذکر فرمایا کہ

السنن والفتا۔ ریانج بغداد ج ۱۳ ص ۲۴۲
والبدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۰۰

یہ اس لیے کہ انہوں نے سنت حدیث اور فقہ کو
مسکالوں کے لیے محفوظ کیا ہے۔

امام صدق الامۃؑ کی اپنی سند کے ساتھ امام زعفران سے روایت کرتے ہیں کہ:-

قال کان کبراء المحدثین مثل زحریا
بن ابی زائدہ وعبد الملک بن ابی سلیمان
واللیث بن ابی سلیم ومطرف بن طریف
وحصین موابن عبد الرحمن و
غیرہم مختلفون الی ابی حنیفۃ ویلولة
فانیوبہد من المسائل وما اشتبه علیہد
من الحدیث۔ (مناقب موفی ج ۲ ص ۱۴۹)

بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبد الملک
بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف اور
حصین بن عبد الرحمن وغیرہ امام ابو حنیفہؒ کے پاس
آتے جاتے رہتے تھے اور ایسے (رفیق) مسائل ان
سے دریافت کئے جاتے تھے جو ان کو درپیش ہوتے تھے
اور جس حدیث کے بارے میں ان کو شک تھا ہوتا ہے
اس کے متعلق بھی وہ ان سے سوال کرتے تھے۔

اگر امام ابو حنیفہؒ کو فن حدیث میں مہارت تامہ حاصل نہ ہوتی یا وہ حدیث سے بے بہرہ ہوتے
تو ان کبار محدثین کو ان کے پاس آنے جاتے کی اور حدیث میں ان سے مشکوک و شبہات نکالنے
کی کیا مصیبت پڑتی تھی؟

مشہور محدث امام مسعر بن کدام (المتوفی ۱۵۵ھ) جو امام الحافظ اور احمد اذہلام
تھے، اذہلام ج ۱ ص ۱۰۰) فرماتے ہیں کہ:-

طلبت مع ابی حنیفۃ الحدیث فغلبنا و
اخذتانی الزہد فبرع علینا وطلبنا معہ
الفتا فجاء منہ ما سئلون۔ (مناقب ابی
حنیفہ ص ۲) از علامہ ذہبی طبع مصر

میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن
وہ ہم پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہو گئے تو وہ اس
میں بھی ہم پر فائق رہے اور ہم نے ان کے ساتھ فتہ
طلب کی تو اس میں ان کا کمال تم سے مخفی نہیں ہے۔

غور کیجئے کہ چوٹی کا محدث اور صحیح سنیہ کامرکزی راوی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی علم حدیث
میں فرقت اور برتری کو کس شان بخاوت سے تسلیم کرتا ہے۔

محدث جلیل امام زبید بن ہارون فرماتے ہیں کہ:-

کان ابو حنیفۃ نقیاً نقیاً زاهداً عالماً
امام ابو حنیفہؒ، نقی، پاک، باطن عالم، صداقت شعار

صدوق اللسان احفظ اهل زمانه
اسی نے اہل زمانہ میں سب سے عاقل حدیث
ومناقب صیغی بکوالہ ابن ماجہ اور علم
تھے۔
حدیث صلیب از مولانا نعمانی

امام الجرح والتعلیل بکوالہ بن سعید بن العطار حضرت امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-
انہ واللہ لا غلہ هذه الامة بعد جاد عن
خدا تعالیٰ کی قسم امام ابو حنیفہؒ اس امت میں خدا
اللہ ورسولہ و مقدمہ کتاب التعلیم از علامہ
تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سے جو کچھ بھی وارد
مسعود بن شیبہ سندھی بکوالہ ابن ماجہ اور
ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔
علم حدیث از مولانا عبدالرشید نعمانی ص ۱۶

اگر امام ابو حنیفہؒ کو قرآن کریم اور حدیث شریف کے علم میں پوری مہارت اور کمال حاصل نہ
ہوتا تو ناقصین رجال اور سرتاج محدثین کبھی قسم اٹھا کر یہ بیان نہ دیتے۔
حضرت مولانا علی بن التمارؒ امام محمد بن سمانہ سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے
فرمایا کہ :-

ان الامام ذکر فی تصانیفہ بنفا و سبعین
امام ابو حنیفہؒ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے
الف حدیث و منتخب الآثار من اربعین
کچھ اور حدیثیں بیان کی ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں
لیف حدیث۔ و مناقب علی بن التمارؒ بذیل
سے (کتاب) الآثار کا انتخاب کیا ہے۔
الجواہر جلد ۱ ص ۴۴

اور امام صدر الأئمہؒ کی ارقام فرماتے ہیں کہ :-
و منتخب البو حنیفۃ الآثار من اربعین
و مناقب موفق چا ص ۹۵
امام ابو حنیفہؒ نے (کتاب) الآثار کو چالیس ہزار
حدیثوں سے انتخاب کیا ہے۔

صد حیرت کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں اپنی تصانیف
میں بیان فرماتے ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں سے کتاب الآثار کا انتخاب کرتے ہیں مگر بایں ہمہ
متعصب لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ فن حدیث میں یتیم تھے، ان کو حدیث سے کوئی
مست نہ تھا، ان سے صرف ستر ہزار حدیثیں مروی ہیں، یہ کس قدر ظلم عظیم اور نا انصافی کی بات ہے،

اور یاد رکھ صرف ایسے ہی حوالوں پر اکتف کر لیتے ہیں اور دوسری طرف کے شوش حوالے بالکل منہم کر جاتے ہیں۔

نوٹ :- محدثین کرامؒ کی یہ اصطلاح ہے کہ سند کے بدلنے اور اسی طرح سند کے کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی گنتی اور تعداد بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں احادیث کی تعداد کم تھی کیونکہ سند مختصہ تھی اور ائمہ حدیث کے زمانہ میں احادیث کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہو گئی، کیونکہ جوں جوں سند بڑھتی گئی، اور راوی بدلتے گئے تو احادیث کی تعداد بھی بڑھتی گئی نہ یہ کہ متون حدیث بڑھ گئے جیسا کہ محدثین کرامؒ کی اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے منکبین حدیث اور اسی طرح دیگر بعض ضلال فرقوں نے ٹھوکر کھائی ہے، اور بلا وجہ محدثین کرامؒ کو مطلق طعن بنایا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری بحث تو شوق حدیث میں ہم نے کر دی ہے صرف مثال کے طور پر ایک حوالہ عرض کیا جاتا ہے، تاکہ بات بخوبی سمجھی جا سکے۔ مشہور محدث، ابراہیم بن سعید الجوهریؒ (المتوفی ۲۴۴ھ) جو الحافظ اور العلامة تھے، خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثبت اور محقق تھے، تذکرہ جلد ۲ ص ۸۹) ایک خاص موقع پر فرماتے ہیں کہ :-

كل حديث لا يكون عندي من
مائة حجة فلان فيه يتيقن
جب ایک ایک حدیث مجھے پاس ہو تو سندوں
کے ساتھ نہ ہوں تو میں اس حدیث کے متعلق اپنے آپ
کو یتیم خیال کرتا ہوں۔

اب ایسی حدیث تین اور الفاظ کے لحاظ سے تو صرف ایک ہوگی مگر سندوں اور طریقوں
سے جب وہ الگ الگ روایت کی جائے گی تو محدثین کرامؒ کے نزدیک سو حدیث متصور
ہوگی، اور اگر یہی ایک حدیث ہزار سندوں اور طریقوں سے مروی ہوگی تو وہ ان کے نزدیک
ہزار حدیث ہوگی۔ یہی مطلب ہے ان عبارات کا جن میں یہ آتا ہے کہ فلاں محدث کو اتنے
لاکھ حدیث یاد تھی اور فلاں کو اتنے لاکھ یاد تھی، ورنہ متون احادیث کی تعداد بالاتفاق محدثین عظامؒ
جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت امام سفیان بن سعید ثوریؒ، امام شعبہؒ، امام یحییٰ بن سعید القطانؒ
امام عبد الرحمن بن مہدیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ قابل ذکر ہیں، یہ ہے :-

ان جملة الاحاديث المستندة عن النبي
بلاشبہ تمام وہ مذاہب حدیث صحیحہ جو بلا تکرار آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحۃ بلا تکرار
اربعۃ الاف واربعمائة حدیث۔ (توضیح الافکار ص ۳۶)
چار ہزار اور چار سو ہے۔

طبع مصر از علامہ امیر بانی ۹

دیگر محدثین کی طرح جہاں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف کم حدیثوں کی نسبت آتی ہے تو
اس سے نظر بظاہر یہی متون احادیث مراد ہیں اور جہاں چالیس یا ستر ہزار کا ذکر آتا ہے تو وہاں سے
اسانید اور طرق متعددہ سے مروی روایات مراد ہیں، چنانچہ امام صدر اللامہ مکیؒ، امام حسن بن زیادؒ
کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ۱۔

طمان ابو حنیفۃ یروی اربعۃ الاف حدیث
الغین لحماذ والغین لساثر المشیخۃ ۱۵
امام ابو حنیفہؒ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔
دو ہزار تو صرف حادّث کے طریق سے اور دو ہزار باقی
شیوخ سے۔

یعنی اگر تکرار اور تعدد طرق و اسانید سے صرف نظر کر لی جائے تو تقریباً چار ہزار حدیثیں ان
سے مروی ہیں اور اگر اسانید و طرق کو پیش نظر رکھا جائے تو ستر ہزار سے بھی ان کی تعداد بڑھ جاتی
ہے جن کا تذکرہ امام صاحبؒ نے اپنی تصانیف میں کیا ہے، یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے
کہ امام صاحبؒ کی تصانیف سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء جن میں خصوصیت کے ساتھ مولانا
شبلی نعمانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) پیش ہیں، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ کی اپنی
کوئی تصنیف ہی نہیں تھی کہ فقہ اکبر بھی اپنی نہیں تھی، ہم نے اسی کتاب کے حوالہ اور البیان الازہر کے مقدمہ
میں لائی گئی اسکی تردید کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں البتہ غیر معتدین حضرات کی تسلی کے لیے ایک
حوالہ عرض کئے دیتے ہیں۔ مولانا ابراہیم صاحب تیریا لکھنؤی ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ ۱۔
امام ابن تیمیہ منہج السنۃ میں فقہ اکبر کو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب
قرائتیتے ہیں، پس مولانا شبلی مرحوم کے انکار کی بنا پر اسے معرض بحث میں لانے کی ضرورت
نہیں۔ (بلفظہ، حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۵)

امام صاحبؒ کی تصانیف سے وہ اطلاقی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے لائق اور قابل
قدر تلامذہ مثلاً امام ابو یوسفؒ وغیرہ امام صاحبؒ کی تعلیم اور تدریس کے وقت قید تحریر میں

لے آتے تھے جیسا کہ اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ احکام الاحکام، شیخ الاسلام ابو الفتح محمد بن علی الشہید
 بابن دقیق العید الشافعی (المتوفی ۷۸۵ھ) کی اپنی تصانیف و تصنیفات نہیں ہے بلکہ وہ اطلاق کرتے
 تھے اور ان کے لائق و فائق شاگرد شیخ القاضی اسماعیل بن تلج الدین — الاثیر المحلی الشافعی
 (المتوفی ۸۵۰ھ) لکھتے جاتے تھے اور باوجود این دقیق العید کی اپنی تصنیف نہ ہونے کے
 وہ انہی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے، دیگر متعدد شراح حدیث کی عبارات کے علاوہ حافظ ابن حجر
 متعدد مقامات پر فتح الباری میں ارقام فرماتے ہیں قال ابن دقیق العید فی احکام الاحکام الا
 اسی طرح امام صاحب کی تصانیف سے وہ اطلاقی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے سامنے اور ان
 کے حکم سے ان کے تلامذہ قید تحریر میں لے آتے تھے جیسا کہ ہم نے خلیف بغدادی اور صدائے
 کے حوالہ سے اس کا مفصل ذکر پہلے کر دیا ہے کہ جب ایک مسئلہ پر اچھی طرح غور و غوض ہو جائے
 تو آپ فرماتے اشدھا الخ کہ اب اس مسئلہ کو لکھ لو اور بجائے سینہ کے سفینہ
 میں محفوظ کر لو۔ اور امام صاحب کی ان اطلاقی کتابوں میں شرمزاد سے زیادہ حدیثیں موجود
 کی طرح بکھری پڑی ہیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب ندوی، امام صاحب کے چار ارشد تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے
 لکھتے ہیں کہ امام محمد سے دو طرح کی کتابیں منقول ہیں، ایک جو ظاہر الروایہ سے منسوب ہیں
 جیسے مبسوط الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، کتاب السیر الکبیر، کتاب السیر الصغیر اور الزیادات، دوسرے
 تو اہل بیت کی کتاب الامالی یا کیسانیات وغیرہ اور ان سب میں اپنے مسلک کی تائید میں
 احادیث و آثار ہی کو پیش کیا گیا ہے۔ انتہی (مسند اجتہاد ص ۱۷۱)

اور مولانا محمد حنیف صاحب ندوی ہی لکھتے ہیں کہ اس میں بھی اختلاف پائے گئے ہیں کہ
 فقہ کی کوئی کتاب آپ نے تصنیف کی یا نہیں؟ اور آیا ابن ندیم نے جن کتابوں کا ان کی طرف
 انتساب کیا ہے جیسے الفقہ الاکبر، کتاب العالم و المتعلم وغیرہ ان کا انتساب تاریخی طور پر درست
 ہے یا نہیں؟ مگر یہ حقیقت بہر حال مسلمہ ہے کہ ان کے ارشد تلامذہ نے اپنی کتابوں میں فقہ
 حنفی کے نام سے جن فروع و اصول کا تذکرہ کیا ہے، ان کی تعیین و تفسیح میں بڑی حد تک حضرت
 امام ہی کی مجتہدانہ کوششوں کو دخل ہے الخ (الاعتصام ص ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳)

اور چالیس ہزار روایات سے انہوں نے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے چنانچہ امام عبد القادر
القرشی الحنفی (المتوفی ۷۷۵ھ) امام یوسف بن قاضی ابویوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے
اپنے والد محترم کے توسط سے :-

روی کتاب الآثار عن ابی حنیفۃ وہو مجلد
ضمم الہ (الجواہر ج ۲ ص ۳۲۵)
سب جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

کچھ عرصہ ہوا ہے کہ مصر کے کتاب الآثار لابن یوسف طبع ہو کر علماء کے نامتوں میں پہنچ چکی
ہے، غالباً یہ وہی نسخہ ہے جو امام ابویوسف نے امام صاحب سے نقل کیا تھا اور اب وہ انہی
کی طرف منسوب ہو کر رہ گیا ہے اور حافظ ابی حجر عسقلانی الشافعی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مفقود انما
هو کتاب الآثار التي رواها محمد بن
الحسن عنه (وتعجیل المنفعة)
امام ابویوسف کی حدیث میں مفقود کتاب آثار
ہے جو امام محمد بن الحسن نے اُن سے روایت کی
ہے۔

اور اسی کے قریب انہوں نے لسان المیزان ج ۵ ص ۳۱ میں بھی لکھا ہے۔ نظریہ ظاہر
یہ کتاب آثار وہی ہے جو امام محمد کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ انہی کی روایت یہ نسخہ رائج ہوا
جیسا کہ بخاری، البدایہ اور مؤطا امام مالک وغیرہ حدیث کی کتابوں کے متعدد روایات کی وجہ سے
مختلف نسخے نقل ہوتے چلے آتے ہیں اور ان نسخوں میں تقدم و تأخر اور دیگر کئی امور میں باہمی
اختلاف اور تفاوت بھی پایا جاتا ہے لیکن اس جزوی اختلاف کی وجہ سے ان کی پوزیشن اور
ان پر اعتماد ختم نہیں ہو جاتا جیسا کہ مسکین حدیث نے غلط کاری سے یہ سمجھ رکھا ہے، اور بزرگان دین کی
محنت اور ان پر اعتبار کو یکسر ختم کرنے کا اڈھا رکھائے بیٹھے ہیں۔

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
پیدا کئے فلک نے تھے جو خاک چھانکے

امام صاحب ائمہ حدیث اور حفاظ حدیث میں تھے

اگرچہ گزشتہ مندرجہ ٹھوس حوالے حضرت امام ابویوسف کی حدیث والی اور محدث کامل
ہونے کے لیے بالکل کافی ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ بحث کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ رہے اس لیے

ہم اب یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام صاحب محض حدیث دان اور محدث ہی نہ تھے بلکہ
فہم حدیث اور روایت کے بڑے مجتہدین حفاظ حدیث اور ائمہ حدیث میں آپ کا شمار ہوتا
ہے خود سے مندرجہ ذیل حوالے ملاحظہ کیجئے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث البجستانی (الموتی ۲۵۵ھ) جو الامام الثبت اور سید الخ
تھے، تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۱ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

رحم الله ما كان اماماً رحم الله الشافعي
كان اماماً رحم الله اباحنيفة طهان اماماً
كتاب الامم ص ۲ و جامع بيان العلم ۷ ص ۱۶۳
اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرے امام مالک پر کیونکہ وہ
امام تھے، اللہ تعالیٰ رحمت کرے امام شافعی پر اس لیے
انکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابو حنیفہ
پر کیونکہ وہ امام تھے۔

اور علامہ ذہبی امام ابو داؤد سے نقل کرتے ہیں کہ:

ان اباحنيفة طهان اماماً تذکرہ ج ۱ ص ۱۵۱ ابو حنیفہ امام تھے۔

امام ابو داؤد جیسے محدث کا محدث جب امامت کا ذکر فرمائیں گے تو اس سے یہی متبادر
ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث کی امامت مراد لیتے ہیں اور خصوصیت کی جب امام مالک اور امام شافعی
کی لڑی میں منسلک کرے کہ وہ امام ابو حنیفہ کا ذکر کرتے ہیں، تو اس امامت سے وہی امامت
مراد ہوگی جو حضرت امام مالک اور امام شافعی کے لیے لی جاسکتی ہے، چونکہ وہ حدیث اور فہم
دونوں کے امام تھے، اس لیے حضرت امام ابو حنیفہ کے لیے بھی حدیث اور فہم دونوں
کی امامت مراد ہوگی۔

علامہ عبد الکریم شہرستانی (الموتی ۴۹۳ھ) فرقہ مرجئہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں
کہ ان میں ایک وہ فرقہ ہے جو اہل سنت والجماعت کے نظریات اور عقائد کے خلاف ہیں
اور ایک وہ گروہ ہے جو مرجئہ السنۃ کہلاتا ہے اور ان کے سنی ہونے میں کوئی کلام نہیں کیونکہ
یہ حضرات اعمال کو ایمان کی جزئیات سے متاخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال ایمان کی جزئ
نہیں نہ یہ کہ اعمال کو ایمان سے بالکل الگ کر دیتے ہیں کہ ان پر ثواب و عقاب ہی مترتب
نہ ہو۔ اس طویل بحث کے بعد انہوں نے تتمہ میں ایسے ہی بحال مرجئہ کے کچھ نام گنوائے

ہیں اور وہ یہ ہیں: الحسن بن محمد بن علی بن ابی طالب، سعید بن جبیر، طلحہ بن عبید اللہ بن
مرثدہ، محارب بن زیاد، مقاتل بن سلیمان، ذر و عمرو بن ذر، حماد بن ابی سلیمان، ابو حنیفہ، ابو یوسف،
محمد بن الحسن اور قدیر بن جعفر اور پھر ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ:-

وهؤلاء كلهم ائمة الحديث لا زال المل للخل

ج۱ ص ۱۳۰ مکتبہ الانجمن مصریہ ج ۲ ص ۱۳۰ طبع اول مکتبہ

الحسین القبادیہ

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن وغیرہ جن کا
ذکر ہوا سب کے سب ائمہ مدینہ تھے، اگر یہ حضرات فن حدیث کے عالم اور پھر اس
پر عامل نہ ہوتے تو ائمہ مدینہ کیسے بن گئے۔

فرقہ مرجیہ

حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی نے غنیۃ الطالبین میں مرجئہ کا تذکرہ بھی فرمایا ہے
اور پھر ان مرجئہ میں اصحاب نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کو بھی شمار کیا ہے جس سے بعض نادان
اور متعصب غیر مقلدین حضرات امام صاحب اور ان کے جملہ اصحاب کو مرجئہ سمجھ کر ان کو گتے
اور ان پر ناحق ظلم اور بے انصافی کے تیرے ساتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت
شیخ صاحب نے حضرت امام ابو حنیفہ کو مرجئہ کے فرقہ میں داخل نہیں کیا بلکہ ان کے اصحاب
کو مرجئہ کہا ہے اور ان کے مقلدین سب نہیں بلکہ بعض باوجود فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے معتزلہ
بھی تھے جیسے علامہ زمرشری (المتوفی ۵۲۸ھ) صاحب تفسیر کشاف وغیرہ اور اسی طرح
بعض دیگر فقہ میں حنفی مذہب رکھنے کے باوجود اصولاً و منہجاً مرجئہ کے اس باطل گروہ اور
فرقہ سے متعلق تھے جو اہل سنت کے مسلک حق کے بالکل خلاف تھا لیکن ان کے مرجئہ ہونے کی وجہ
سے حضرت امام ابو حنیفہ پر کیا نوڑ سکتی ہے؟ اور ان مرجئہ کے قول باطل کی وجہ سے ان اصحاب
ابی حنیفہ پر جو اس معنی میں ہرگز مرجئہ نہ تھے، کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے؟

امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے مرجئہ ہونے کی بحث حافظ ابن عبدالبر کی کتاب
جامع بیان العلم (ج ۲ ص ۱۳۸) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تفسیرات البیہ (ج ۱ ص ۱۳۸) اور

لڑا صاحب کی دلیل الطالب (ص ۱۶۵) وغیرہ کتابوں میں ملاحظہ کریں کہ ان کا اختلاف بعض محدثین کرام کے ساتھ صرف لفظی ہے، وہ یہ کہ بعض محدثین عظام، ایمان، تصدیق بالقلب استمرار باللسان اور عمل بالمجوارح کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور مرجئہ اہل سنت، ایمان صرف تصدیق قلبی کو کہتے ہیں کیونکہ یہ معنی لغوی معنی کے بالکل قریب ہے (حافظ ابن کثیر کہتے ہیں انا ایمان فی اللغۃ فیطلق علی التصدیق المحض الخ تفسیر ج ۱ ص ۱۷۱ یعنی بہر کیف کفایت میں ایمان محض تصدیق پر اطلاق ہوتا ہے، اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں والایمان لغۃ التصدیق۔ فتح الباری ج ۱ ص ۲) اور قرآن کریم میں ایمان کو اعمال صالحہ کی قبولیت کی شرط قرار دیا گیا ہے اور شرط مشروط سے خارج ہوتی ہے نیز اعمال صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے، اور معطوف و معطوف علیہ مغائر ہوتے ہیں، علاوہ ازیں بعض بد اعمالیوں کے ساتھ بھی قرآن و حدیث سے نفس ایمان کا ثبوت ملتا ہے، اگر اعمال ایمان کا جزو ہیں تو ان کے فقدان سے ایمان کا تحقق کیسے؟ دیکھتے تفسیر بیضادی، اشرح مواقف ص ۱۹، طبع نو کشور اور شرح ص ۱۹۷ ح ۱ وغیرہ) یہ حضرات اس کے ہرگز قائل نہیں کہ ثواب و عقاب کا اعمال پر ترتیب نہیں؟ یا اعمال کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مومن ہو سکتا ہے؟ یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمال ایمان کے اجزاء حقیقیہ نہیں بلکہ اجزاء متممہ و مکملہ ہیں۔

مولانا تیسر صاحب فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اس شبہ کا حل بھی نہایت ضروری ہے۔ کہ بعض معتقین نے سیدنا امام ابو حنیفہؒ کو بھی رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ اہل سنت کے بزرگ امام ہیں اور آپ کی زندگی اعلیٰ درجہ کے تقویٰ اور توریخ پر گزری جس سے کسی کو بھی انکار نہیں، ابے شک بعض مستغنیہ نے احسان ان پر رحم کرے، امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ اور امام حسن بن زیادہ رحمہم اللہ کو رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے جس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر اور حضرت امام صاحب مدوح کے طرز زندگی پر نظر نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے اسے خوب اچھا لایا ہے لیکن حقیقت جس علمائے نے اس کا جواب کسی طریق پر دیا ہے الخ (ماریج اہل حدیث)

اور طویل بحث کرنے کے بعد آگے علامہ شمس الدینیؒ کی الملل والنحل ج ۱ ص ۱۸۹ کے حوالہ

سے لکھتے ہیں کہ مجھے اپنی زندگی (کے عطا کرنے والے) کی قسم ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو مرجئہ السنۃ کہا جاتا ہے الخ (تاریخ اہل حدیث ص ۵۷)

الغرض امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اکثر اصحاب جس میں معنی میں مرجئہ ہیں وہ اہل سنت کے مسلک کے ہرگز ہرگز خلاف نہیں، ہاں صرف لفظی نزاع کے پیش نظر ان کو مرجئہ کہا گیا ہے اور اس سے ان کی ذمت پر کوئی حرف نہیں آتا، اور نہ اُس کی وجہ سے ان کی دینیت و دانت اور مسلک مجروح ہوتا ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نواب صاحب کی پوری عبارت نقل کر دیں، ممکن ہے اکثر حضرات کو کتاب دلیل الطالب آسانی سے میسر نہ ہو سکے، نواب صاحب لکھتے ہیں:-
سوال: در غنیۃ الطالبین مرجئہ را در اصحاب ابی حنیفہ نہایت ذکر کردہ و کذا غنیۃ فی غیرہ وجہ آن چیست؟ جواب: بہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی در تفسیحات نوشتہ اند کہ ارجاء دوگونہ است یکی ارجاء است کہ قائل را از سنت بیرون میکند دیگر آنست کہ از سنت بیرون نمیکند اول آنست کہ معتقد آن باشد کہ ہر کہ اقرار بعبان تصدیق بچنان کرد، صحیح معصیت اور امن فرست اصلاً دیگر آنکہ اعتقاد کند کہ عمل از ایمان نیست ولیکن ثواب و محاب براں مترتب است و سبب فسق میاں ہر دو آنست کہ صحابہ و تابعین اجماع کردہ اند بر تخطیہ مرجئہ و گنہہ اند کہ بر عمل ثواب و عذاب مترتب می شود پس مخالف ایشان ضال و مبتدع است و در مثلہ ثانیہ اجماع سلف ظاہر نشدہ بلکہ دلائل متعارضہ اند بعض آیات و حدیث و اثر دلالت میکنند بر آنکہ ایمان غیر عمل است و ایں نزاع راجع میشود بسوئے لفظ بجمت اتفاق ہمہ بر آنکہ عاصی از ایمان خارج نمی شود اگرچہ مستحق عذاب است و صرف دلائل و الہ بر آنکہ ایمان عبارت از مجموع ایں چیزتا است از ظواہریش بادی عنایت ممکن است انتہی و ازیں جا معلوم شد کہ مراد حضرت شیخ از مرجئہ بدون اصحاب ابی حنیفہ شوق ثانی است دلائل ظاہر علیہ اگرچہ ارجح از روئے نظر و دلائل ہماں مذہب اہل حدیث است کہ ایمان عبارت است از مجموع اقرار

و تصدیق و عمل و بہ قال القاضي شہد اللہ فی مالا یبۃ فانہ فی الاشکال وصنی مطلع الہدای

وباللہ التوفیق : (انتہی بلفظہم) دلیل الطالب^{۱۶۵} لمج شاہجانی بھوپال^{۱۶۶} رحمہ

نواب صاحب کی اس عبارت سے یہ بات تو بالکل واضح اور صاف ہو گئی کہ جس میں
حضرت شیخ صاحب نے اصحاب اہل حنیفہ کو مرجئہ کہا ہے، وہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں ہے
و اعتبار علیہ لیکن چونکہ حضرت شاہ صاحب کی پوری عبارت جو انہوں نے تفسیلات میں
بیان فرمائی ہے، نقل نہیں کی گئی، اس لیے ادھوری عبارت کے جو نواب صاحب نے نقل کی ہے
غنیۃ الطالبین کی عبارت کی پوری عمدہ کشائی سنیں ہوتی، کیونکہ حضرت شیخ صاحب تو
اصحاب اہل حنیفہ کو مرجئہ کے اس فرقہ میں داخل کرتے ہیں جو باطل فرقوں میں شمار ہوتا ہے جو
اعمال کو ایمان کے ساتھ ترتیب ثواب و عتاب کے درجہ میں بھی نہیں مانتا تو یہ پیش کردہ مثنوی ثانی
ان پر کیسے چسپاں ہو سکتی ہے جس میں اعمال پر ثواب و عتاب کے ترتیب کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے؟
اس لیے ہم نے نزدیک یہی جواب متعین ہے کہ حضرت شیخ صاحب نے ان اصحاب حنیفہ کو مرکز
مرجئہ کے باطل فرقہ میں شمار نہیں کیا جو مرجئہ السنۃ تھے۔ بلکہ وہ اصحاب اس لیے مرکز
ہیں جو معتزلہ و غیور کی طرح فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے باوجود خلاف اہل سنت فرقہ
مرجئہ میں تھے اور وہی فرقہ باطلہ ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی تصریح
کی ہے (تفسیلات ج ۱ ص ۲۸)

علامہ ذہبی نے حضرت مسعر بن کدام (جن کا بن وفات اور حدیث میں درجہ پہلے
لکھا جا چکا ہے) ان پر بھی ارجاء کا اعتراض تھا اور حیرت ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہؒ
جیسے محدث، فقیہ اور متونی اسی ارجاء کے الزام میں ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے
حالانکہ ایک ہی شہر کوفہ میں دونوں رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۱۵ اور
در حقیقت وہ اسی معنی میں مرجئہ تھے جو علامہ شہرستانی کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے مگر غلط فہمی
کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ کے ترجمہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور بعض دیگر حضرات کا نام لے کر
یہ لکھا ہے کہ ان کو مرجئہ کہنے کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ درمیان الاعتدال ج ۱ ص ۴۲ یعنی اس
معنی میں ارجاء کی نسبت ان کی طرف باطل ہے جو مرجئہ السنۃ کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ احناف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:
والحنفية همد من اهل السنة
احناف اہل سنت والجماعت سے ہیں۔

(منہاج السنة ج ۱ ص ۲۵ طبع مصر)

اور مولانا میر صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ اور مرجئہ السنۃ سے ایسے لوگ مراد ہیں جنہوں
تو اہل سنت لیکن بحسب لغت ان مسائل کی وجہ سے جو اہل سنت کے نزدیک قابل اعتراض
نہیں، ان پر ارجاء کا لفظ بولا گیا ہو الخ تابع اہل حدیث ص ۵۸

ان پُرہی تفصیلات اور تشریحات کے باوجود بھی اگر کوئی شخص حنفیوں کو مرجئہ کے جمل
فرقہ میں داخل اور شمار کرے تو مالک یوم الدین ہی قیامت کے دن اس کا فیصلہ کرے گا۔
اور اس وقت حقیقت بے نقاب ہو کر رہے گی۔ چنانچہ مؤلف نتائج التقلید ص ۹ میں دل کی بھڑک
یوں نکالتے ہیں کہ حضرت شیخ اپنی تصنیف لطیف فتنۃ الطالبین میں اہل بدعت
وگمراہ فرقوں کی تفصیل و فہرست بیان کرتے ہوئے حنفی مذہب کو اہل سنت سے خارج مرجئہ
ایسے بدعتی و گمراہ فرقے کی شاخ شمار کرتے و اھ یہ سب تحقیق انیق؟ سبحان اللہ!

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الدہبی (شافعی المذہب و حبلی المعتقد) نے تذکرۃ الحفاظ کے
نام سے چار جلدوں میں ایک بہترین اور ترین کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے مستقل عنوان
کے تحت صرف وہی حضرات داخل اور شمار کئے ہیں جو حافظ حدیث تھے ان حضرات میں
وہ (ج ۱ ص ۱۵۸) حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی حافظ حدیث میں شمار اور بیان کرتے ہوئے یوں
سُرخ قائم کرتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ الامام الاعظم امیہ العراق الخ طبع است رجال اور ناقد فن روایت
کے اس بڑے پہاڑ کی یہ شہادت کوئی کم وزنی شہادت نہیں ہے۔

امام حاکم نے اصول حدیث پر ایک مختصر اور بہترین کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے
فن حدیث میں روایت و روایت کی اہم بنیادی شرطوں پر اصولی بحث کی ہے جس کا نام
معرفت علوم الحدیث ہے جو تاجرہ میں طبع ہوئی ہے اور ہمارے پاس موجود ہے۔ اس
میں انہوں نے انچاسویں ذیل میں لکھا ہے کہ ۱۔

هذا النوع من هذه العلوم معرفة الأمة النقا یعنی یہ نوع علوم سے نابین اور تہج نابین کے ان ائمہ

المشهورين من التابعين واتباعهم ممن
يجمع حديثهم للحفظ والمذاكرة والتبديل بهم
وبدعه من الشرق الى الغرب الا
(من ۲۴)

ثقات اور مشورین کی معرفت کے بیان میں ہے جن
کی حدیثیں از شرق باغرب حفظ و مذاکرہ کے لیے جمع
کی جاتی ہیں۔ اور ان کی ذات اور ذکر سے مشرق سے
مغرب تک ہترک حاصل کیا ہے۔

اور پھر آگے ص ۲۴۵ میں علم حدیث کے ان ائمہ ثقات اور مشورین میں حضرت امام ابو حنیفہؒ
نعمان بن ثابتؒ کا ذکر بھی کیا ہے۔

حافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی (المتوفی ۲۹۶ھ) اپنی کتاب بحقوق الجہان میں
میں لکھتے ہیں کہ :-

كان أبو حنيفة من كبار حفاظ الحديث و
أعيانهم ولولا كثرة اعتناهم بالحديث
ما تهتألأ استنباط مسائل الفقه الخ
وذكر أن تلميذ أبي حنيفة للعلامة الكورني طبع مصر

امام ابو حنیفہؒ بڑے حفاظ حدیث اور ان کے فضلاء
میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر وہ حدیث کا بکثرت اہتمام
نہ کرتے تو فقہ کے مسائل میں استنباط کا حکم ان لوگوں
سے حاصل ہوتا؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ محدثین اور فہماء رحمہم اللہ تعالیٰ کے روایتی اور روایتی کمال و تفقہ پر بحث
کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

واكثر ائمة الحديث والفقه كمالك والشافعي
وإسماعيل بن راهوية وأبي عبيدوكذلك
الأوزاعي والثوري والليث هؤلاء وكذا مالك
لأبي يوسف صاحب أبي حنيفة ولأبي
حنيفة أيضاً ماله من ذلك ولكن لبعضهم في
الإمامة في الصنفين مالمس للفقرو في
بعضهم من صنف المعرفة بأحد الصنفين
مالمس في الآخر فرضي الله تعالى عن جميع
أهل العلم والإيمان والمخلص المستغاث

اکثر ائمہ حدیث و فقہیے امام مالکؒ، شافعیؒ
احمدؒ، اسماعیلی بن راہویہؒ، ابو حنیفہؒ اور اسی طرح اوزاعیؒ
اور ثوریؒ اور لیث بن سعدؒ حضرات اور اسی طرح
ابو یوسفؒ، صاحب ابی حنیفہؒ اور خود امام ابو حنیفہؒ
کا بھی اس میں وہی مرتبہ ہے جو ان کے شاگردان
ہے لیکن ان میں سے بعض کو دونوں قسم کی امامت
میں وہ مقام حاصل ہے کہ جو دوسرے کو حاصل نہیں ہے
اور بعض کو کسی ایک صنف کی معرفت میں وہ
مقام حاصل ہے کہ جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے۔

المعروف بالرد على البكري - الله تعالى تمام اہل علم و ایمان سے

راضی ہو۔

(طبع مصر ص ۱۳ و ص ۱۴)

عزیز فرمائیے کہ کس طرح حافظ ابن تیمیہ نے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کو ائمہ الحدیث والفقہ میں شمار کیا ہے۔

امام خلیفہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ البرزلی الشافعی (المتوفی بعد ۷۴۰ھ) کہتے ہیں کہ:-

فانه كان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً عامداً
إماماً في علوم الشريعة. (اعمال ص ۲۵۵) زفانہ
امام ابو حنیفہؒ، عالم و عامل انیک ازاد و عابد اور
علوم شریعت کے امام تھے۔
(تعیف ص ۲۴۰)

امام ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ:-

احذر ان تتوهم من ذلك ان ابا حنیفہؒ
لم یکن له خبرة تامّة بقیر الفقه حاشا لله
كان في العلوم الشرعية من التفسير والحديث
والأدلة من العلوم الأدبية والقائمين المحكمية
بحراً لا یجاری واماماً لا یجاری وقول بعض
اعدائهم فيه خلوف ذلك منشؤه الحسد و
حجّة الترفع على القرآن ورميم بالنزوم
والبهتان (الخيرات الحسان ص ۲ طبع مصر)
اور دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ:-
ذکرہ الذہبی وغیرہ فی طبقات الحفاظ من
المحدثین ومن زعم قلته اعتناءه بالحديث
فهو اما التباهله او حسده او
(الخيرات الحسان ص ۲)

اس بات پر ہنس کرنا کہ تم یہ وہم محسوس کرو کہ امام ابو حنیفہؒ
کو فقہ کے بغیر اور کسی علم کی خبر تمام نہ تھی، حاشا للہ
امام ابو حنیفہؒ علوم شریعت و تفسیر حدیث اور علوم
ادبیہ اور قیاسی فنون میں بھر پور تھے اور ایسے امام
تھے جن کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اور ان کے بعض
دشمنوں کا ان کے بارے میں اس کے خلاف کچھ کہنا
اس کا سبب محض حسد اور معاصرانہ چشمک ہے اور جبروت
اور بہتان کی الزام تراشی ہے۔

علامہ ذہبیؒ وغیرہ نے امام ابو حنیفہؒ کو حافظ حدیث
کے طبقہ میں لکھا ہے اور جس نے ان کے بارے میں یہ خیال
کیا کہ وہ حدیث میں کم شان رکھتے تھے تو اس کا یہ خیال
یا تو قابل پریشانی ہے یا حسد پر۔

مؤرخ شیر محقق کبیر نادرۃ العصر علامہ ابن خلدون اپنی بے نظیر اور لا جواب کتاب میں حضرت
امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ ۱۔

وبدل علیٰ اتہ من کبار المجتہدین فی علم الحدیث اعتماد مذهبہ بینہم والتعمیل
امام ابو حنیفہؒ کے علم حدیث میں بڑے مجتہدین میں
سے ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ان کے مذہب پر رؤا
علیہ واعتبارۃ او قبولہ ۲۔
وقولہ اعتماد مذهبہ بھروسہ کیا گیا ہے۔

(مقدمہ ص ۴۷ طبع مصر)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ صرف محدث ہی نہیں
بلکہ بعض اکابر ملت کے بیان کے مطابق من ائمۃ الحدیث اور بعض کے ذکر کے موافق من ائمۃ
الثقات المشہورین اور بعض کے تذکرہ کے تحت من حفاظ الحدیث اور بعض کے ارشاد کے
مطابق امام لایماری اور بعض کے قول کے مناسب من كبار المجتہدین فی علم الحدیث
اور بعض کے نزدیک من ائمة الحدیث والفقہ میں۔ ان تصریحات کو بھی دیکھ لیجئے اور
غیر متقلدین حضرات کے عظیم صریح اور تعصب مذہبی کو بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ چنانچہ مؤلف نتائج
التعلیل شرم و حیا کو کھلاتے طاق رکھ کر لکھتا ہے (اور اس کے جملہ مصدقین حضرات اس کے
افراد و بہتان اور شہادت زور پر صا و کہہ رہے ہیں) کہ :-

۱۔ کیونکہ یہ مسئلہ امر اور آخری اور قطعی حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب کے نام
کے ساتھ محدث یا امام فرق حدیث کا لفظ نئے نام بھی کتب تاریخ اسلام اور رجال
وطبقات میں موجود نہیں الخ (ص ۱۸۹)

یہ سب غیر متقلدین حضرات کی دیانت اور خانہ سازیشنگ جس میں وہ مل جل کر مسئلہ
اور آخری اور قطعی حقیقت کو طے کر رہے ہیں اور کتب تاریخ اسلام اور اسماء الرجال و طبقات
کی ان بالا صریح اور واضح عبارات سے جمالت یا خیانت کی وجہ سے کبوتر کی طرح آنکھیں
بند کر رہے ہیں اور آپس میں کچھ ایسی سازش کر کے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے خلافت
مستحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اس غبی بھگت کی قلعی نہیں کھولت اور نہ
زبان اور قلم سے حق بات کہنے اور لکھنے پر اپنے کو آمادہ پاتا اور ذکر کرتا ہے۔ مذہب میں علمی

طور پر تعصب کی اس سے بدترین مثال شاید ہی کوئی اور ہو مگر بایں ہمہ ان کے اہل حدیث ہونے میں کیا مجال ہے کہ کوئی فسق آئے؟ یا ان کو اس پر شرم ہی آتی ہو؟ اور یہ سب کثرت سے خدا تعالیٰ کے نیک بندوں سے عداوت کرنے اور ہوائے نفسانی پر چلنے کا، جب خوفِ خدا اور رضائے الہی ہی مقتود ہو جائے تو پھر ضمیر کس کام کا؟

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
جب جھکا تو غیب کے آگے نہ تن تیرا نہ من

حضرت امام ابو حنیفہ کی ثقاہت

حاجت تو نہیں کہ ہم ان مندرجہ بالا ٹھوس حوالجات کے بولتے ہوئے جن میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو من ائمة الحديث، من حفاظ الحديث اور من ائمة الثقات المشہودین وغیرہ سنہری الفاظ کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔ ان کی ثقاہت الگ عرض کریں، مگر چونکہ بعض غیر معتقدین حضرات کے نزدیک ان کے تعصب یہ بھی ایک نزاعی اور اختلافی امر ہے اس لیے ہم اس پر بھی کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت امام علی بن المدینی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وهو ثقة لا بأس به (جامع بيان العلم ج ۲) وہ ثقہ اور لا باس بہ تھے

من ۱۴۹ وتعلیق المغنی ج ۱ ص ۱۲۳)

امام ابو زکریا یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ:-

الْبُحَيْفَةُ كَانَ يَصْدُقُ فِي الْحَدِيثِ؟ قَالَ
نَعْدُ صَدُوقٍ (جامع بيان العلم ج ۲ ص ۱۴۹)
کیا امام ابو حنیفہؒ حدیث میں سچے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سچے تھے۔

امام احمد بن محمد البغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا:-

فَقَالَ عَدْلٌ ثَقَّةٌ مَأْخُذٌ بِمَنْ عَدَلَهُ
ابن المبارک وکعبہ (منقب کروری ج ۱ ص ۱۱)
تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں وہ عادل اور ثقہ تھے جن کی تعبیل
امام عبد اللہ بن المبارک اور وکیع بن الجراح

کریں ہم ان کے بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ:-

امام یحییٰ بن معین سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں ثقہ تھے ثقہ تھے خدا کی قسم ان کی شان اس سے بہت بلند و بالا تھی کہ وہ جھوٹ کہتے۔

يقول يحيى بن معين وهو يسأل عن أبي حنيفة ثقة هو في الحديث فقال نعم ثقة ثقة كان والله اروع من ان يكذب وهو اجل قدرا من ذلك الخ

(مناقب يرقی ج ۱ ص ۱۹۲ واللفظ له ومناقب کریمی ص ۲۴)

امام خلیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ:-

امام ابو حنیفہ ثقہ تھے وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو ان کو از براہ ہوتی تھی اور جو حدیث ان کو یاد نہ ہوتی تھی تو وہ اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔

كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث إلا ما يحفظ ولا يحدث بما لا يحفظ -

(تاريخ خلیب ج ۱ ص ۱۹۱ طبع مصر - ومقدمه تحفة الأحوذی ص ۸۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نقل کرتے ہیں کہ:-

امام صالح بن محمد اسدی حضرت امام یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ تھے۔

وقال صالح بن محمد الاسدي عن ابن معين كان أبو حنيفة ثقة في الحديث وتهذيب التهذيب ج ۱ ص ۱۹۱ ومقدمة تحفة الأحوذی ص ۸۱

تحفة الأحوذی ص ۸۱

امام ابن حجر مکی حضرت یحییٰ بن معین سے یوں نقل کرتے ہیں کہ:-

امام ابو حنیفہ ثقہ اور حدیث میں ثقہ اور صدوق اور اللہ تعالیٰ کے دین میں قابل اعتماد اور مومن تھے۔

كان ثقة صدوقا في الفقه والحديث مأمونا على دين الله. (المخبرات الحسان ص ۲۱)

شیخ الاسلام ابن عبد البر المالکی بطریق امام عبد اللہ بن احمد الدورقی (المتوفی ۲۷۶ھ) امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں بغدادی ج ۹ ص ۲۶۲ روایت کرتے ہیں کہ

سئل يحيى بن معين وأنا اسمع عن أبي

امام یحییٰ بن معین سے حضرت امام ابو حنیفہ کے بارے

حَنِيفَةٌ فَقَالَ ثَقَّةٌ مَا سَمِعْتُ أَحَدًا
ضَعْفَهُ هَذَا شُعْبَةُ بْنُ الْجَحَّاجِ يَكْتُبُ
إِلَيْهِ أَنْ يَحْدِثَ وَيَأْمُرَهُ وَشُعْبَةُ شُعْبَةُ
(الْمُنْتَخَذُ ص ۱۲ طبع مصر والجواهر ص ۲۹)
میں سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا تو انہوں نے فرمایا
کہ وہ ثقہ تھے میں نے کسی سے نہیں سنا کہ کسی ایک
نے بھی ان کی تضعیف کی ہو اور یہ شعبہ بن الجحاج ہیں
جو ان کی طرف لکھ رہے ہیں کہ وہ حدیث بیان کریں
اللہ ان کو حکم دے سہے ہیں اور شعبہ تو آخر شعبہ ہیں۔

اور امام ابن حجر مکی الشافعی لکھتے ہیں کہ :-
وَسُئِلَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ عَنْهُ هَذَا ثَقَّةٌ مَا
سَمِعْتُ أَحَدًا ضَعْفَهُ
(الْخَيْرَاتُ الْحَسَنَاتُ ص ۱۲)
کہ امام یحییٰ بن معین سے امام ابو حنیفہ کے بارے
میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی سے
ان کی تضعیف نہیں سنی۔

مشہور غیر معتد عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری لکھتے ہیں کہ امام ابن معین امام شعبہ اور امام
سفیان ثوری تمام امام ابو حنیفہ کی توثیق کرتے ہیں۔ (محصل تحقیق الکلام ص ۱۱)
ناظرین! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام علی بن المدینی، عبد اللہ بن المبارک، وکیع بن الجراح،
یحییٰ بن معین، شعبہ بن الجحاج اور سفیان بن سعید ثوری وغیرہ ائمہ حدیث اور اباب جبر و تعدیل
حضرت امام ابو حنیفہ کی توثیق کرتے ہیں، اور حدیث میں ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معین
کے یہ الفاظ کہ ثَقَّةٌ فِي الْحَدِيثِ آپ نے دیکھ ہی لیے ہیں بلکہ امام یحییٰ بن معین تو یہ فرماتے ہیں
کہ میں نے کسی ایک شخص سے بھی امام ابو حنیفہ کی تضعیف نہیں سنی۔ حیرت اور تاسف کی بات
ہے کہ امام یحییٰ بن معین کے زمانہ تک تو ان کی تضعیف کرنے والا کوئی ایک شخص بھی نہ ہو مگر غنیمہ
مقلدین کی سائے میں وہ پھر بھی ضعیف ہی قرار پائیں بلکہ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ :-

”امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ثقہ ہیں یعنی نہایت متقی، پرہیزگار، دیانتدار اور فہم
میں امام ہیں مگر محدثین کے ہاں جس قدر حافظہ کی ضرورت ہے بعض محدثین کے نزدیک

ان کا مقام اس سے نیچے ہے“ (ص ۱۲)

مقام شکر ہے کہ مؤلف مذکور نے ثقہ کا معنی مٹانا مزہ نہیں کر دیا ورنہ ان کا کوئی کیا بگاڑ لیا
اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

”اس حدیث کے جملہ راوی سوائے امام ابو حنیفہؒ کے ثقہ ہیں“ (ملفوظ ص ۲۸۸)

مؤلف خیر الکلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب محدثین کسی کو ثقہ کہتے ہیں تو وہ اس سے ثقاہت فی الحدیث ہی مراد لیا کرتے ہیں نہ کہ پرہیزگار وغیرہ اور ثقہ فی الحدیث کی صریح قید موجود ہے اور بغیر کسی متعنت اور متعصب کے اور کسی نے امام صاحبؒ کو سنی المحفظہ نہیں کہا متعصب کی حرج کی مبسوط بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

مؤلف نتائج التعلیل کا اندھا تعصب ملاحظہ کیجئے کہ علامہ بدر الدین عینی المحقق المتوفی ۸۵۵ھ نے امام یحییٰ بن معینؒ کا یہ قول ماسمعت احداً ضعفه نقل کیا تھا تو اس پر شیخ پا اور خواہش نفسانی کے گھوٹے پر سوار ہو کر یوں لکھتا ہے کہ علامہ عینیؒ نے یحییٰ بن معینؒ پر یہ بالکل غلط اور سرسبزستان باندھا ہے، ان کا یہ قول صحیح سند سے کتب اسماء الرجال میں نہیں پایا جاتا کیا امام صاحبؒ کی تضعیف میں جو روایتیں بغدادیؒ وغیرہ کے حوالہ سے مؤلف نتائج التعلیل نے نقل کی ہیں ان کی اسناد صحیح ہیں؟ کاش وہ اسانید اور روایت پر بحث کرتا تو ہم بھی ان پر کچھ کلام کرتے اور امام صاحبؒ کی توثیق کو راویوں کی توثیق سے عرض کرتے۔ صفحہ ۱۰ زیادہ سے زیادہ تاریخ بغداد مصنفہ امام خطیبؒ اور تذکرۃ الحفاظ میں یحییٰ بن معینؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق یہ الفاظ ملتے ہیں لا یأس بلم، المعین، یتهم (تذکرۃ الحفاظ) لا یأس بہ، وکان لا یکذب (تاریخ بغداد خطیب) ہاں صرف ثقہ کا لفظ بھی تاریخ بغداد میں موجود ہے لیکن وہ حدیث میں ثقاہت کے متعلق نہیں بلکہ جھوٹ کے مقابلہ میں ہے الخ (ملفوظ ص ۸)

پھر آگے لکھا ہے کہ :-

”ائمۃ محدثین کی کثیر جماعت سے امام ابو حنیفہؒ کی تضعیف ثابت ہو سکتی ہے جو کتب اسماء الرجال میں مصرح اور نمایاں ہے۔ امام صاحبؒ کی ثقاہت تو صرف جھوٹ کے مقابلہ میں قبول ہو سکتی ہے لیکن فن حدیث میں ان کی ثقاہت ثابت نہیں ہو سکتی پس عینیؒ نے ماسمعت احداً ضعفه کے الفاظ جو یحییٰ بن معینؒ کی طرف منسوب کیے ہیں یہ علامہ عینیؒ کا یحییٰ بن معینؒ پر سرسبزستان افترار اور جھوٹا بہتان ہے جو تعصب کی ایجاد ہے (اعاذنا اللہ اعاذنا اللہ) نتائج التعلیل ص ۱۸

آپ غور سے دیکھتے اور فرمائیے کہ غلط افتراء پر وازہ جھوٹا بہتان تراشیں اور متعصب کون ہے؟ آیا علامہ عینیؒ ہیں یا شوق نتائج التقلید اور اس کے جملہ مصدقین حضرات! اور کیا امام یحییٰ بن معینؒ کا یہ قول علامہ عینیؒ نے اپنی طرف تراش دیا ہے یا شیخ الاسلام ابن عبد البرؒ وغیرہ کی کتابوں میں بھی نمایاں اور مصرح طور پر یہ موجود ہے؟

اور آپ باحوالہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ثقہ فی الحدیث کے نمایاں اور مصرح الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ نہ تو مطلقاً ثقہ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں اور نہ جھوٹ کے مقابلہ میں ثقاہت اس سے مراد ہے۔ یہ صرف غیر مقلدین حضرات کے مورد مزاج کا کرشمہ ہے کہ وہ ان کی مسلمہ ثقاہت اور عدالت کو جھوٹ کے مقابلے میں ثقاہت پر عمل کرنے کے لئے دل داؤت کے لئے لکھیں گا سامان مٹیا کرتے ہیں مگر آخر تاج کے۔

آثارِ سحر کے پیدا ہیں اب رات گلاب و لڑٹ چکا
ظلمت کے بھیا نک اٹھوں سے تنویر کا دامن جھوٹ چکا

حدیث میں احتیاط

روایت اور حدیث کے بارے میں جس قدر احتیاط کی ضرورت ہے وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درجہ اول میں متواتر حدیث من کذب علی متعذراً الحدیث کے الفاظ سے آئی ہے، اس لیے محدثین کرامؒ اس سلسلہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہتے ہیں تاکہ کوئی غلط قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے روایت حدیث کے بارے میں بڑے حزم و احتیاط سے کام لیا ہے۔ چنانچہ امام خلیف بن خدیجؒ اپنی سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:-

ان سے سوال کیا گیا کہ اگر کسی شخص نے اپنے خط سے لکھی ہوئی حدیث پاسے لیکن وہ اُسے یاد نہیں تو وہ کیا کرے؟ امام ابو زکریا یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ تو فرماتے تھے کہ وہ اس کو بیان کرنے

انه سئل عن الرجل يجد الحديث بخطه
لا يحفظه فقال ابو حنيفة كان ابو حنيفة
يقول لا يحدث الا بما يعرف ويحفظ۔

(کنز الدقائق ص ۳۱ طبع حیدر آباد دکن)

کا مجاز نہیں ہے وہ صرف وہی حدیث بیان کر
سکتا ہے جو اسے یاد ہو۔

امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے امام سفیان ثوری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ
عَنْ ابْنِ حَنِيفَةَ شَدِيدَ الْإِخْذِ لِلْعِلْمِ قَابَا
مَنْ حَرَّمَ اللَّهُ أَنْ تَسْتَحِلَّ يُلْخَذَ بِمَا صَحَّ مِنَ الْأَمَلِ
لَمْ تَكُنْ كَانَتْ يَحْمِلُهَا الثَّقَاتُ وَبِالْخُفْرِ مِنْ فَعْلٍ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّمَا أَدْرَكَ عَلَيْهِ
عَلَامَةُ الْكُوفَةِ ثُمَّ شَنَعَ عَلَيْهِ قَوْمٌ يُغْفِرُ اللَّهُ لَنَا
وَلَهُمْ -

(الاستقاء لابن عبد البر ۱۴۲ طبع مصر)

راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھی اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو وہ لیا کرتے تھے اور
اس فعل کو جس پر انہوں نے علامہ کو فہم کیا ہوتا تھا
مگر میر بھی ایک قوم نے (بلاوجہ) ان پر طعن کیا ہے
اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی مغفرت کرے۔

اس سے جہاں امام سفیان ثوری کی زبان سے امام صاحب کا محتاط فی الحدیث ہونا ثابت
ہوتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب پر طعن و شنیع کو وہ گنا سمجھتے
تھے جیسا کہ تو یغفر اللہ لنا ولہم سے حضرت کی دعا کرتے ہیں۔
امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے
فرمایا کہ :-

عَنْ ابْنِ حَنِيفَةَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلْمَجْلُوسِ
يُرْوَى الْحَدِيثَ إِذَا سَمِعَهُ مِنْ قَمِ الْحَدِيثِ
فِيحْفَظُهُ ثُمَّ يَحْدُثُ بِهِ -

(مدخل فی اصول الحدیث ص ۱۵)

امام ابو یوسفؒ کا یہ مضمون الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ حافظ قرشیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔
(ملاحظہ ہو الجواہر المضمیہ ج ۱ ص ۲۵۴)

مشہور محدث امام علی بن الجعد المتوفی ۲۳۰ھ حافظ الثبت المنذر شیخ بغداد

تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۳۶۱) فرماتے ہیں کہ :-

ابو حنیفۃ اذا جلد بالحدیث جاء به
مثل المدثر (جامع المسانید ج ۲ ص ۲۰۴)
امام ابو حنیفہ جب حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ مولیٰ کی
طرح چکدار ہوتی ہے۔

امام وکیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۷ھ) حوالہ امام الحافظ الثبت اور محدث العراق
تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۲) فرماتے ہیں کہ :-

لقد وجد الدرع عن ابی حنیفۃ فی الحدیث
ماله یوجد عن غیره (مناقب الیم صد اللہ ۱ ص ۱۹)
بلاشبہ امام ابو حنیفہ نے حدیث میں وہ احتیاط کی ہے
جو اور کسی سے ایسی احتیاط نہیں پائی گئی۔

علامہ القرشیؒ نے امام صاحب کے روایت حدیث کی ایک کڑی شرط یہ بھی نقل کی ہے کہ :-
شرط جواز روایۃ الحدیث عند ابی حنیفۃ
رضی اللہ عنہ ان الراوی لعینس الحدیث
من حین حفظہ الی وقت الروایۃ -

والجواہر ج ۱ ص ۱۹۳)
یاد کی ہو اس وقت تک درمیان میں اسے روایت
بھولی نہ ہو۔

اور یہی مضمون امام ابن حجر مکیؒ نے تھوڑے بہت تغیر الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو الخیرات الحسان ص ۶ طبع مصر)

امام عبد الوہاب شمرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) جن کے بارے میں مولانا مسیر سیکوٹیؒ لکھتے ہیں
کہ آپ شافعی تھے لیکن بہت متأدب تھے۔ حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۵) امام ابو حنیفہؒ کی
ایک اور شرط بھی لکھتے ہیں کہ :-

وقد کان الامام ابو حنیفۃ یشترط فی
الحدیث المنتول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قبل العمل بہ ان یرویہ عن ذلک المصابی
جميع التیام عن مثله وھکذا
(میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۶۳۔ طبع مصر)
جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو
اس میں امام ابو حنیفہؒ یہ شرط لگاتے ہیں کہ عمل سے
پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ راوی حدیث سے
صحابی تک پر ہیزگاروں کی ایک خاص جماعت کے
نقل کرتی ہو پھر وہ قابل عمل ہوگی۔

امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) تشدید روایت کے بارے میں حضرت امام

الضعیف کا مذہب اور رائے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وهذا مذهب شديد وقد استقر العمل
على خالفه فعمل الرواة في الصحيحين
ممن يوصف بالمحفظ لا يبتغون النصف
اور یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار
پایا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ بخاری اور مسلم کے
ان روایت کی تعداد جو شرط مذکور پر پورے اترتے
ہوں نصف تک بھی نہ پہنچتی ہو۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی شرط امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں
سے بھی زیادہ کڑی ہے۔ اگرچہ جمہور محدثینؒ اس شرط میں امام موصوف کا ساتھ نہیں دیتے مگر
چونکہ علم حدیث میں بھی وہ کبار مجتہدین میں تھے اس لیے دیا نہ اپنے اجتہاد کے پیش نظر
انہوں نے یہ شرط لگائی ہے اور اس شرط لگانے میں ان پر کوئی طعن نہیں ہو سکتا جس طرح کہ
حضرت امام بخاریؒ نے امکان عقاد کو درخور اعتناء نہیں سمجھا بلکہ حقیقت نقار کی شرط لگائی
ہے اگرچہ ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہوئی ہو تاکہ تدلیس وغفۃ کا شبہ باقی نہ رہے مگر جمہور محدثینؒ نے
جن میں خصوصیت کے ساتھ امام مسلمؒ پیش پیش ہیں ان کی خوب تردید کی ہے (دیکھئے مقدمہ صبح مسلم
وغیرہ) اور جمہور نے ان کا ساتھ بالکل نہیں دیا۔ اور جیسا کہ امام بخاریؒ اور امام ابن العربیؒ حسن حدیث پر
عمل کرنے کو جائز نہیں سمجھتے لیکن جمہور کے خلاف ہیں۔ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ :-
والحق ما قاله الجمهور رذيل الاوطار
حق جمہور کے ساتھ ہے۔

ج ۱ ص ۲۲ طبع مصر

اہل علم جانتے ہی ہیں کہ عمل کے لیے صرف حدیث صحیح پر درود دار رکھنے سے حسن قسم
کی تمام حدیثوں کا انکار لازم آتا ہے، اور کتنی ہی حدیثیں ہیں جو حسن ہیں۔ امام عجللیؒ مشہور محدث
حماد بن سلمہؒ (المتوفی ۱۶۴ھ) جو امام الحافظ اور شیخ الاسلام تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۹
کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

ثقة رجل صالح حسن الحديث قال ان
عنده الف حديث حسن ليس عند غيره
وہ ثقہ مرد صالح اور حسن الحدیث ہیں اور فرمایا کہ
ان کے پاس ایک ہزار حدیث حسن ہے جو اور کسی
کے پاس نہیں ہے۔

(محوالہ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۵)

اندازہ فرمائیے کہ جب ایک محدث کے پاس ایک ہزار حسن حدیث ہے تو اوروں کے پاس کتنی حسن حدیثیں ہوں گی۔ تو کیا اب یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے اور اس پر کتا ہیں اور سائے لکھنے شروع کر دینے چاہئیں کہ حضرت امام بخاریؒ کم از کم ایک ہزار حدیث کے مستکر ہیں؟ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں؟ وغیرہ وغیرہ حاشا۔ وکلا کہ کسی اہل علم کے دل میں یہ وہم بھی گزرتا ہو۔ وہ یہی سمجھے گا اور سمجھتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ فن حدیث کے مجتہد ہیں، انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق جو شرطیں قبولیت روایت اور جواز عمل کے لیے لگائی ہیں، ان میں نہ صرف وہ محدود بلکہ مابور بھی ہیں۔ اسی طرح اگر امام ابو حنیفہؒ نے اپنے اجتہاد کے پیش نظر قبولیت روایت کے لیے کچھ شرطیں عائد کی ہیں اور جن لمعات میں ان کے خیال کے مطابق وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں تو انہوں نے ان کو نہیں لیا، بتائیے کہ ان کے اس ترک کی وجہ سے بھلا وہ کیونکر تارک حدیث یا مخالف حدیث قرار دیے جائیں گے کون ٹھکاند اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ جمہور ان کی عائد کردہ شرطوں میں ان کے ساتھ مناقشہ کر سکتے ہیں اور ان کی بات کو دلائل کے ساتھ رد کر سکتے ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ کی حقیقت بقاء اور عدم جواز العمل بالحدیث الحسن کی رائے کو جمہور نے رد کیا ہے مگر ان کو دشمن اسلام اور مخالف حدیث وغیرہ کے القاب سے بھی تو کسی بھلے مالس نے موسوم نہیں کیا لیکن جب باری آتی ہے امام ابو حنیفہؒ کی اور ان کے اصحاب کی تو پھر حسن ظنی کے تمام دروازے بند کر لیے جاتے ہیں۔ حیرانگی ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی

زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے

مولانا مبارکپوری صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ:-

”حدیث کی (قیود و شرائط) کے بارے میں جتنی تشدید، پابندی اور احتیاط امام ابو حنیفہؒ

نے کی ہے اور کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا“ (تحفۃ الخوادی ج ۲ ص ۱۵)

اس سے بڑھ کر امام ابو حنیفہؒ کا علم حدیث و روایت میں حزم و احتیاط کا اور کیا ثبوت

پیش کیا جاسکتا ہے؟ مگر نہ ماننے والوں کے لیے دفتر کے دفتر بے سود ہیں اور تسلیم کرنے والوں

کے لیے ایک صحیح بات بھی کافی ہے۔

تشنہ کا مانِ حقیقت کی تسلی کے لیے
مگر نہیں بحرِ رواں اک قطرِ شبنم ہے بس

احترامِ حدیث و حبِّ محدثین

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اور محدثین کرام کے ساتھ محبت کرنا ایک کھلی حقیقت ہے، اور بغیر کسی معاذ کے اور کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ امام نصر بن محمد دزوی (المتوفی ۲۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ ۱۔

لما أدرجنا الزم للأثر من أبي حنيفة
(المجواهر المضية ج ۲ ص ۱۷۱)
میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی اور شخص حدیث پر
جم ہلنے والا اور ڈٹ ہلنے والا نہیں دیکھا

امام الحسن بن صالح بن حمّٰی (المتوفی ۱۶۷ھ) جو امام القدوة الفقیہ اور العابد
تھے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حافظ اور متقن تھے۔ (برائت ذکرہ ص ۲۱) فرماتے ہیں کہ ۱۔

كان الثعالب بن ثابت فهما عالماً متبئاً في
علمه اذا سمع عنده الخبر عن رسول الله صلى
الله عليه وسلم لم يعبده الى غير -
(الاستبصار ص ۱۲۸ وقائيد الخطيب ص ۱۵۴)
ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابتؒ فہم عالم متبئان فی
جب ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
صحیح ثابت ہوتی تو اس سے غیر کی طرف وہ تجاوز
نہ کرتے تھے۔

حضرت امام طحاوی الحنفیؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کسی مسئلہ میں ایک
شخص سے بحث کر رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں ۱۔

فكنت ابو حنيفة فقال بعض اصحابه
الاجبية يا ابا حنيفة فقال بما احببته و
هو بعد ثني بهذا عن رسول الله صلى الله عليه
وسلم. (شرح عقيدة الطحاوية ص ۲۸۱)
امام ابو حنیفہؒ نا موش ہو گئے، ان کے بعض اصحاب نے
کہا اے ابو حنیفہؒ آپ اس کو کیوں جواب نہیں دیتے؟
انہوں نے فرمایا کہ وہ تو مجھ سے جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہے میں بس
گو کیا جواب دوں؟

اس واقعہ کو مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ بھی نقل کرتے ہیں اور آگے ارشاد فرماتے

ہیں کہ :-

”امام طحاویؒ کے اس حوالہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی تعظیم کرتے تھے، اس کے سونے کس طرح گزرنے لگتی تھیں۔ الخ (تاریخ اہل حدیث ص ۱۰۰)

علامہ خطیبؒ اور صدر الائمہؒ اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ بغداد کی طرف سامان تجارت بھیجا کرتے تھے اور اس سے ساز و سامان خرید کر کوفہ لاتے تھے اور اس سے جو کچھ بھی سالانہ لفع ہوتا تھا۔

فیشتی بہا حوائج المشیخ من المحدثین
و انواتہم و کسوتہم و جمیع حوائجہم۔
سو اس سے وہ شیخ محدثین کی ضرورت یا کی چیزیں ان کی خوراک لباس اور تمام ضرورت کی چیزیں خرید کر ان کو دے دیتے تھے۔

اور اس کے علاوہ نقد رقم بھی ان کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم ان رقم کو اپنی حاجات میں صرف کرو اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و ثناء بیان کرو کیونکہ میں نے اپنی طرف سے تمہیں کچھ نہیں دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس کو میں تمہیں دے کر سبکدوش ہوا ہوں۔

(تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۲۱ و مناقب مرقع ج ۱ ص ۲۶)

اور امام صدر الائمہؒ کی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ :-

وما کان یبدع ابداً من المحدثین الا بئس
مبتداً واسعاً (مناقب مرقع ج ۱ ص ۲۶ طبع حیدرآباد دکن)
امام ابوحنیفہؒ محدثین میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ
چھوڑتے تھے جس کے ساتھ وسیع پیمانے میں غلیہ
اور حنّ سلوک سے نہ پیش آتے۔

ان اقتباسات سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا حدیث اور محدثین سے والہانہ عشق و محبت اور
فریفتگی بالکل عیاں اور آشکار ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ :-

طریق عشق میں ہم یوں سنبھل سنبھل کے چلے
کہ جیسے ہاتھ میں لبریز جام ہوتا ہے

قلبت حدیث کا الزام

آپ نے گزشتہ اقتباسات سے یہ تو اندازہ کر ہی لیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا علم حدیث اور فن روایت میں کیا رتبہ اور مقام ہے؟ اور محدثین کرام نے ان کے بارے میں اس فن کے سلسلہ میں کیا کیا تعویض اور توصیفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں؟ مگر انتہائی حیرت اور بے حد حسرت کی بات ہے کہ بایں ہمہ حضرت موصوف پر قدیاً و حدیثاً جو الزامات تراشے اور پھوپے گئے ہیں ان میں ایک ان کے قلیل الحدیث ہونے کا بھی ہے حتیٰ کہ ان کو یتیم فی الحدیث کے لقب بلکہ تیسرے بھی زنجی کیا گیا ہے اور یہاں تک ان کی ناکہ بندی کے متعصبانہ منصوبے تیار کئے گئے کہ یہ بھی کہا گیا کہ ان کو تصرف سترہ حدیثیں معلوم تھیں اور اس کے اثبات کیلئے ان لوگوں نے مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون کے ایک نامکمل حوالہ کے دامن میں پناہ ڈھونڈی ہے جس کو وہ خود بھی یقال کے ساتھ نقل کر کے اس کی تضعیف و تمویض بیان کر رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کا مکمل حوالہ عرض کر دیں تاکہ سلیم العکب اور منصف مزاج حضرات اصل حقیقت کو دیکھ لیں۔

علامہ موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

واعلم ایضاً ان لائحة المجتہدین کثرت وکثرت
فی الکثیر من هذه الصناعة والاول قلیل
فابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقال بلفظ لائحة
الی سبعة عشر حدیثاً او نحوها و مالک رحمہ اللہ
تعالیٰ انما صمد عنده ما فی کتاب الموطا و غیرہا
ثلاث مائۃ حدیث او نحوها واحمد بن
حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسنده خمسین
الف حدیث و لعل ما اداہ الیہ اجتہادہ
فی ذلک وقد نقول بعض المبعضین
المتعصبین الی ان منہم من کان قلیل

اللہ تو یہ بھی جان لے کہ ائمہ مجتہدین حدیث کے فن
میں متفاد تھے ہیں کسی نے زیادہ حدیثیں بیان
کی ہیں اور کسی نے کم، سو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی روایتیں صرف
سترہ یا ان کے لگ بھگ ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ
سے جو روایتیں ان کے ہاں صحیح ہیں وہ وہی ہیں
جو موطا میں موجود ہیں جن کی تعداد تین سو کے لگ بھگ
ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مسند میں
پچاس ہزار حدیثیں ہیں اور ہر ایک سائے پائے اپنے
اجتہاد کے مطابق اس میں سعی کی ہے اور بعض بعض

البضاعة في الحديث قلها قلت روايتها
ولا سبيل الى هذا المعتقد في كبار النسخة اه
(مقدم ابن خلدون ص ۲۲۲ طبع مصر)

اور کج روی اختیار کرنے والوں نے اس جھوٹ پر کمر باندھ
لی ہے کہ ان ائمہ مجتہدین میں سے جن سے کم حدیثیں
مردی ہیں وہ محض اس لیے کہ ان کا سرمایہ ہی اس
فن میں اتنا ہے، لہذا ان کی روایتیں بھی کم ہیں۔
حالانکہ ان بڑے بڑے اماموں کی نسبت ایسا
خیال کرنا اور راست دُور ہے۔

غور فرمائیے کہ علامہ ابن خلدون کیا کہہ گئے ہیں؟ اور کس طرح ان مبغضین اور مستعصبین کے
تقول اور جھوٹ کا پول کھول دیا ہے، اور کس طرح ان کے زعم باطل اور ائمہ مجتہدین کے بارے
میں غلط روی کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں کہ ان اکابر ائمہ کے بارے میں
قلیل البضاعة في الحديث کا نظریہ ہی سرے سے باطل ہے اور ایسا بے بنیاد نظریہ
جو ان کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے وہ بقول اور جھوٹ ہے۔
الحافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی فرماتے ہیں کہ:-

وانما قلَّت الرواية عنه وان كان متبع
المحفظ لا شغاله بالاستنباط وكذا ألت
لعمري وعن مالك والشافعي إلا القليل
بالنسبة الى ما سمعاه

امام ابو حفص قزوینی باوجود کثیر المحفظ اور حافظ
حدیث ہونے کے روایتیں اس لیے کم مردی ہیں
کہ وہ استنباط مسائل میں مشغول رہتے تھے جیسا کہ امام
مالک اور امام شافعی سے ان کی سنی ہوئی حدیثوں
کی نسبت ان کی روایتیں کم ہیں۔

پھر اس بات کو مثال کے کر یوں واضح اور آشکارا کرتے ہیں کہ:-

كما قلَّت رواية امثال ابى بكر وعمر من
كبار الصحابة رضي الله تعالى عنهم بالنسبة
الى كثرة اطلاعهم وقد كثرت رواية
من دونهم بالنسبة اليهم اه

جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے اکابر
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایتیں ان کے
علم اور اطلاع کی نسبت کم ہیں حالانکہ ان سے کم
مرتبہ کے صحابہ کی روایتیں ان سے ہر جہاں
زیادہ ہیں۔

(عمر بن الخطاب باب ۲۲ بحوالہ تائیب طبع مصر)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ۹۰ھ میں سفر حج کے علاوہ اور کوئی قابل قدر موقع اور سفر ایسا نظر نہیں آتا جس میں حضرت ابو بکرؓ جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے کہیں الگ اور جدا ہے ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ کر حدیثیں اور کس کو معلوم تھیں؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی وکان ابو بکر اعلمنا (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۴) کہتے پر مجبور ہیں مگر بایں ہمہ ان سے جو روایتیں مروی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے اور اس کے برعکس حضرت ابو ہریرہؓ (باللغات) ۳۰ھ میں شلمان ہوئے ہیں مگر وہ ۴، ۵۳ روایتیں کرتے ہیں اور اسی طرح حضرت عمرؓ سے بھی بہ نسبت حضرت ابو ہریرہؓ حضرت انسؓ حضرت ابوسعیدؓ الخدیجی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت کم حدیثیں مروی ہیں تو کیا اب یہ کہہ دینا چاہیے کہ یہ حضرات صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے زیادہ بڑے محدث اور حدیث دان تھے؟ کوئی بھی مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بھی اگر روایتیں کم مروی ہیں تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ وہ فن حدیث میں کم مایہ تھے بلکہ وہ باوجود حافظہ حدیث مولیٰ کے تنہا مسائل میں مصروف رہے، اس لیے روایتیں ان کی کم ہیں جس طرح کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی باوجود محدث کامل ہونے کے روایتیں کم ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کے پاس بضاعت حدیث ہی اس قدر ہے۔ حاشا وکلا کہ کوئی مسلمان اس کا وہم بھی کر سکتا ہو اور ہم نے پہلے یہ بھی عرض کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی اطلاقی کتابوں میں ستر ہزار سے اوپر حدیثیں موجود ہیں اور کتاب الآثار انہوں نے چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کی ہے۔ پھر ان پر قلت حدیث کا الزام کس طرح عام کیا جاسکتا ہے؟

مقام افسوس ہے کہ حقیقت الفقه حصہ سوم ص ۱۸۵ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بے شک ایک مسلم اور محتاط، ذکی الفہم عابد زاہد متقی، پرہیزگار تھے لیکن علم حدیث میں کہ جس درجہ شرمندہ دین کہ ہے، ائمہ ثلاثہ یا دیگر خواص علماء امت سے کمتر پایہ رکھتے ہیں اور آپ زیادہ تراویح شیوخ خود سے مسائل استنباط کرتے تھے اسی وجہ سے امام اہل الامی کے مشورے

نہ اہل حدیث کے : (انتہی بلفظہ) سبحان اللہ !

بریں عقل و دانش بیاید گریست

غلطی کا سبب

اصل بات یہ ہے کہ جن اکابر محدثین نے روایت کے بارے میں کڑی شرطیں لگائی ہیں ان کی حدیثیں بہ نسبت ان حضرات کے جنہوں نے سہل انگاری سے کام لیا ہے کم ہی رہی ہیں یہ ایک کھلی ہوئی اور واضح حقیقت ہے کہ حضرت امام بخاری اور امام مسلم نے جو شرطیں احادیث کو صحیحین میں درج کرنے کے لیے لگائی ہیں وہ خود انہوں نے دوسری کتابوں کے لیے اور اسی طرح دیگر محدثین نے وہ شرطیں عام نہیں کیں بنا بریں صحیحین کے علاوہ روایت حدیث کا یہ دائرہ وسیع ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ آپ اگر کتاب مستدرک حاکم ہی دیکھ لیں جو امام حاکم نے بزرگم خویش حضرات شیعین کی شرطوں پر لکھی ہے تو اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں انہوں نے بعض نرمی موضوع اور جہلی روایتوں کو بھی علی شرط الشیخین صحیح کہہ دیا ہے۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر سے علامہ ذہبیؒ کو جنہوں نے ان کا تعاقب کر کے علماء کو صحیح راستہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ امام بیہقیؒ، علامہ خطیب بغدادیؒ، حافظ دارقطنیؒ اور اسی طرح اور محدثین کی کتابیں دیکھیں تو اہم شرح ہو کر یہ حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی کہ نرم شرطوں کے بعد روایت کا دائرہ کتنا وسیع ہو گیا ہے۔ سجۃ اللہ البالغہ اور عجالة نافعہ وغیرہ میں اسکی محقق بحث ملاحظہ کر لیجئے۔ اور اگر آپ متاخرین میں خطیب قسطلانیؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ کی کتابیں دیکھیں اور حدیث کے ساتھ کچھ متن بھی ہو تو حیرت کے مارے انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ کیسی کیسی باطل اور من گھڑت حدیثوں کی انہوں نے تصبیح اور تحسین کر ڈالی ہے۔ اور امام سیوطیؒ تو بعض بعض احادیث کے بارے میں ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ اس حدیث کو فلاں اور فلاں محدث اور ان کے علاوہ دیگر محدثین کرام کی ایک کثیر جماعت نے موضوع کہا ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں صرف ضعیف ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کو کہتے ہیں تنکوں کا پل اور بیشتر اپنی کتابوں سے مہتد عین مداری کی پٹاری کی طرح مفید مطلب جو عقیدہ اور عمل چاہتے ہیں، نکال لیتے ہیں اور حوالہ پر حوالہ دیتے چلے جاتے ہیں اور عوام الناس موٹی موٹی کتابوں اور میان کنندگان کے جہتوں اور گنبد نما عماموں کو دیکھ کر مغالطہ کھا جاتے ہیں اور اہل حق سے برسر پیکار نظر آتے ہیں۔ بعض دفعہ تو ایذا رسانی کے درپے بھی ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات

ایسا کر بھی چکے ہیں کیونکہ

دیریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا دھنسیاں ہے

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں جیسا کہ بعض کم ظرف لوگوں نے سمجھا ہے کہ ان کتابوں میں
سرے سے کوئی روایت ہی صحیح نہیں ہے، یہ دعویٰ بھی یقیناً اور قطعاً باطل ہے، ان کتابوں
میں ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو اصول کے خلاف نہیں۔ ان کی اسانید صحیح ہیں اور محدثین کرام
نے ان کو صحیح کہا ہے اور امت کا ان پر اعتماد اور عمل ہے۔ ہاں ان کتب کی سبب احادیث
کی صحت کا دعویٰ باطل ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ امکانِ لقاء پر اکتفا نہیں فرماتے
اور اسی طرح حدیث حسن کو معمول بہ قرار نہیں دیتے اس لحاظ سے ان کا دائرہ تنگ ہے گاؤ
ان امور میں ان سے اختلاف رائے رکھنے والے حضرات کا نطاق وسیع ہو گا اور اسی قدر
ان کی روایتیں بھی زیادہ ہوں گی۔ چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی روایت حدیث کے لیے
نہایت ہی سخت کڑی شرطیں لگائی ہیں، اس لیے قدرتی طور پر ان کی روایتیں بہ نسبت ان حضرات
کے کم ہوں گی جو یہ شرطیں عائد نہیں کرتے اور اس اعتبار سے امام ابو حنیفہؒ کو قلیل الروایہ کہا
جائے گا کہ ان کی روایتیں کڑی شرطیں نہ لگانے والوں کی نسبت سے کم ہیں نہ یہ کہ وہ فی نفسہ
فقہ روایت میں کم مایہ اور قلیل البضاعتہ ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو علامہ ابن خلدونؒ ہی سے
سن لیجئے وہ فرماتے ہیں کہ:-

والامام ابو حنیفۃ انتہا قلت روایتہ لما
مشدد فی شروط الترویۃ والتحمل وصنعت
روایۃ الحدیث الیقینی اذا عارضها الفغل
النفسی وقلت من اجلها روایتہ
فقل حدیثہ لا لانه قلت روایۃ الحدیث
متعینا الخاشاہ من ذالک ویدل

اور امام ابو حنیفہؒ کی روایتیں اس لیے کم ہیں کہ انہوں نے
روایت اور اس کے تحمل میں بڑی کڑی شرطیں لگائی ہیں
اور وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث یقینی کی روایت جب کہ
اس کے معارضہ میں فعل نفسی واقع ہو جاتی
ہے اور اس وجہ سے ان کی روایت اور حدیث میں
کمی واقع ہوئی ہے نہ اس لیے کہ انہوں نے جان بوجھ

علیٰ اللہ من حکبار المجتہدین فی

علمہ الحدیث اھ

(مقدمہ ص ۴۵)

کہ روایت حدیث کو ترک کر دیا ہے، ان کی ذات

اس سے بہت بلند ہے اور ان کے کبار مجتہدین فی علم

الحدیث ہونے کی یہ دلیل ہے (کہ رد و قبول ان کے مذہب

پر اعتبار کیا گیا ہے)۔

اس سے حضرت اہم ابو حنیفہ کے قلیل الحدیث ہونے کی وجہ صاف طور پر معلوم ہو گئی ہے کہ باوجود ان کے کبار مجتہدین فی علم الحدیث ہونے کے ان کی روایتیں اس بنا پر کم ہیں کہ ان کی روایت حدیث کے بارے میں شرطیں بڑی کڑی ہیں نہ اس لیے کہ وہ حدیث کا علم نہیں رکھتے یا عمدہ اس کو ترک کرتے ہیں فحاشا عن فالح۔

مناسبت تعجب ہے کہ بعض ایسے حضرات جو قلت حدیث کی اس اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوتے امام ابو حنیفہ کو سرے سے محدثین کرام کے دائرہ ہی سے نکال باہر کرنے کا ادھار کھاسے بیٹھے ہیں۔ جب ایسے ہی الفاظ دیگر اکابر علماء اُمت کی نسبت آتے ہیں تو وہاں وہ آستینیں چڑھا کر تاویلات کے تخیلے میں جواب تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تاریخ کے اوراق میں صریح اقوال کو بھی جو مورتوں کی چمک رہے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

محدث جلیل امام ابو قتادہ (المتوفی ۲۴۱ھ جو الحافظ الاوصد تھے، تذکرہ ۲ ص ۱۵۰، امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ اور مامون تھے، ایضہ ص ۱۶) سے حضرت امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام ابو عبیدہؒ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ان کی آپس میں علمی طور پر کیا نسبت ہے؟

فقال اما افہمہم فالشافعی الا انہ قلیل الحدیث (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۴۱)

اس حوالہ کے پیش نظر کیا ہم سچ مچ یہ کہنا شروع کر دیں کہ حضرت امام شافعیؒ حدیث کے علم میں بے مایہ تھے؟ اور ان کو حدیث کے فن میں مہارت ہی نہ تھی؟ حاشا وکلاً ہم یہی کہیں گے کہ اگرچہ ان سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کی طرح بکثرت حدیثیں تو مروی

نہیں اور نہ مسند احمد کی طرح انہوں نے پچاس ہزار حدیثوں کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے چھوڑا ہے بلکہ حدیث کے علم میں مستقل طور پر انہوں نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی۔ مسند شافعی ان کی اپنی تالیف نہیں ہے بلکہ وہ ابو العباس محمد بن یعقوب الاصمعی (المتوفی ۲۴۶ھ) جو الامام الشافعی اور محدث المشرق تھے، تذکرہ ج ۳ ص ۶۷ نے کتاب الامام اور مبسوط وغیرہ کتب امام شافعیؒ سے احادیث کا انتخاب کر کے ابو جعفر محمد بن مطر نیشاپوریؒ سے لکھوائی (ملاحظہ ہو کتاب التہذیب ص ۲۷۱ و ص ۲۷۲ مطبوعہ مجتبائی دہلی) مگر بایں ہمہ وہ چوٹی کے محدث اور استاد المحدثین میں اور اسی طرح امام النجاشیؒ والتعذیل امام ابو حاتم الرازیؒ (المتوفی ۳۵۴ھ) ابو الحافظ الامام اور العلما تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۲ کے اس ارشاد سے بھی ہم متاثر ہو کر ہرگز ہم ان کی شان کو گھٹانے پر آمادہ نہیں کہ:

كان الشافعي فقيهاً وله تكن له معرفة
بالحدیث (طبقات الحنفیہ ج ۲ ص ۱۲۷ لابن ابی یعلیٰ)
امام شافعیؒ فقیہ توستے لیکن ان کو حدیث کی معرفت نہ تھی۔

اگر حضرت امام شافعیؒ کو حدیث کی معرفت نہ تھی تو اور کس کو تھی؟ اور امام احمد بن عبد اللہ العجلیؒ کا یہ قول بھی ہمارے نزدیک قابل تاویل ہے جو انہوں نے حضرت امام شافعیؒ کے بارے میں فرمایا کہ:-

هو ثقة صاحب رأي وعلام ليس عتده
حدیث (الدرر المنیہ ج ۲ ص ۱۲۷ لابن خرقان طبع مصر) پاس حدیث نہ تھی۔

کیا ہم اس حوالہ کے پیش نظر امام شافعیؒ کو صاحب رائے کہہ کر محدثین کے بڑے مقابل بکھڑا کریں اور اصحاب رائے کی خدمت میں جو احادیث اور اقوال علماء آئے ہیں وہ سب ایک ایک کر کے ان پر چسپاں کر دیں؟ حاشا وکھلا کہ یہ وہم بھی ہمارے دل میں گزرتا ہو۔ ہم ان تمام امور کے صحیح معامل بیان کر کے سب علماء حق سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور بدگمانی اور سوءظن کو قریب بھی نہیں آنے دیتے اور ان حوالجات سے بڑھ کر شیخ الاسلام ابو عمر بن عبد البرؒ کا ایک حوالہ اور بھی ملاحظہ کر لیجئے:-

وقیل له، والشافعی کان یکذب؟ قال ما
 کرامہ یحییٰ بن معین سے سوال کیا گیا، کیا امام شافعی
 محبوب ہوتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نہ تو
 ان کی حدیث کو پسند کرتا ہوں اور نہ ان کے
 ذکر کو۔ (جامع بیان الصلحہ ۲ ص ۱۴۹)

یہ بات کیا نکل آئی کہ حضرت امام شافعیؒ کی حدیث تو رہی درکنار، ان کے نام و ذکر کو بھی
 امام یحییٰ بن معینؒ پسند نہیں کرتے۔ یہ کسی معمولی آدمی کی نہیں امام الجرح والتعديل اور سید الخلفاء
 کی بات ہے لیکن ہم ایسی باتوں کو پرکھاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتے، جو کلام الاقدان بعنہم فی
 بغض یا بغض و حد اور تعصب مذہبی اور بعد زمانہ اور غلط کار لوگوں کے بے جا پردہ سگینڈ اور غیر سے
 متاثر ہو کر صادر ہوتی ہوں یا کسی بے دین نے وضع کر کے ان کے ذمہ قیود دی ہوں۔ ہم نے
 یہ حوالجات محض اس لیے پیش کئے ہیں تاکہ غیر مقلدین حضرات ان سے عبرت حاصل
 کریں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے بارے میں اگر کسی کا کوئی قول اور جرح ایسی
 نظر آئے تو انصاف و دیانت کو ملحوظ رکھ کر اس کا کوئی اچھا عمل تلاش کریں اور تعصب مذہبی
 بغض و کینہ اور حد کی بدبودار گھٹری ہی سر پر نہ اٹھائے پھر یہ اور نہ خدام اسلام کو بدنام کرنے کی
 سعی کریں کیونکہ یہ

کوئی حملہ بھی طوفاں کا ڈبو سکتا نہیں اس کو
 مٹیا جو نئے ساحل پہ ہر موج رواں کھلے

حضرت امام ابو حنیفہؒ پر اسلام کو نقصان پہنچانے کا الزام
 امام موصوف پر جہاں اور بہت سے بے بنیاد الزام ترسے اور عائد کئے گئے ہیں وہاں ایک
 یہ سنگین الزام بھی تھوپا گیا ہے کہ ان سے اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ حضرت امام
 بخاریؒ نے اپنی سند کے ساتھ اور اسی طرح علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی سند کے ساتھ دونوں
 نے نعیم بن حمادؒ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام سفیان ثوریؒ کو جب امام ابو حنیفہؒ کی
 وفات کی خبر پہنچی تو فرماتے گئے کہ الحمد للہ کہ وہ مر گیا، وہ تو اسلام کی کڑیوں کا ایک ایک سلقہ
 توڑا تھا۔ اسلام میں اس سے بڑا بد بخت کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ (تاریخ صغیر امام بخاری ص ۱۷۸ طبع الہ آباد)

و تاریخ بغداد جلد ۳ ص ۲۹۸ طبع مصر

الجواب: نعیم بن حماد پر کتب اہل الرجال میں اچھی خاصی جرح موجود ہے کہ:-
 کان (نعیم بن حماد) یضع الحدیث فی نعیم بن حماد تقویت سنت کے لیے جعلی حدیثیں بنایا
 تقویۃ السنۃ وحکایات مزقودۃ فی کتابہ اور امام ابو حنیفہ کی قرین میں جھوٹی حکایات
 ثلب نعمان کلہا کذب۔ بنا بنا کر پیش کرتا تھا جو سب کی سب جھوٹی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳۳)

حضرت مولانا تیسر صاحب سیالکوٹی نے میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب
 ترغیب و ترہیب اور (سبط ابن العجمی ابراہیم بن الخلیل المتوفی ۸۴۱ھ کی کتاب) نہایت
 السؤل فی رواۃ السنۃ الاصول وغیرہ کے متعدد حوالجات سے نعیم پر کڑی جرح نقل کی ہے اور
 طویل بحث کے بعد فرمایا ہے کہ:-

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بناء پر حضرت
 امام ابو حنیفہ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں جن کو حافظ شمس الدین ذہبی جیسے ناقد الرجال
 امام عظیم کے معزز لقب یاد کرتے ہیں، حافظ ابن کثیر البیہقی میں آپ کی نہایت تعریف کرتے
 ہیں اور آپ کے حق میں لکھتے ہیں: احد الائمة الاسلام والتادة الاعلام واحد الارکان
 العلماء واحد الائمة الاربعة اصحاب المذاهب المتبوعة الخ

(تاریخ اہل حدیث ص ۶۴)

اور حضرت امام بخاریؒ کی تاریخ صغیر کا درجہ اور مقام بتاتے ہوئے مولانا مرحوم لکھتے
 ہیں کہ:-

اور یہ بھی یاد ہے کہ بخاریؒ نے اپنی صحیح کی طرح اپنی دیگر کتب میں صحت

لا التزام نہیں کیا الخ (تاریخ اہل حدیث ص ۶۴)

ان ٹھوس اور معنی خیز حوالجات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی شخص حضرت امام ابو حنیفہؒ
 کو (معاذ اللہ) دشمن اسلام اور اسلام کی گھنڈی گھنڈی توڑنے والا ثابت کرنے پر بضد ہے
 تو ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں اور نہ ایسے قصب اور عناد کا دنیا میں کبھی کوئی علاج

ہوا ہی ہے۔ اس کا علاج تو عالم آخرت ہی میں ہو سکے گا جس وقت لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ۔
یہ بات بھی عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ نعیم بن حمادؓ اہل سنت والجماعت کے مسکین کے
خلاف قرآن کو مخلوق کہتے تھے اور حکومت وقت کی بے راہ روی سے وہ بھی گرفتار کر لیے گئے
تھے۔ اسی قید اور حبس کے زمانہ کے بارے میں علامہ خلیفہؒ لکھتے ہیں کہ:-

فَجَبْرًا قِيَادَهُ فَاَلْتَقَى فِي حُفْرَةٍ وَلَمْ يَكُنْ ان کو ہتھکڑیوں کے ساتھ صاحب بن ابی داؤد کے حکم سے
وَلَمْ يَصِلْ عَلَيْهِ فَحَلَّ ذَالِكَ بِهِ حَسْبًا کیسے کر ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا اور تو ان کو گنہ نصیب
ابن ابی داؤد۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۴۱۴) ہوا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

اور ہمارے خیال میں یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہی کا نتیجہ تھا کہ نماز جنازہ
نہیں ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی لغزشوں سے درگزر فرما کر اپنی رحمت کے سایہ
میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین !

مشہور غیر مقلد عالم حافظ محمد عبد المتان صاحب (المتوفی ۱۲۳۴ھ) وزیر آبادی کے حالات
میں مولانا میر صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”آپ ائمہ دین کا بہت ادب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ جنت فرمایا کرتے تھے کہ
جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابو حنیفہؒ کی بے ادبی کرتا ہے اُس کا خاتمہ اچھا
نہیں ہوتا۔“ (مفصلہ تاریخ اہل حدیث ص ۴۲)

مولوی عبد اللہ صاحب پکڑا لوی جو مشہور غیر مقلد عالم اور جامع مسجد چنیا لڑالی لاہور کے
خلیفہ تھے، وہ بعض دیگر ائمہ دین اور اولیاء اللہ کی توہین کے علاوہ خصوصاً یہ کہا کرتے تھے
کہ امام ابو حنیفہؒ ان تمام فتنوں کا دروازہ ہے جس کی اندھی تقلید نے عوام کو گمراہ کر دیا ہے مگر اس پر
ایسی رجعت پڑی کہ وہ سکرے علم حدیث ہی کا منکر ہو گیا اور اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک جدید مگر
مملکت اور تباہ کن مذہب ایجاد کر گیا۔ غالباً ایسے موقع کے لیے کہنے والے نے کہا ہے کہ سچ
”ولی کے منہ سے جو نکلی تھی بات ہو کے ہی“

حضرت مولانا میر سیالکوٹیؒ (المتوفی ۱۳۵۵ھ) کا چشم دید واقعہ

کسی زمانہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب تیسرے پڑ بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف

کچھ کہنے اور لکھنے کا جنون سوار ہونے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مولانا مرحوم کے علم و تقویٰ اور بزرگانِ دین سے حُسنِ عقیدت کی برکت سے انہیں اس بڑائی سے محفوظ رکھا چنانچہ مولانا مرحوم خود لکھتے ہیں کہ :-

”اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لیے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آگیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سوچ پڑی طرح روشن تھا یکایک میرے سامنے گھٹپ اندھیرا چھا گیا گویا ظلمتِ بعضیٰ فوق بعض کا نظارہ ہو گیا۔ معاذ اللہ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے، اس سے استغفار کرو میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کیے، وہ اندھیرے فوراً کافر ہو گئے، اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اُس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے حُسنِ عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی، اور میں اُن شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حُسنِ عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرینِ معاصیہ قدسیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے اَفَتَاُفِنُهُ عَلٰی مَا يَدْعٰی بِنِیْ اِنِّیْ سَلَمٌ وَّ اِنِّیْ سَلَامٌ اور ہشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے“

(لفظہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۴)

حضرت امام صاحب اور آپ کے اصحاب پر ہینر کر نیکاحکم

بعض حضرات نے اپنی کتابوں میں کچھ ایسے خواب بھی ذکر کئے ہیں جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے طریقہ اور فقہ سے کناؤکشی کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ مؤلف تلک التعلید نے بھی حضرت مولانا تھانویؒ (المتولیؒ) کے چھاپہ والے خواب کا اور اس کی تعبیر کا جواب دینے کے سلسلہ میں بزمِ خود الزامی جواب کے نام سے یہ بیان خواب

بغدادی کے حوالہ سے نقل کئے ہیں۔

- ① محمد بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور یہ سوال کیا کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے کلام کو دیکھنا اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ کیا میں اس پر نظر عمل کر سکتا ہوں؟ آپ نے تین مرتبہ فرمایا لا، لا، لا (نہیں، نہیں، نہیں)۔
- ② سعید بن عبد العزیز کے پاس کسی شخص نے یہ خواب بیان کیا کہ مسجد کے مشرقی دروازہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ اور دیگر بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ وہاں موجود تھے اور قوم میں میلے پکیلے کپڑوں والا ایک شخص بھی تھا تو آپ نے فرمایا کہ تم پہچانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ یہ ابو حنیفہؒ ہے جو اپنی عقل سے لوگوں کو فتنی و فاجر پر جبری کرتا ہے۔

③ عامر طائی کا بیان ہے کہ میں نے غصب میں دمشق کی سیڑھیوں پر لوگوں کو مجتمع پایا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ایک دو سگر شیخ کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ اس شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بدل دیا ہے۔ میں نے پہلو میں بیٹھے ہوئے رفیق سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت ابوبکرؓ ہیں جو ابو حنیفہؒ کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہیں۔ (مصلہ مترجمانہج التعلید ص ۳۹)

الجواب :- پہلا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۲ طبع مصر میں ہے جس کی سند میں محمد بن حماد ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ (المتوفی ۱۳۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ :-

محمد بن حماد وضع معصوف من اصحاب
مقاتل بن سیمان المروزی شیخ المسند ۱۴
محمد بن حماد وضع معصوف من اصحاب
مقاتل بن سیمان المروزی شیخ المسند ۱۴
(مناہب الخطیب ص ۱۳۱ طبع مصر) سے تھا۔

دوسرا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۲ میں ہے۔ علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن عبد العزیزؒ یہ خواب ایک مجہول شخص سے نقل کر رہے ہیں۔ نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ (مصلہ ناہب الخطیب ص ۱۳۶)

اور تیسرا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۲ میں ہے۔ علامہ کوثریؒ ہی فرماتے ہیں کہ اس کی

سند میں ابوالفتح محمد بن المنظر الخياط ہے جس کو بغیر خلیفہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور نہ خلیفہ کے بغیر کسی اور نے اس سے روایت کی ہے اور اس کا شیخ صاحب قوت القلوب سالمیہ فرقہ کا آدمی تھا جس کے بارے میں خود خلیفہ بغدادی ہی یہ فرماتے ہیں کہ صفات خداوندی کے بارے میں اس سے بہت سی ہنر کشادہ بھی آئی ہیں ابھر تعجب ہے کہ خلیفہ بغدادی اس سے روایت بھی لیتے ہیں (تانیہ ص ۱۳۴)

انصاف سے فرمائیے کہ ایسی ضعیف کمزور اور ناقابل اعتبار اسانید سے حضرت امام ابوحنیفہ کی توہین کیسے ثابت کی جاسکتی ہے اور ان پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ مؤلف تاریخ التعلیق کا عوام کو مرعوب کرنے کے لیے یہ لکھنا کہ تاریخ بغداد وہ بابرکت کتاب ہے کہ جس کے سننے کے لیے خود حضور تشریف لائے، جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے تذکر الخلفاء (جلد ۲ ص ۲۲۱ ح ۲۲۱) میں لکھا ہے اور ہندوستان میں بھی عامل المثنیٰ ترجمہ امام محمدی کے نام سے مشہور ہے، انتہائی بلفظہ (حاشیہ) بغیر ان کی جہالت کے اظہار کے اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جہالت تو اس لیے کہ تاریخ خلیفہ بغداد کی چودہ مبسوط جلدیں ہیں اور ان سب کا ترجمہ نہیں ہوا۔ بلکہ بعض غیر مقلدین کے خاص ایثار و قربانی سے اس کے صرف اسی حصہ کا امام محمدی کے نام سے ترجمہ ہوا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مثالب اور کچھ بدلے نام مناقب پر مشتمل ہے۔ اس ترجمہ کا مقصد بھی مخفی نہیں ہے۔ ج۔ اتنی سی بات کتنی جیسے افسانہ کر دیا۔

حیرت ہے کہ مؤلف مذکور کس طرح تاریخ بغداد کے ترجمہ کا مطلق حوالہ دے رہا ہے، لَحْوَالٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

خواب کا شرعی حکم

اگرچہ جواب کے لیے گزشتہ بالاعتقاد بالکل کافی ہے لیکن ہم اس میں ایک اصول بات عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ کسی کم فہم کو شبہ باقی نہ رہے۔

حضرت امام محی الدین النووی الشافعیؒ حدیث من رانی فی المتام فقد رانی کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ خواب میں آپؐ کا دیکھنا تو صحیح ہے اور اس میں پریشان خیالات اور تمبیس شیطان کا کچھ دخل نہیں ہو سکتا لیکن اس سے کسی حکم شرعی کا

اثبات جائز نہیں کیونکہ غینہ کی حالت سننے والے کے لیے ضبط و تحقیق کی حالت نہیں ہوتی۔ اور محدثین کا اتفاق ہے کہ قبول روایت اور ثبات کی شرط یہ ہے کہ راوی بیدار ہونہ یہ کہ وہ مغفل، سنی المخطئہ، کثیر المخطئہ، اور محمل الضبط ہو اور سونے والے کی یہ حالت نہیں ہوتی، اس لیے اس کی روایت قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا ضبط محتمل ہوتا ہے (شیخ مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)

مولانا مبارکپوری صاحب علامہ عینی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:-

”کیا وہ حدیث جو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی جائے محبت اور قابل استدلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہلا کہ وہ حجت نہیں کیونکہ حدیث کے قابل استدلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ راوی سماع کے وقت ضابطہ ہو اور حالت غینہ ضبط کی حالت نہیں ہوتی۔“ (مقدمہ تحفۃ السحوذی ص ۱۵۲)

اور اپنا فیصلہ یوں لکھتے ہیں کہ ”میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کی (خارجی طور پر) صحت معلوم نہ ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں تصحیح کرنے سے صحیح نہیں ہو سکتی اور اسی طرح کثرت امام سے بھی وہ صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ حکم خواب میں آپ کے قول سے ثابت نہیں ہو سکتا، ہاں اس کا ثبوت آپ کے حیات و نبوی میں ارشاد سے ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ بریں تصحیح حدیث کا دار و مدار اسناد پر ہے۔“ (مقدمہ تحفۃ السحوذی ص ۱۵۲)

۱ اور خواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ:-

”واگرچہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقت و شیطان بدایں متمثل نمیشود و لکن نائم از اہل تحمل روایت نیست بنا بر عدم حفظ خود“ ۱ھ

(ہدایۃ المسائل الی اقلۃ المسائل ص ۴۲)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ:-

”مگر تیم اجماع اہل شرح است برآنکہ هیچ حکم از احکام شریعت بواقعات و مناسبات نہیں ثابت نمی شود“ ۱ھ (فتۃ العینین طبع مجتبائی دہلی)

ان تمام اقتباسات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ارشاد سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ نہ اس لیے کہ معاذ اللہ وہاں بلیس شیطان

کا کچھ اثر اور دخل ہوتا ہے اور نہ اس لیے کہ محاذ اللہ آپ کا ارشاد اور قول جنت میں بلکہ محض اس لیے کہ بجا لست فیئذ انسان تختل اور مضبوط کے وصف کمال سے محروم ہوتا ہے اور روایت اور سند حدیث کے لیے یہ ایک بنیادی شرط ہے کہ راوی ضابط ہو۔ لہذا اس پر کوئی شرعی حکم مبنی نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اس پر کوئی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، اور اس کے متعلق بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ ۷

یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی دید کہیں
حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی تائید میں خواب

اس سابق اصولی بحث کے پیش نظر نہ تو ضرورت ہے نہ حاجت کہ ہم امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی منقبت اور فضیلت خوابوں سے ثابت کریں اس لیے کہ مجبوراً امت کے ہر ایک طبقہ نے ان کی فضیلت کے لیے جو کچھ فرمایا ہے وہ کیا کم ہے؟ اور ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ خواب کے کوئی حکم ثابت ہوتا بھی نہیں اور نہ اس پر کسی شرعی حکم کا دار و مدار ہی ہے لیکن باقی ہم باحوالہ چند خواب عرض کرتے ہیں تاکہ غیر متقدمین حضرات یہ بھی معلوم کر لیں کہ جہاں دیکھنے والوں نے اپنی طبعی ساخت اور افتاد کے مطابق وہ خواب دیکھے ہیں، اسی طرح ان کے برعکس اپنی استعداد کے موافق دیکھنے والوں نے ان کی فضیلت اور عزت کے خواب بھی دیکھے ہیں اور خود حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی ایسے خواب دیکھے ہیں جن سے ان کی جلال و عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیں :-

○ علامہ خلیفہؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن مہران نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ نے خواب دیکھا جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کو کرید رہے ہیں، انہوں نے ایک قاصد حضرت محمد بن سیرینؒ کے پاس اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے بھیجا، انہوں نے فرمایا کہ صاحب خواب کون ہے؟ قاصد نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوبارہ انہوں نے دریافت کیا مگر وہ خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ سوال کیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ :-

صاحب هذه الرؤيا يشير على ان سبته
یہ خواب دیکھنے والا ایسے علم کی نشر و اشاعت کریگا

الیہ احد قبلہ، قال هشام فنظر ابو حنیفۃ
 وقتلہ۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۵)
 جس کو اس سے پہلے کسی نے شہر نہیں کیا ہو گا شام
 فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے نظر و فک کے بعد اس
 میں سب کشائی کی۔

اور امام ابن حجر مکیؒ نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۶۴)
 اور یہ خواب علامہ ابو سعد عبد الکریم السمعانیؒ (المتوفی ۵۶۲ھ) جو الحافظ البارع اور العلمہ
 تھے قذک ج ۴ ص ۱۰۱ نے بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے کتاب الانساب ودق ۱۹۶)
 امام کروریؒ، مولیٰ طاش کبرنی زاوہ الحنفیؒ (المتوفی ۹۶۲ھ) اور امام ابن حجر مکیؒ اسی خواب
 میں یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ :-

کانه ینبش قبره علیه السلام ویجمع عظامه
 الی صدره الخ مناقب کروری ج ۱ ص ۳۳۲ فصل العاقۃ
 یعنی گویا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک
 کو کرید کر ان کے وجود مسعود کو اپنے سینہ سے
 ج ۲ ص ۵۸ والخیرات الحسان ص ۲۶ لگاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفیؒ جس کی بنیاد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے رکھی ہے اس کا
 اصل ماخذ و منتہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جس کو امام صاحب
 موصوفؒ نے خداداد بصیرت اور تاخیر تدبیر سے قرآن و حدیث سے کرید کرید کر نکالا ہے اور
 اپنے اجتہاد و استنباط سے اس کو چار چاند لگاتے ہیں جو چار دانگ عالم میں چمک اور پھیل کر لوگوں
 کے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا ہے۔ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ :-

وما اشتغل بالدعوة ای بشفعة الناس
 الی مذہبہ الا بالاشارة النبویة فی المنام الیہ
 لیدعوہم الی مذہبہ الخ الخیرات الحسان
 امام ابو حنیفہؒ اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت
 دینے میں اشارۃ نبویہ کے بعد مشغول ہوئے جو ان کو
 خواب میں ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس کی طرف
 دعوت دیں۔ (طبع مصر)

② امام صدر الائمہ مکیؒ اپنی سند کے ساتھ مسند بن عبد الرحمن البصریؒ سے روایت کرتے ہیں وہ
 فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام (یعنی حجر اسود اور مقام ام ابیہیم) کے درمیان سو گیا۔ خواب میں میرے
 پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا تو اس جگہ سوتا ہے؟ یہ تو وہ مقام ہے جس میں جو دعائی اللہ تعالیٰ سے

کی جائے، اس کی قبولیت میں کوئی حجاب واقع نہیں ہوا۔ چنانچہ میں اپنی ہینڈ سے بیدار ہوا اور جلدی سے مسلمانوں اور مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ دعا کرنے لگا۔ اسی اثنا میں مجھ پر پھر ہینڈ کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا۔ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بالکل میرے قریب ہیں :-

فقلت یا رسول اللہ ما تقول فی هذا الرجل
الذی بالكوفة النعمان ؟ أخذ من علمہ
فقال لی صلی اللہ علیہ وسلم خذ من
علمہ واعمل بہ فنعم الرجل ۔

میں نے کہا یا رسول اللہ ! آپ اس شخص کے بارے
میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں رہتا ہے اور اس کا
نام نعمان ہے ؟ کیا میں اس سے علم حاصل کروں ؟
آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے علم لے اور اس پر
عمل کرو تو اچھا آدمی ہے ۔

میں اپنی ہینڈ سے بیدار ہی ہوا تھا کہ صبح کی نماز کے لیے صدا بلند کرنے والے نے آواز بلند
کی اور میں بخیر النعمان بن ثابتؓ کو سب لوگوں سے بڑا سمجھتا تھا لیکن اب میں اللہ تعالیٰ سے
معافی مانگتا ہوں کہ یہ کوتاہی مجھ سے سرزد ہوئی ۔ (مناقب مرفوعہ ج ۲ ص ۲۵)

اور یہ واقعہ امام ابن حجر مکیؒ نے بھی نقل کیا ہے ۔ (الخیرات الحسان ص ۶۵)

③ ازہر بن کیسانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے
پچھے پیچھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے ۔ میں نے ان دونوں بزرگوں سے دریافت کیا کہ کیا
میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں ؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سوال کرو مگر آواز بلند نہ کرنا۔ چنانچہ میں نے
آپ کے امام ابو حنیفہؒ کے علم کے بارے میں سوال کیا کیونکہ مجھے ان سے کوئی حشر ظنی نہ تھی ۔

فقال هذا علم انفتح من علم الخضر ۔
(الخیرات الحسان ص ۶۷)

تو آپ نے فرمایا کہ یہ علم تو خضر علیہ السلام کے علم سے
(جو علم لدنی تھا) پھوٹ کر نکلا ہے ۔

④ ابو معالی الفضل بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کو دیکھا ۔

فقلت ما تقول فی علم ابی حنیفۃ فقال ذلک
علم یفتح الناس الیہ (الخیرات الحسان ص ۶۵)

میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ! آپ ابو حنیفہؒ کے
علم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا

کہ یہ ایسا علم ہے جس کے لوگ ممکن ہیں۔

⑤ علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ العلاد بن صاعد بن محمد سے روایت کرتے ہیں ، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک جگہ تشریف فرما ہیں اُن سے میں ابوالعباس احمد بن محمد بن عیسیٰ البرقی القاضی (المتوفی ۳۸۰ھ) تشریف لے آئے۔

فہم الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اٹھے اور
وصافہ وقبل بین عینیہ وقال مرہا . ان سے مصافحہ کیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے
بلذی یعمل بسنتی واشی . درمیان پرور دیا اور منہ مایا مر جا اس شخص کو جو
(تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۷) میری سنت اور حدیث پر عمل کرتا ہے۔

اور یہ قاضی صاحب فقہ میں ابوسیمان الجوزجانی کے شاگرد تھے اور انہوں نے امام محمد بن الحسن سے فقہ حاصل کی تھی اور

کتب الحدیث وصنف المسند . انہوں نے حدیث لکھی اور ایک مسند تصنیف
وکان ثقة ثباتہ یذکر بالصلاح . کیا اور وہ ثقہ ثبات اور محبت تھے بچی اور عبادت کے
والعبادة . (بغداد ج ۵ ص ۲۷) ساتھ ذکر کیے جاتے تھے یعنی صالح و عابد تھے۔
وحدث بحدیث کثیر (ج ۵ ص ۲۷) اور بہت سی حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں۔
الدارقطنی ثقة (ص ۲۷) امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔

اور صاف نظموں میں علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ :-

وکان رجلاً من خيار المسلمين دنیا عینا . وہ بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں دین دار
علی مذهب اہل العراق (ج ۵ ص ۲۷) اور پاک دامن تھے اور اہل عراق کے مذہب پرست تھے۔

اپنے مقام پر انشاء اللہ العزیز یہ بحث آئے گی کہ اہل عراق سے علماء حنفیہ مراد ہوتے ہیں اگر محض اوصاف پر کسی کا نفس مطمئن نہ ہو تو ہم تصور اسانفہ بھی پیش کر دیتے ہیں چنانچہ علامہ عبد الکریم شہرستانی لکھتے ہیں کہ :-

اہل العراق ہم اصحاب ابی حنیفہؒ اہل عراق سے امام ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت کے صاحب
النعمان بن ثابت اھ (الملل والنحل ص ۱۶۱) مؤرخ ہے۔

اس خواب کے پیش نظر کتنے بڑے شرف کا مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک حنفی عالم سے اٹھ کر مصافحہ کیا اور پیشانی پر پوسہ دیا اور مرحبا فرماتے ہوئے اس کو اپنی
سنت اور حدیث پر عمل کرنے والا فرمایا اور اپنی رضا کا پروانہ مرحمت فرمایا۔
میں بھی تو ہوں شریک نظام ہمارے گل
ہر شہنشاہ گلستاں پہ نہ کیوں مجھ کو گھسے

⑥ امام خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ مجموعہ سے روایت کرتے ہیں جواباً میں شمار
ہوتے تھے کہ میں نے محمد بن الحسن کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا کہ آپ سے کیا گزری؟ فرماتے
گئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تجھے علم کا ظرف اس لیے تو نہیں بنایا کہ میں
تجھے سزا دوں۔ میں نے کہا، تو ابیوسفؒ سے کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ مجھ سے بھی اوپر
ہیں تو میں نے کہا کہ :-

فما فعل ابو حنیفہؒ؟ قال فوق ابی یوسفؒ ابو حنیفہؒ سے کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ تو ابی
یوسفؒ سے بھی کئی درجات بلند ہیں۔

مرلی طاکش کجری زاوہ اور ابن عبد البرؒ یہ روایت دلیل نقل کرتے ہیں کہ :-

قلت فافعل بابی حنیفہؒ رحمہ اللہ قال ابو حنیفہؒ کا کیا حال ہے؟ جنہوں نے جواب دیا کہ
اعلیٰ علیین (مفتاح السعادة ج ۲ ص ۸۲) وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔

والا تفتأ ص ۱۳۵ والفظہ ہونی اعلیٰ علیین)

اس قسم کے اور بھی کئی خواب ہیں مگر ہمارا مقصد استیعاب نہیں، صرف یہ بتانا مقصود
ہے کہ امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کے علم اور فہم اور طرز و طریق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم بالکل راضی ہیں، اور خود رب تعالیٰ بھی ان سے راضی ہے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے
ان کو علم کا ظرف بنا کر بلند رتبہ عطا فرمایا ہے اور خصوصیت سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو اعلیٰ علیین
میں پہنچا دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا مقام ہے۔ سچ ہے کہ :-

اِس سعادتِ بزرورِ بازو نیست

تا نہ بخشہ خدا سے بخشندہ

ایسے ہی قسم کے عمدہ بہترین اور اعلیٰ خوابوں کو کاٹنے اور توڑنے کے لیے امام صاحبؒ اور ان کے اصحاب کے حاسدین نے اس کے برعکس کچھ خواب تراشے اور بیان کئے ہیں چنانچہ امام ابن حجرؒ، امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کے فضائل کے کچھ خواب بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۔

زعم بعض حاسد یہ انه رؤی له منامات
امام صاحب کے حاسدوں کے زعم میں ان (عمدہ)
بعض ثالث اھ (الخیرات الحسان ص ۱۵)
خوابوں کی منہ میں کچھ دوسری قسم کے خواب
بھی دیکھے گئے ہیں۔

امام ابن حجرؒ کا یہ جملہ بڑا صاف، صریح اور معنی خیز ہے۔ ہمیں اس کی اور زیادہ تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان روشن اور تابناک خوابوں کے معنی بالہ میں ان حاسدین کے ایسے خوابوں کا کوئی اعتراف نہیں ہے کیونکہ شمعِ فروزاں تاریکی کو کافر کر دیتی ہے۔

تاریکیوں میں دہر کی پہلے پہل الم
آئے تھے آپ شمعِ فروزاں لیے ہوئے

امام صاحبؒ کا اہل الرائے ہونا

یہ عنوان تمام سابق عنوانات سے زیادہ مستحقِ توجہ اور قابلِ غور ہے۔ اگر صحیح معنی میں یہ سمجھ آگئی تو بہت حد تک غلط فہمی دور ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص متعصب اور حسد کے نشے سے چور چور ہو کر غلط فہمی اور کم فہمی کو دولتِ عزیز سمجھ کر چھوڑنا ہی نہ چاہے تو اس کا بھلا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ کتبِ تاریخِ اسلام، طبعیات رجال اور مناقب وغیرہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا لقب امام اہل الرائے مذکور ہے جس سے بعض نا فہم لوگوں کو اچھی خاصی غور کر لگی ہے، اور بعض متعصب حضرات نے عمدًا اس پر دیز پردہ ڈال کر عوام کو اندھیرے میں بکھنے کی مذموم سعی کی ہے، اور بجائے اس کے کہ اس بات کو تاریخی حقائق کے واضح حوالوں سے حل کر کے اس میں

سلجھاؤ پیدا کرتے مزید الجھاؤ پیدا کر کے اس کو ایک چستان اور معتمہ بنا رکھا ہے۔ اس لیے ہم اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ امام ابوحنیفہؒ امام اہل الرأی تھے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا اہل الرأی ہونا لغوی اور شرعی لحاظ سے مذموم اور موجب تنقیص ہے؟ یا محمود اور باعث فضیلت ہے؟ اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کس معنی میں اہل الرأی تھے اور کس موقع اور محل پر وہائے سے کام لیا کرتے تھے؟ ان امور پر ہم اصولی بحث عرض کرتے ہیں۔ غور فرمائیے۔

رائے کا لغوی اور اصطلاحی معنی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے پہلے رائے کا لغوی معنی عرض کریں تاکہ اس کی تہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری باقی نہ رہے۔

علامہ ابوالفتح ناصر الدین المظاہری الحنفیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ :-

الرأی ما اتقاه الانسان واعتقده ومنه ربيعة الرأی بالاضافة فتيه اهل المدينة
رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے اور اسی سے اضافت کے ساتھ ربيعة الرأی ہے جو اہل مدینہ کے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی نہ کوئی نظریہ یا اعتقاد نہ ہو تاکہ مشہور لغوی علامہ ابوالفضل القرشیؒ (المتوفی ۸۰۰ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ :-

”رائی دیدن بدل۔ وینائی دل۔ (صراح ص ۵۵) رائے دل کی بصیرت اور بینائی کو کہتے ہیں۔“

ظاہر بات ہے کہ دل کی روشنی اور بصیرت خداوند عزیز کا خالص عکس اور مہبت ہے۔ وہ کوئی بڑی مذموم شے نہیں، بخلاف اس کے دل کا اندھا پن انتہائی طور پر مذموم ہے آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بلاوجہ تو نہیں کہ فَإِنَّهَا لَا تَعْنَىٰ الْإِبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْنَى الْقُلُوبِ الَّتِي فِي الصُّدُورِ سچ کہا گیا ہے کہ اسے

مجھے ڈر ہے دل زندہ گو نہ مر جائے

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ) نقل کرتے ہیں کہ :-

والرأی هو نظر القلب يقال رأی رأياً
بدل دید و رأی رؤیا بغیر تنوین خواب دید و رأی
رؤیہ پشم دیدار (مقدمۃ الملمع ص ۲)
رأی کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ کہا
جائے کہ رأی رأیا اس نے دل کے ساتھ دیکھا
اور رأی رؤیا بغیر تنوین کے، اس نے خواب میں دیکھا
اور رأی رؤیہ اس نے آنکھوں سے دیکھا۔

علامہ ابن اثیر الجوزی الشافعی (المتوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ :-

والحدیث یسمون اصحاب القیاس
اصحاب الرأی یعنون انہم یلحدون برأیہم
فیما یثکل من الحدیث او ما لویات فیہ
حدیث عاۃ اشر
محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب الرأی کہتے ہیں اس
سے وہ مُراد یہ لیتے ہیں کہ وہ مشکل حدیث کو اپنی رائے
اور مجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مقام پر وہ اپنے قیاس
اور رائے سے کام لیتے ہیں جس میں کوئی حدیث

(سنایہ ص ۱۹) اطلع مصر و مقدمہ تحفۃ الاحمدی ص ۲۱) موجود نہیں ہوتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الرأی وہ حضرات ہیں جو مشکل احادیث اور غیر منصوص مسائل
کو اپنے تاخر تدبیر اور دل کی بصیرت سے حل کرنے کے ٹوگر ہوتے ہیں اور محدثین کرام اسی معنی
میں ان کو اہل الرأی کہتے ہیں۔

اور کم و بیش یہی الفاظ میں محدث جلیل الشیخ محمد طہر الحنفی کے (ملاحظہ ہو مجمع البحار ص ۱۵۵)
علامہ شرف الدین الطیبی الشافعی (المتوفی ۷۲۸ھ) نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کچھ
ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے اہل الرأی کی کچھ تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ملا علی القاریؒ
ان کے ساتھ مناقشہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

یشم من كلام الطیبی رخصة الحکماۃ
الاعتراضیة علی العلماء الحنفیة ظنا منه
انہم یقدمون الرأی علی الحدیث ولذا یسمون
اصحاب الرأی ولہدید انہم انما استموا
بہذا لث لدقہ رأیہم وحذاقہ عقلمہم الخ
رائے کو حدیث پر قدم سمجھتے ہیں اور اسی سبب ان
کو اصحاب الرأی کہا جاتا ہے مگر علامہ طیبی یہ نہیں
سمجھے کہ ان کو اصحاب الرأی اس لیے کہا جاتا ہے کہ
ان کی رائے دقیق اور عقل تیز ہوتی ہے۔

(مرقات ج ۲ ص ۸۷ و مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۸)

اس سے معلوم ہوا کہ علماء حنفیہ کو اصحاب الراۃ اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ معاذ اللہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بلکہ وہ اس لیے اصحاب الراۃ کہلاتے ہیں کہ ان کی رائے بڑی دقیق، عقل بڑی تیز اور بصیرت بڑی گہری ہوتی ہے، اور حدیث کے مشکل معانی کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حافظ مہدی امام ربیعہ بن ابی عبد الرحمن الراۃ (المتوفی ۱۳۶ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:-
 وکان اماماً حافظاً فقیہاً مجتہداً بصیراً وہ امام حافظ، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے
 بالرائۃ ولذا لک یقال لہ ربیعۃ الراۃ بڑے ماہر تھے اسی لیے ان کو ربیعۃ الراۃ کہا
 (تذکرہ ج ۱ ص ۱۴۸) جاتا ہے۔

امام احمد، محدث بخاری اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ فقہ تھے (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۵۵)
 اور علامہ خلیب بغدادی فرماتے ہیں کہ وہ فقہ و عالم اور حافظ فقہ و حدیث تھے (ایضاً ص ۲۱)
 امام بخاری بن سعید القطان ارشاد فرماتے ہیں کہ:-
 مارأیت احداً اشدَّ عقلاً من ربیعۃ میں نے ربیعہ سے زیادہ پختہ عقل والا کوئی نہیں
 (ایضاً ج ۸ ص ۲۲۳) دیکھا۔

عبد العزیز بن ابی سلمہ کا بیان ہے کہ میں جب عراق میں داخل ہوا تو اہل بسراق میرے
 پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تم ربیعہ کی کوئی بات سناؤ جو اپنی رائے سے کام لیتے ہیں۔ میں
 نے کہا کہ تم ربیعہ کو صاحب رائے کہتے ہو؟ حالانکہ
 لا والله مارأیت احداً احوط لسنۃ منہ بخدا میں نے ان سے بڑھ کر سنت میں محتاط اور
 (بغدادی ج ۸ ص ۲۲۳) کسی کو نہیں دیکھا۔

اور علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ:-
 وکان ثقة کثیر الحدیث وکانوا یتقونہ ربیعہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے لیکن لوگ ان سے
 لموضع الداعی۔ (بغدادی ج ۸ ص ۲۲۸) صاحب رائے ہونے کی وجہ سے پرہیز کرتے تھے۔
 وادبیجئے اس گریز و اجتناب کی کہ ربیعہ جیسے حافظ حدیث، متبع سنت اور ثقہ و ثابت

سے پرہیز کرنے والوں نے محض اس لیے اجتناب اختیار کیا کہ ان کے نام کے ساتھ صاحب الرائی کا لقب چسپاں تھا۔ پھر بھلا اس وہم کا کیا علاج ہو سکتا ہے جو ظنوں بلکہ افانوں کے دبیز پردوں میں صدیوں سے چھپا چلا آتا ہو۔ مگر بایں ہمہ

اہل دانش کی نگاہوں سے یہ پوشیدہ نہیں
اک حقیقت بھی ہوا کرتی ہے افانوں کے ساتھ

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ امت کے ائمہ مجتہدین دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ تیسرا گروہ یہاں کوئی ہے ہی نہیں۔ ایک اصحاب حدیث اور دوسرے اصحاب الرائی۔ اصحاب حدیث اہل حجاز میں جو امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤدؒ بن علی الصبرانیؒ کے پیروکار ہیں۔
پھر آگے لکھتے ہیں کہ:-

واصحاب الرائی وہم اهل العراق هم
اصحاب الرائی اہل عراق میں جو ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے اصحاب ہیں۔

(کتاب الملل والنحل ج ۲ ص ۱۳۶)

اور پھر ان کے اصحاب الرائی ہونے کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ:-

وانما سموا اصحاب الرائی لان عنايتهم بتجليل
وجه من القياس والمعنى المستنبط من الاحكام
وبناء الحوادث عليها وربما يفتنون القياس الجلي
على احاد الاخبار وقد قال ابو حنيفة علمنا هذا
راي وهو احسن ما قدرنا عليه فمن قدر على
غير ذلك فله ما راى ولنا ما راينا اهـ
(الملل والنحل ج ۲ ص ۱۳۶ علی ما مشہد کتاب النہج)

اور ان کا نام اصحاب الرائی اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ
قیاس کی علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں اور اس
معنی کے حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں جو احکام
سے مستنبط ہوتا ہے اور حواشی کو ان پر مبنی قرار دیتے
ہیں اور کبھی وہ قیاس جلی کو خبر واعد پر مستند بھی
کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے خود فرمایا کہ ہمارا یہ علم
سوائے جس پر ہم پوری سعی کے ساتھ قادر ہو۔ نئے
ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا
ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے جیسا کہ ہمیں سوائے کا حق ہے۔

اگرچہ مذکور بالا اکابر امت حدیث و فقہ کے جامع امام تھے یعنی جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ حدیث سے بے بہرہ نہ تھے، اسی طرح دیگر اکابر فقہ و اجتہاد کی صفت سے محروم نہ تھے، مگر جب ان دونوں صفتوں کا تقابل اور توازن کیا جائے تو یہ کہنا قطعی طور پر صحیح ہے کہ دوسرے ائمہ میں روایت اور حدیث کی حفاظت اور خدمت کا وصف غالب ہے اور وہ بائیں وجہ صاحب الحدیث کے لقب سے موسوم ہوئے اور امام ابو حنیفہؒ پر باوجود حافظ حدیث ہونے کے اجتہاد و فقہ کا اعتبار کا وصف غالب تھا۔ یہی وجہ وہ اہل الرائے کہلاتے نہ یہ کہ وہ حدیث سے بے پروا ہو کر صاحب رائے بنے۔ علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ:-

وانقسم الفقہ فیہم الی طریقین طریقة اہل
الرأی والقیاس وہم اہل العراق وطریقة
اہل الحدیث وہم اہل الحجاز وکان الحدیث
قلیلًا فی اہل العراق لما قلة منہ فاستکثروا
من القیاس ومہروا فیہ فلذلک قیل اہل
الرأی ومقدم جماعتہم الذی اسقروا
المذہب فیہ وفی امصابہ ابو حنیفہ اھل
ومقدمہ ملکا لابن خلدونؒ طبع مصر و
مقدمہ تحفة الاحوذی ص ۱۲۱)

علم فقہ ان میں دو قسموں میں بٹ گیا ایک طریقہ اہل رائے
اور قیاس کہتے اور وہ اہل العراق ہیں اور دوسرا طریقہ
اہل الحدیث کا ہے اور وہ اہل الحجاز ہیں اور اہل عراق
میں حدیث کم تھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ
حدیث کے بارے میں ان کی شرطیں کڑی تھیں) اس لیے
انہوں نے بکثرت قیاس سے کام لیا اور اس میں ان کو
مہارت حاصل ہو گئی اور اسی مہارت فی القیاس کی وجہ
سے ان کو اہل الرائے کہا جاتا ہے اور اس جماعت
کا پیشرو جس کی اپنی وجہ سے اور اس کے اصحاب
کی رسالت سے یہ مذہب حنفی قرار پایا ہے امام ابو حنیفہؒ ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی علامہ ابن خلدونؒ ہیں جنہوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو من کبار المجتہدین
فی علم الحدیث کے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور جن لوگوں نے امام موصوف کو قلت حدیث
کی گزند قرار سے زخمی کرنے کی نامبارک سعی کی تھی ان کو علامہ ابن خلدونؒ نے المبغضین اور
المتحسین کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور صاف بتایا ہے کہ چونکہ امام صاحب کی شرطیں
روایت کے بارے میں سخت اور کڑی ہیں اس لیے ان سے روایتیں بہ نسبت ان محدثین
کرام کے جن کی شرطوں کا دائرہ بڑا وسیع ہے کم ہیں نہ اس لیے کہ فن روایت حدیث

میں وہ بے بساعت اور کم مایہ تھے اور جب ان کے قیاس و اجتہاد اور فتوے کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے سر پر مہارت فی القیاس کا سنہری سہرا باندھتے ہیں اور صریح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:-

ومقامہ فی الفقہ لا یطوق شہد لہ منہ الذل
اہل جلدتہ وخصوصاً مالک والشافعیؒ
فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں کوئی دوسرا
ان کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان ہی کے طبقہ کے حضرات
اور خصوصیت سے امام مالک اور شافعیؒ نے اس کی
(مقدمہ ص ۴۴)

شہادت دی ہے۔

ان دو گروہوں کے علاوہ ایک تیسرے گروہ کا ذکر بھی کتب اختلاف و تاریخ میں آتا ہے جن کو اہل الظاہر کہا جاتا ہے مگر ان کو اپنی تنگ نظری اور خشک مزاجی کی وجہ سے کبھی کوئی فروغ حاصل نہیں ہوا جن کا اہم نظریہ ترک تقلید اور فقہ سے اختلاف تھا اور دعویٰ یہ تھا کہ صرف قرآن و حدیث ہی کو پیش نظر رکھا جائے اور بس۔ مگر اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام عالمگیر مذہب تاقیامت باقی رہنے والا دین ہے اور نہایت سے مسائل و حوادث اور نوازل و واقعات کا پورا حل بغیر فقہ و اجتہاد اور استنباط کے کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اہل الظاہر کسی وقت کچھ ابھرنے کے باوجود بھی تقریباً دنیا میں ناپید ہی ہوئے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون ہی لکھتے ہیں کہ:-

ثم درس مذهب اہل الظاہر الیوم
بعد روس الثمت (مقدمہ ص ۴۴)
پھر اس زمانہ میں اہل الظاہر کا مذہب باقی نہیں
رہا کیونکہ ان کے ائمہ ہی ختم ہو گئے ہیں۔
اور تصریح کرتے ہیں کہ:-

ولعبق رائے مذهب اہل الرائی من العراق
واہل الحدیث من الحجاز (مقدمہ ص ۴۴)
اور باقی نہیں رہا مگر مذہب اہل الرائی کا جو عراقی ہیں
اور اہل حدیث کا جو حجازی ہیں۔

موتخ اسلام کی اس علمی اور ٹھوس تحقیق سے یہ بات بھی آشکارا ہو گئی کہ اہل العراق اور اہل الحجاز دونوں گروہ اور طائفے فقہ کے تسلیم کرنے والے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک کا طریق کار دوسرے کے انداز فکر سے قسماً مختلف ہے مثلاً اگر ایک گروہ حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارتہ النص ہی سے استنباط کرتا ہے تو دوسرا گروہ

دلالت النقص اشارۃ النقص اور اقتضاء النقص کے دقیق اور غامض پہلو کو بھی استدلال میں نظر انداز نہیں کرتا۔ اس لیے اس کے علم فقہ کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کے علمی حمانوں کو ہزار ہائے نئے مسائل میں اس کے ہاں کسی طرح تشکیکی پیش نہیں آتی۔ اسی وجہ سے نصرتِ نبوی سے زیادہ لوگ اس کے فیض سے مستفید ہو رہے ہیں اور اس کے والدِ داد ہیں۔

علامہ ابن خلدون ہی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النہر و بلاد النجم کھنڈا (عجم کے سب شہروں) میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (مقدمہ ص ۴۲۸)

اس سے فقہ حنفی کے فروغ، اس مذہب میں فقہاء کی کثرت اور لوگوں کے عام رجحان کی ایک اور وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے، البقیہ وجوہ اپنے مقام کی بحث ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ باوجود اسناد المتحدین اور مقتدا اہل سنت ہونے کے جب فقہ کے اس بلند مقام پر نہیں پہنچ سکے تو ان کے مقلدین کی تعداد بھی بڑی ہی قلیل بلکہ نادر رہی ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ قیاس و رائے اور تفقہ و اجتہاد کے بغیر پوری اُمت کے سببیش آئینے مسائل مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا رتبہ اجتہاد و قیاس میں اتنا اونچا نہ تھا اس لئے ان کے مقلدین بھی زیادہ پیدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون ہی رقمطراز ہیں کہ :-

فاما احمد بن حنبلؒ فتقلد قلیل لبعث
منہ عن الاجتہاد واصلتہم فی معاضدۃ
الروایۃ وللخبار بعضہا ببعض واکثرہم
بالشام والعراق من بغداد ولواجہا وحم
اکثر الناس حفظا للسنۃ ۱ھ

ان کا مذہب اجتہاد سے بعید رہا ہے اور ان کا اصل
الاصول ہی یہ ہے کہ روایت اور اخبار ہی میں سے
بعض کی بعض سے تائید اور تقویت حاصل کی جائے
انہ ان کے اکثر پیرو شام، عراق اور اس کے آس
پاس رہتے تھے ہیں اور وہ سب لوگوں سے
سنت کے نیاں محافظ رہے ہیں۔

(مقدمہ ص ۴۲۸)

اور نواب صاحب فرماتے ہیں کہ :-

”و مذہب امام احمدؒ خود در قدیم و حدیث زمان قلیل بود، زیرا کہ اجتہاد او قلیل بلکہ اقل
بلکہ نیست و مذہب او ہمیں عمل بر حدیث بود ۱ھ (ہدایۃ السائل الی اولیۃ المسائل ص ۲۸)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :-

و اگر اکثر اہل اسلام را بنظر امتحان نگاہ کنی حقیان و مالکیان و شافعیان اند

(قدرة العینین ملک)

یہ واضح عبارتیں مزید کسی اور وضاحت کے لیے تشنہ نہیں ہیں۔

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ :-

و لو اسئلہ ہمیں مناسبت کہ بحضرت روح اللہ
دارد تواند بود آنچه خواجہ محمد پارسا در فصول ستہ
نوشتر است کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ
الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بمذہب امام
ابی حنیفہ عمل خواهد کرد یعنی اجتہاد حضرت
روح اللہ موافق اجتہاد امام عظیم خواهد بود و آنکہ
تقدیر این مذہب خواهد کرد علی نبینا و علیہ
الصلوٰۃ والسلام کہ شان او علی نبینا و علیہ
الصلوٰۃ والسلام ازاں بلند تر است کہ تقدیر
علماء امت فرماید بے شائبہ تکلف و تعصب
گفتہ میشود کہ ذرا نیت این مذہب حنفی بنظر
کشفی در نگ دریائے عظیم مینماید و سایر مذہب
در رنگ حیاض و مجذول بنظر می در آیند و بظاہر
ہمہ کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد عظیم اہل اسلام
متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان
(مکتوبات الگبانی دفتر دوم حصہ خفتم
مکتوب ۵۵ ص ۱۳ طبع املاسر)

اور اسی مناسبت کی وجہ سے ہے جو امام ابو حنیفہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رکھتے ہیں جو کچھ کہ
حضرت خواجہ محمد پارسانے اپنی کتاب فصول ستہ
میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل
ہونے کے بعد امام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل کریں
گے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد امام عظیم
(اور ان کے اصول میں ان کے پیروکاروں) کے
اجتہاد کے موافق ہو گا نہ کہ وہ ان کی تقلید کریں گے
کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس سے بہت
بلند ہے کہ وہ علمائے امت میں سے کسی کی تقلید کریں
(کیوں کہ وہ خود مجتہد مطلق ہوں گے)۔
تکلف اور تعصب کی ملاوٹ کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے
کہ کشفی نگاہ میں حنفی مذہب کی ذرا نیت بڑے دنیا کی مانند
دکھائی دیتی ہے اور دیگر مذہب جو ضلّوں اور نابالوں
کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی
یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اہل اسلام کی بڑی اکثریت
امام عظیم کی پیروی کرتی ہے ان سب اللہ تعالیٰ
راحمی ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی کا یہ ارشاد کوئی کم و زنی شہادت نہیں ہے۔ اور نہ یہ تعصب کی پیداوار
ہے بلکہ نفس الامر اور حقیقت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ حق حنفی ضرور کیا ہو گا اگر نوری فطری بصیرت ہے (جس میں
اختلاف اور تفاوت ناقابل انکار امر ہے)

مشہور غیر مقلد عالم و فاضل صاحب گزیر الزم (المتوفی ۱۳۸۷ھ) کہتے ہیں کہ علامہ شیخ علی المتوفی صاحب
کنز العمال (المتوفی ۱۳۵۵ھ) اور شیخ محمد طاہر بن عتیق مؤلف مجمع البحار (المتوفی ۱۳۸۶ھ) حضرت شیخ الامام
احمد الفاروقی ہرنہی (المتوفی ۱۳۳۴ھ) وغیرہم رحمہم اللہ یہ حضرات فروع میں عملاً حنفیت سے متاثر
تھے، لیکن ان حضرات میں نہ محمود تھانہ تعصب۔ (مقدمہ معیار الحق ص ۳ طبع چٹان پریس لاہور)
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رائے کے مفہوم و مصداق پر طویل بحث کرتے ہوئے ارشاد
فرماتے ہیں کہ :-

لیس المراد بالرأی نفس الفہم والعقل
فان ذالک لا ینفک من احد من العلماء
ولا الرأی الذی لا یعتمد علی السنۃ اصلاً
فانہ لا ینتخلہ مسلم البتہ ولا القدوۃ
علی الاستنباط والقیاس فان احمد واسحاق
بل الشافعی ایضاً لیسوا من اہل الرأی
بالاتفاق وہم یتبعون ویقتضون بل
المراد من اہل الرأی قوم توجہوا لبعث المسائل
المجمع علیہا بین المسلمین اوبین جہودہم
الی القنیج علی اصل رجل من المتقدمین
فکان لکثر ما رہم حمل النظیر علی النظیر
والروائی اصل من الاصول دون تتبع
الاحادیث والآثار والظاهر من لا یقول
بالقیاس ولا باثار الصحابۃ والتابعین کذا وہ
وابن حزم وینہما المحققون من اہل السنۃ
کا احمد واسحاق الخ

ہائے نفس فہم اور عقل مراد نہیں کیونکہ اس سے اہل
علم میں کوئی بھی جاری نہیں ہوتا اور اس رائے سے ایسی
رائے بھی مراد نہیں جس کی بنیاد سنت پر بالکل مبنی نہ
ہو کیونکہ ہرگز کوئی مسلمان اس کو اپنے لیے گوارا نہیں
کرتا اور اس سے استنباط اور قیاس پر قدرت بھی
مراد نہیں کیونکہ امام احمد اور امام اسحاق جبکہ خود امام
شافعی بھی بالاتفاق اہل الرأی سے نہیں ہیں حالانکہ
استنباط و قیاس وہ بھی کرتے رہے ہیں۔ بلکہ اہل الرأی
سے وہ قوم مراد ہے جنہوں نے ان مسائل کے بعد جو
تمام مسلمانوں میں یا جمہور کے درمیان اجماعی قرار پائے
ہیں۔ متقدمین میں سے کسی شخص کے اصل پر مسائل کی
تخریج کی ہو اور ان کا بڑا کام یہ رہا ہے کہ نظیر کو نظیر
پر حمل کرتے رہے اور ان کو اصول ہیں سے کسی اصل کی
طرف رد کرتے رہے بغیر اس کے کہ وہ احادیث کا تتبع
کرتے اور ظاہری وہ ہے جو نہ تو قیاس کا قائل ہو
اور نہ آثار صحابہ کا اور آثار تابعین کا جیسے داود بن علیؒ
اور علامہ ابن حزم اور ان دونوں طبقوں کے درمیان

محققین اہل البنت کا طبقہ ہے جیسے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسماعیلؒ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں دونوں تتبع الاحادیث کے جملہ سے اگر کوئی کوڑ مغز یہ سمجھے یا سمجھانے کی کوشش کسے کہ اہل الرأی وہ ہوتا ہے جو احادیث سے بے پروا اور استغنی ہو تو یہ نہ صرف یہ کہ ظلم صریح ہوگا بلکہ یہ توجیہ القول بمان میرضی بہ قائلہ کا مصداق بھی ہوگا کیونکہ خود حضرت شاہ صاحبؒ اسی عبارت میں اس کی وضاحت فرما چکے ہیں کہ رائے سے ایسی رائے ہرگز مراد نہیں جس کا اعتماد اور بنیاد سنت پر نہ رکھی گئی ہو کیونکہ کوئی مسلمان ایسی رائے کو اپنانے کے لیے کسی طرح اور کسی صورت میں راضی نہیں ہے، بلکہ اہل الرائے سے مراد ایسی قوم ہے جو اجماعی اور اتفاقی مسائل کے بعد غیر منصوص فروع اور جزئیات میں متقدمین میں سے کسی شخص کے طے شدہ اصول و ضوابط اور قواعد پر (جن کی بنیاد اُس نے اپنے اجتہاد و تفقہ کے اعتبار سے قرآن و سنت پر رکھی ہے) مسائل اور جزئیات کی تخریج اور تفسیر کرتی ہو کہیں نظیر کو نظیر پر عمل کرتی ہو کہیں مفسر غائبانہ اصول میں سے کسی اصل کی طرف مسئلہ اور جزئی کو رو کرتی ہو اور ان غیر منصوص مسائل و جزئیات میں وہ مسئلہ مسئلہ اور جزئی جزئی کے لیے احادیث کی تلاش نہ کرتی ہو جس کی وجہ نظر بہ ظاہر ہی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن و سنت اور تمام یا جمہور مسلمانوں کے اجماعی اور اتفاقی مسائل کے بعد ہر ہر پیش آمدہ جزئی میں صاف اور صریح الفاظ میں کہاں سے صحیح حدیث دستیاب ہو سکتی ہے؟ اس لئے ایسے مسائل میں تتبع احادیث کو وہ ضروری نہیں سمجھتے بلکہ متقدمین میں سے کسی کے اصول کے تحت ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک خالص علمی بحث ہے مگر افسوس ہے کہ بعض نا فہم بلا وجہ اس میں ٹانگی اڑاتے ہیں۔

ان مسائل میں ہے کچھ شرف نگاہی درکار !

یہ محتال ہیں تماشائے لب باہم نہیں !

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

”پس محمدؐ در تصنیف خود رائے اس سہ (امام ابراہیمؒ، امام ابو حنیفہؒ و امام

ابو یوسفؒ) را فراہم کر دیسار نفع بمر دم بخشد و اصحاب ابی حنیفہؒ متوجہ ہیں

تصانيف شريفة بتلخيص و تفریع و تخریج و تاسیس استدلال اہل دہاریۃ المسائل ص ۲۸۵)

اور ان تینوں کی رائے کی بنیاد قرآن و سنت پر قائم ہے۔

یہ بات بھی بخوبی ملحوظ خاطر ہے کہ اصحاب الرائے بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (جذبات و مسائل میں) احادیث کا تتبع تو نہیں کرتے تھے مگر جب کسی جزئی میں ان کو حدیث مل جاتی تو پھر وہ رائے کو درخور اعتنا بھی نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام زفر بن الہذیل جن کی رائے اور فقہ پر حضرت امام ابو حنیفہ بھی ناز کرتے تھے اور فرماتے تھے ہوا قیس اصبہانی، (الجواہر ج ۱ ص ۲۴۳) کہ میرے جملہ تلامذہ میں وہ قیاس کا زیادہ ماہر ہے۔ اور انہوں نے ہی بصرہ میں سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کی رائے اور فقہ پہنچائی تھی (لسان المیزان ج ۲ ص ۴۴) ان سے حضرت امام عبداللہ بن المبارک نقل کرتے ہیں کہ:-

صمعت زفرًا يقول نحن لا نأخذ بالرأي
مادام انما اذا اجابنا الشرع كما التائى
میں نے امام زفر سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب
تک کوئی حدیث موجود ہوتی ہے ہم رائے پر عمل نہیں
کرتے اور جب کوئی حدیث مل جاتی ہے تو ہم اپنی رائے
کو ترک کر دیتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۵۳۴)

اس کی مزید بحث انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی، یہاں تو صرف اس قدر ذکر کرنا ہے کہ اصحاب الرائے نے نہ تو ابتداء حدیث کو چھوڑا ہے اور نہ انتہاء ہاں اہل علم کے طریقہ کے مطابق کسی حدیث میں روایتی یا روایتی لحاظ سے کوئی غلطی یا قاطعہ نظر آئے یا کوئی حدیث کسی دوسری سے متعارض ہو یا منسوخ ہو یا کسی اور قوی عند کی وجہ سے وہ ترک کرتے ہیں تو یہ بات الگ ہے مگر کوئی صاحب فہم اور دیانت دار انسان اس کو ترک حدیث نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ طریقہ تو قدر مشترک کے طے پر تمام محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں رائج ہے اور اس باطل نظریہ کے تحت پھر تو بھی تارک حدیث کہلائیے گئے۔ (العیاذ باللہ) نو اب صاحب حضرت شاہ صاحب کی سابق عبارت کا مطلب پہلے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:-

”بلکہ نیست مراد برائے نفس فہم و عقل چہ ازاں خود احد سے از علماء متفک نمی تواند
شد و نہ آن رائے کہ نیست معتد بہ سنت اصلاً زیرا کہ آن را خود مسلمان حلال نمی تواند دانست

البشہ اھ (بدایۃ السائل ص ۲۸۴)

اگر اہل سنی مسلمان ہیں؟ اور ان کی نامسلمانی کی آخوند کوئی وجہ بھی تو نظر نہیں آتی تو پھر وہ کیوں ایسی سنی قائم کرتے ہوں گے جو سنت سے متصادم ہو اور اس کی بنیاد سنت پر نہ رکھی گئی ہو؟

حضرت محمد و اہل ثانی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

جماعتی کہ ایس اکابر دین را صاحب رائے میدانند
اگر ایس اعتقاد دارند کہ ایشان بہ سنی خود
حکم میگردند و متابعت کتاب سنت نمی نمودند
پس سواد عظیم از اہل اسلام بزم فساد ایشان ضال
و مبتسع باشند بکہ از جرگہ اہل اسلام بیرون
برند ایس اعتقاد بخند مگر جلسے کہ از جہل خود
بے خبر است یا ز ندبیتے کہ مقصودش ابطال
شرع دین است ناقصے چند احادیث چند
ذیاد گرفته اند و احکام شریعت را منحصر در ان
ساختہ اند و ماورائے معلوم خود را لفظی منہمانید
و آنچه نزد ایشان ثابت شدہ منتفی میدارند
بہل آں کرے کہ در شگے نہاں است
زمین و آسمان ارہماں است
و مکتوبات امام ربانی و فتاویٰ حصہ
ہفتم مکتوبات ۵۵ ص ۱۵ طبع امرتسر

وہ جماعت جو ان اکابر دین کو صاحب رائے سمجھتی ہے
اگر یہ اعتقاد کرتی ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے سے
حکم کرتے تھے اور کتاب سنت کی پیروی نہیں
کرتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق مسلمانوں
کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہوگی بلکہ اہل اسلام کے
ٹولہ ہی سے باہر ہو جائے گی اور یہ خیال یا تو وہ جاہل
کرے گا جو اپنی جماعت سے بے خبر ہے اور یا
وہ ذلیل کرے گا جس کا مقصد نصف دین کو باطل
کنا ہے، کچھ کواہ فہم چند حدیثیں یاد کر کے احکام
شریعت کو انہی میں منحصر کرتے ہیں اور اپنے معلوم
کے علاوہ اور چیز کی نفی کرتے ہیں اور جو چیز ان کے
نزدیک ثابت نہ ہو اس کی نفی کرتے ہیں۔ جیسے
وہ کہتا ہے جو پتھر میں چھپا ہوا ہوا اس کی زمین و آسمان
ہی ہیں وہ سب۔

غیر مقلدین حضرات حضرت مجدد صاحب کی اس عبارت کہ بار بار پڑھیں اور پھر از راہ
انصاف یہ فرمائیں کہ حضرت مجدد صاحب کیا فرماتے ہیں۔

الغرض نہ تو رائے اور سمجھنی نفسہ کوئی بری شے ہے اور نہ اہل الزائے احادیث کے منکر اور

اُن سے مستثنیٰ ہیں اور نہ اہل الرائے ہونا کوئی موجب تحقیق امر ہے، اور یہ بھی درست نہیں کہ صرف علمائے حنفیہ ہی اہل الرائے ہیں اور ان کے علاوہ اہل الرائے اور کوئی نہیں ہوا۔ جیسا کہ مولانا مبارکپوری صاحب (وغیرہ) کو اس کا مغالطہ ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ۱۔

فاعلم ان اهل التأي هو العلم والمعرفة جانا چاہیے کہ اہل الرائے علمائے حنفیہ ہی ہیں۔

(مقدمۃ الاحوذی ص ۲۵)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ امام عجلؑ نے حضرت امام شافعیؒ کو صاحب الرائے کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:-

فاجتمع له علم اهل التأي وعلم اهل الحديث امام شافعیؒ میں اہل الرائے اور اہل الحديث دونوں کا علم جمع ہو چکا تھا۔

اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ربیعہ اہل الرائے بلکہ ملقب بہ الرائے تھے اور حنفی نہ تھے اور الملک المنظر البرک بن ایوب الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقد رأيت مذاهب جماعة من اهل الرأي هم من دیکھا کہ اہل الرائے کی جماعت کے مذاہب قد ذهبت واضمحلت ومذهب ابو حنیفہ تو ختم اور مضمحل ہو گئے مگر امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بقی اللہ تعالیٰ عنہ باقی رہا۔

(المهم المصيب ص ۱۳)

مشورہ امام اور محدث ابن قتیبہؒ (المتوفی ۲۴۶ھ) نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی تشریح قائم کی ہے اور نیچے یہ نام لکھے ہیں:- ابن ابی یزید، ابو حنیفہؒ، ربیعہ الرائے، زفر، اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، ابویوسفؒ اور محمد بن الحسن (محصلہ سیدۃ النعمان از علامہ شبلیؒ)

الغرض اہل الرائے تو اور بھی ہیں مگر فقہ واجتہاد اور قیاس وائے میں جو بلند مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ کو ملا وہ اور کسی کو نہ مل سکا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!

کیا رائے کے بغیر حدیث سمجھی جاسکتی ہے؟

رائے کے لغوی اور اصطلاحی معنی کے بعد اس امر پر بھی غور کرنا ہے کہ کیا رائے اور فہم کے

بغیر حدیث سمجھی جاسکتی ہے؟ اگر سمجھی جاسکتی ہے تو ٹھیک ہے، پھر رائے کو لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر رائے اور فہم کے بغیر حدیث نہیں سمجھی جاسکتی تو پھر وہ مذموم کیسے ہو گئی؟ کیا کوئی مذموم چیز بھی کسی مقبول و محمود چیز کا ذریعہ اور موقوف علیہ بن سکتی ہے؟
 مولیٰ طاش کبریٰ زادۃ حضرت امام محمد بن الحسن کے حالات میں جو خود چوٹی کے اصحاب رائے میں شمار ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ:-

نشأ بالكوفة وعلقت الرائي اى الاجتهاد
 وہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور ان پر رائے یعنی اجتہاد کا غلبہ تھا۔
 (مفتاح السعادة ج ۲ ص ۷۸)

کتاب ادب القاضی میں تصریح فرماتے ہیں کہ:-

لا يستقيم الحديث الا بالترائى اى باستعمال
 حدیث رائے کے استعمال ہی سے درست ہو سکتی ہے
 الرائي فيه بان يدرك معانيه الشرعية
 بایں طور کہ حدیث کے شرعی معانی جو احکام کے
 التي هي مناط الاحكام ولا يستقيم الرائي
 لیے مناط ہیں رائے ہی سے ادراک کئے جاسکتے ہیں
 الا بالحديث اى لا يستقيم العمل بالترائى
 اور رائے بھی بدون حدیث کے درست نہیں ہو
 والاخذ به الا بالنظام الحديث اليه اه
 سکتی یعنی محض رائے پر عمل کرنا درست نہیں ہو سکتا
 (بحوالہ مقدمة فتح الملام ص ۷۸)
 تاویل کہ اس رائے کے ساتھ حدیث نہ مل جائے۔

انصاف سے فرمائیے کہ صاحب الرائے امام محمد بن الحسن کیا فرما گئے ہیں؟ یہی فرمایا ہے کہ نرمی رائے کوئی حقیقت اور وقعت نہیں رکھتی جب تک کہ اس کی بنیاد حدیث پر نہ رکھی جائے۔ مگر بایں ہمہ کہنے والے ان کو صاحب الرائے کہہ کر کہنے سے باز نہیں آتے۔ انصاف کا تقاضا تو ہے کہ عخذ ما صفا ودع ما كذرا۔

امام ابن حجر مکی الشافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وقد قال المحققون لا يستقيم العمل بالحديث
 بدون استعمال الرائي فيه افهو المصدك
 معانيه التي هي مناط الاحكام ومن ثمه
 لما لم يكن لبعض الحديثين تأمل لمذكر
 متقین نے فرمایا ہے کہ بغیر استعمال رائے کے عمل
 بالحديث درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رائے ہی سے
 معانی کا ادراک ہوتا ہے جس پر احکام کا دارومدار
 ہے اور اسی وجہ سے جب بعض محدثین کو رضاعت

الضریع فی الرضا قال بان المرء تضعین
 بلین شاة تثبت بینہما المحرمیة
 ولا العل بالتزائی المحض ومن ثم لم
 یفطر الصائم بنحو لا یحل ناسیا ۱۵

کی تحریم کی علت کا ادراک نہ ہو سکا تو اس نے یوں
 کہہ دیا کہ بکری کا دودھ پینے والے دو بچوں کے درمیان
 رضاعت کا حکم ثابت ہے اور اسی طرح رائے محض پر
 بھی عمل صحیح نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بھولی چرک

سے روزہ کھانے والے کا روزہ نہیں مہاتا۔

(الحدیث الحسان ص ۱۷)

غور فرمائیے کہ رائے اور دل کی بصیرت کے محروم ہونے والے بعض محدثین نے کیسی ٹھوکر کھائی
 کہ وہ لڑکی اور لڑکے کا جو آپس میں نسبی اور رضاعی طور پر تو بہن اور بھائی نہیں مگر انہوں نے بل کر ایک
 ہی بکری کا دودھ پی لیا ہو وہ آپس میں بھائی اور بہن ہو جائیں گے اور ان کا آپس میں نکاح درست
 نہ ہوگا۔ پھر پوچھنے کی بات یہ ہے کہ گائے بھینس اور اونٹنی نے کسی کا کیا بگاڑ ہے؟ ان کے دودھ
 سے رضاعت کیوں نہ ثابت ہوگی؟ اگر بکری رضاعی ماں بہن ہو سکتی ہے تو بھولی بھالی گائے فریہ انہم
 بھینس اور بلندہ قدر اور دراز گردن اونٹنی کیوں ماں نہیں بن سکتی؟ اور ان بیچاروں کو ماں کی مامت سے
 کیوں محروم کر دیا جائے؟ اور اس فتویٰ کے رُوسے تمام روئے زمین پر مسلمانوں کے نکاحوں اور ان کی
 اولاد کا کیا حکم ہوگا؟ شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہنے والے نے کہا ہے کہ ۱۶

”ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند“

اور جس طرح رائے کی محرومی سے یہ ٹھوکر لگتی ہے اسی طرح حدیث سے استغناء و برت
 کر محض رائے پر بھروسہ کرنا بھی انسان کو ورطہ ضلالت میں ڈال دیتا ہے۔ اگر محض رائے ہی سے
 دین کے احکام اخذ کیے جاسکیں تو بھول کر روزہ کھانے والے کا جو خوب سیراب اور سیر شکم
 ہو کر کھاپی لے، روزہ کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ اور کس کی عقل اس کو یاد کرتی ہے کہ یہ سب
 کچھ کرنے کے باوجود روزہ جوں کا توں باقی ہے؟ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 اس ارشاد اور حدیث کی موجودگی میں اطعمک اللہ وسقاک (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۲) واللفظ لہ و بجا
 ج ۱ ص ۲۵۹ و مسلم ج ۱ ص ۳۱۲) کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے، عقل اور رائے کی کیا وقعت
 اور قیمت ہے؟ یہاں تو محبوب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اشارہ ابرو پر ہزاروں رائیں اور لاکھوں
 عقلیں آج واحد میں قربان کرنا ہوں گی۔ ۱۷

عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے حنّام ابھی

حضرت علیؓ (المتمنی منکھ) نے دین کے ایسے ہی مخصوص مسائل کے مقابلے میں رائے محسن کے بلے میں یہ ارشاد فرمایا ہے :-

لو کان الدین بالتّامی لکان اسفل الخفّ اولى
بالصّح من اعلاه وقد رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصیح علی ظہار خضیه -
اگر دین نری رائے ہی سے ہوتا تو مونے کا پچھلا حصّہ
اوپر کے حصّہ سے مسج کا زیادہ مستحق ہے حالانکہ میں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موزہ کے اوپر ہی مسج کرتے
دیکھا ہے۔ (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۲)

انسان جب چلتا ہے تو زمین پر اس کے پاؤں کا پچھلا حصّہ ہی لگتا ہے، اور گرد و غبار اور
نجاہت وغیرہ سے اُسی کے زیادہ طوشت اور آلودہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے مسج کا
ھتار بھی صرف یہی حصّہ ہونا چاہیے مگر چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے
اعلیٰ حصّے پر ہی مسج کیا ہے تو کسی دانشور کی دانش اور کسی عقلمند کی عقل اور کسی فیہم کی فہم رائے کی
اس پیادے عمل کے مقابلہ میں بھلا حیثیت ہی کیا ہے؟ اس موقع پر اگر تسلی اور چین ہو سکتے ہیں
تو صرف آپ کی پیاری ادا اور آپ کے پسندیدہ عمل اور بہترین اسوۂ حسنہ سے اس لیے کہ یہ

برسوں فلاسفہ کی چٹاں اور چٹنیں رہی

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

حدیث سے رائے کی عہدگی کا ثبوت

جس مسئلہ میں قرآن و حدیث سے بصراحت روشنی نہ پڑتی ہو ایسے مسئلہ میں کون سا طریقہ
اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس کے حل کرنے کے لیے کیا صورت عمل میں لائی جاسکتی ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ دلائل شرعیہ کے پیش نظر کتاب و سنت کے اصولی قوانین اور ضوابط کو لازمی
اور قابل عمل قرار دے کر ہر ایسی پیش آمدہ ضرورت کے متعلق جس کی تفصیل و تشریح یا بصراحت
تذکرہ قرآن و سنت میں موجود نہ ہو، قرآن و سنت کے جاننے والوں اور صحیح معنی میں مجتہدین کو یہ حق حاصل
ہے کہ وہ اپنے اجتہاد و رائے سے کام لے کر قرآن و سنت کی روشنی میں وقتی، ضروری اور منگامی
مسائل کو حل کریں اسی کو فقہ و اجتہاد اور قیاس و رائے کہتے ہیں مجتہد مطلق کا درجہ اگرچہ

نہیں رہا۔ ہاں فی الجملہ اجتہاد قیامت تک باقی ہے لیکن مخصوص اور اجتماعی مسائل میں اجتہاد کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ ہر حال میں ان کی پیروی کرے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبل (متوفی ۱۸ھ) کو جب یمن کا عامل اور گورنر بنا کر بھیجا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: اے معاذ۔

کیف تفتی ان عرض لك قضاء قال اقلی
بکتاب اللہ قال فان لعنجد فی کتاب اللہ
قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
فان لعنجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ولا فی کتاب اللہ قال اجتہد برائی ولا آکوفضرب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسدود فقال
الحمد لله الذی وفق رسول رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم لما یرضی رسول اللہ -
(البرزخ ج ۲ ص ۱۴۹ واللفظ لم یستطیعی ص ۹)
ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹ واری ج ۱ ص ۱۵۹ طبع دمشق والانتقاد
ص ۱۴۳ لابن عبد البر طبع مصر والبدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۴۳
طبع مصر مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۳ وسنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۴۳)
جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو اس میں کیسے
فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ
کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ
تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تو کیا کرے گا؟
وہ کہنے لگے کہ پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ملے گا۔ آپ نے فرمایا اگر سنت
رسول اللہ اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر
تو کیا کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی
رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی
کو تاہی نہ کروں گا۔ آپ نے حضرت معاذ کی چھاتی پر
شفقت کی وجہ سے دست مبارک مارا اور پھر فرمایا
اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد ہے جس نے رسول میں
اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی
جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابو عمر بن عبد البر المالکی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

وحدیث معاذ صحیح مشہور رواہ الاثنین
الحدول وهو اصل فی الاجتہاد والقیاس
علی الاصول اور جامع بیان العلم وفصلہ
عنہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اس
کو عادل ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اجتہاد
اور قیاس علی الاصول کے لیے ایک اصل اور
مدار ہے۔

حافظ ابو الفداء اسمعیل بن عمر بن کثیر الشافعی (المتوفی ۷۴۶ھ) جو الفقیہ، المفسر اور المحدث و ذوالفضل تھے، تذکرہ ۲۴۹ ص ۱۲۹) ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وهذا الحديث في المتن والسند
جيد كما هو مقرر في موضع ۱۵
یہ حدیث مندرجہ متن میں حدیث اور کھری سند کے
ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر مقرر اور
(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۹ طبع مصر) ثابت شدہ ہے۔

مشہور غیر مقلد اور محقق عالم محمد بن علی المعروف بالقاضی الشوکانی (المتوفی ۱۲۵۵ھ) اسی حدیث
سے متعلق ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وهو حديث صالح للاحتجاج به كما اوضحنا
ذلك في بحث مندر ۱۵
یہ حدیث استدلال و احتجاج کے لیے صلاحیت رکھتی
ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت ایک مفروضہ بحث
(فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۹ طبع مصر للشوکانی) میں کر دی ہے۔

اس صحیح مشہور حدیث اور صالح للاحتجاج حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جن نوازل و حوادث اور
مسائل پر قرآن و حدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو ان میں کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد و
رائے سے کام لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد
مسرور اور نہایت خوش میں اور اپنے قاصد و نمائندہ کے اس معقول اور تسلی بخش جواب پر راضی
ہو کر قوی اور فعلی مسرت کا اظہار فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ کے سینہ پر ہاتھ مبارک مار کر گویا یہ
بتلا ہے ہیں کہ کیا ہی بابرکت سینہ ہے جس میں ایسی ایسی عمدہ اور کام کی باتیں پنہاں ہیں جن
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی داو عین دینے بغیر نہیں رہ سکے اور الحمد للہ کے ساتھ قوی طور
پر اجتہاد بڑھائی پر اپنی رضا اور خدا تعالیٰ کی رضا کی مرثبت کر دی ہے۔ اب اگر کوئی
نادان ایسی رائے کی توہین و تذلیل کرتا اور ایسی رائے قائم کرنے والے اہل لوگوں کی تکمیل اور تکمیل کرتا ہے
جس کا منفعہ و ماخذ قرآن و حدیث ہو تو ایسا شخص صرف رائے اور اہل الرائے کا ہی دشمن ہے بلکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی اس صحیح اور صریح حدیث اور آپ کی پسند کردہ بات کا بھی مخالف ہے اور اس کو اپنے ایمان کی خیر نانی
چاہیے کہیں دوسروں کی عدوت اپنی تباہی کا سبب ہی نہ بن جائے۔

بہت کچھ جل چکا ہے اور جلے گا دیکھئے کب تک سبے زند میں برقی روزاں کی تراکشانہ برسوں سے

حضرت علیؑ کی ایک روایت یوں آتی ہے:-

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم فقال
 مشاورۃ اهل التامی ثم اتباعهم (تیسرا کثیر طبع مصر)
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کیسا ہے
 تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اہل التامی سے مشورہ کر کے پھر ان کی پیروی کرنا
 اور نیز حضرت علیؑ نے سوال کیا، یا رسول اللہ اگر میں کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو کہ میں نہ امر
 ہو نہ نہی تو آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فقہار اور عابدین سے مشورہ کرو۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۱ رجالہ موثقون)

حضرت ابوبکرؓ کا یہ معمول تھا کہ:-

ان ابابکرؓ اذا نزلت به قضیۃ لم یجد لها
 فی کتاب اللہ اصلاً ولا فی السنۃ اثر افعال
 اجتہد بولای فان یکن صواباً فمن اللہ وان
 یکن خطأً فیمنی واستغفر اللہ۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۱)

اور میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔

حافظ شمس الدین ابن الیم الحنبلیؒ (المتوفی ۵۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ:-

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو اس کو کتاب و سنت میں تلاش
 کرتے، اگر وہاں سے بھی کامیابی حاصل نہ ہوتی تو اُمت کے بہترین افراد کو جمع کر کے ان سے رائے
 سلیتے اور اتفاق رائے سے جو طے ہوتا اسی پر فیصلہ صادر فرماتے:

(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۸۱ طبع مصر)

اور امام عبداللہ بن عبدالرحمن الدرمیؒ (المتوفی ۲۵۵ھ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ
 سے یہ مضمون نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:-

فاذا اجتمع رأینہ علی امر قضی بہ

جب ان حضرات کی رائے ایک امر پر جمع ہو جاتی تو

(دارمی ج ۱ ص ۱۸۱ طبع دمشق)

حضرت ابوبکرؓ اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاسے میں لکھتے ہیں کہ:-

وانہ مقدم عندهم فی العلم والراۃ و
 وہ حضرات صحابہؓ میں علم رائے اور زیادہ مشورہ سلیتے

میں پیش پیش تھے۔

حکۃ الاستشارة ۱۵

کتاب اختلاف الحدیث علی ہاشم الامام ج۱، مطبع مصر
حضرت عمرؓ جب لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ:-

هَذَا رَأْيِي عَمْرٍو فَاِنْ كَانَ صَوَابًا فَيَنْتَهِ اللَّهُ وَ
يَا عَمْرٍو كَيْ سَأَلْتُكَ هَذَا، اِنْ رَأَيْتَ بَاطِلًا فَاِنْ تَوَلَّاهُ فَقَدْ
اِنْ كَانَ خَطَاً فَيَنْتَهِ عَمْرٍو (میزان شعرانی ج ۱۰،
طبع مصر، وصال الکبریٰ ج ۱۰، ص ۱۱۱)

اور حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دور میں مشہور تابعی قاضی شریح، (المتوفی ۸۵ھ) کو
ایک خط ارسال فرمایا تھا جس میں اس کی تصریح فرمائی تھی کہ اگر کوئی ایسا مقدمہ اور مسئلہ پیش آئے
جس پر کتاب و سنت کی روشنی نہ پڑتی ہو اور اس کے بارے میں پہلے کسی نے گفتگو بھی نہ کی ہو تو:-

فَاخْتَرَايَ الْاَمْرَيْنِ شَنْتُ اَنْ شَنْتُ اَنْ
تَجْتَهِدَ بَرَأئِكَ ثُمَّ تَقْدُمَ فَتَقْدُمَ ۱۵
ان دو امور میں سے جو نہ تم چاہو نہ کہ لو یا تو اپنی رائے
سے اجتہاد کرو اور اس میں جتنا آگے بڑھ سکتے
(دارمی بیروت طبع دمشق و سنن الکبریٰ ج ۱، ص ۱۱۱)

غزوہ فی کربلا (ج ۲ ص ۱۱۱)

دوسرا امر انہوں نے ترک رائے ذکر فرمایا ہے لیکن اجتہاد بالرائے اور ترک دونوں میں ان کو
اختیار دیا ہے اور اجتہاد بالرائے اور اس میں تقدم کا ذکر پہلے کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو جن مسائل
میں اشکالات پیش آئے تھے ان میں ایک وراثت جہ کا مسئلہ بھی۔ جب ان کو فیر دزمانی بد بخت
نے زخمی کیا تو اس موقع پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ:-

اَلْاِيْلِيَّتُ فِي الْحَيَةِ رَاْيَا فَاِنْ رَاَيْتُمْ اَنْ تَتَّبِعُوهُ
فَقَالَ عُمَرَانِ اِنْ تَتَّبِعُ رَاْيَكَ فَهَوَّ شِدْوَانِ
تَتَّبِعُ رَاْيَ الشَّيْخِ قَبْلَكَ فَتَنْتَهِ قَوْلُ الرَّائِي عَمَانِ :-
(مسند الحاکم ج ۲ ص ۱۱۱) قَالَ الْحَاكِمُ وَالنَّعْبِيُّ مِصْبَحُ
میں نے داد کے بارے میں ایک رائے قائم کی ہے
اگر تمہارا خیال ہو تو اس کی پیروی کرو۔ حضرت
عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر ہم آپ کی رائے کی پیروی کریں
تو وہ کیا ہی بھلی رائے ہے۔ اور اگر ہم آپ کے پہلے
بزرگ حضرت ابو بکرؓ کی رائے کی پیروی کریں تو وہ
بھی صاحب الرائے تھے۔

اور یہ روایت دارمی جلد ۱۵۱ طبع دمشق میں بھی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (متوفی ۳۲ھ) نے فرمایا کہ اگر کسی کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آئے تو کتاب اللہ کے مطابق اس میں فیصلہ صادر کرے اور اگر کتاب اللہ میں نہ مل سکے تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق فیصلہ کرے اور اگر سنت میں اس کو کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر نیک لوگوں نے (اتفاق سے) جو فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر ان سے اس کو کچھ نہ ملے تو:-

فليجتهد رأيه فان لم يعين فليقل ولا يمتح
 پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اگر رائے کا مالک
 نہ ہو تو صاف استہوار کرے اور اس میں حیا رکھے۔
 ومثله ۹۴، قال الحاكم والذهبي صحيح
 ونحوه في سنن الكبرى جلد ۲ ص ۱۱۵

اور یہ روایت کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ دارمی میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:-

فان لم يعين فيما اجتمع عليه المسلمون
 سو اگر مسلمانوں کے اجماع سے بھی وہ مل نہ ہو سکے
 فاجتهد رأيك اه (دارمی طبع دمشق)
 تو پھر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔
 حضرت عبداللہ بن عباس (متوفی ۶۸ھ) کا یہ معمول تھا کہ کتاب و سنت کے بعد حضرت
 ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ان کو کوئی ثبوت نہ مل سکتا تو پھر:-
 قال فيه برأيه (دارمی جلد ۵ طبع دمشق)
 اس میں اپنی رائے سے عمل کرتے۔
 ومثله حاكم ۱۲ قال الحاكم والذهبي صحيح

ونحوه في سنن الكبرى جلد ۲ ص ۱۱۵

حضرت زید بن ثابت (متوفی ۳۵ھ) نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ میں حکم نہ مل سکے تو پھر سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق فیصلہ صادر کرو اور اگر سنت میں بھی حکم نہ مل سکے تو پھر:-

فادع اهل الزمان فاجتهدوا فاختاروا لنفسك
 تم اہل الزمان کو بلا کر اجتہاد کرو اور اپنے لیے مناسب
 ولا حرج۔ (سنن الكبرى جلد ۲ ص ۱۱۵)
 حکم، اختیار کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (متوفی ۵۲ھ) کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ

جملہ بھی لکھا تھا کہ ۱۔

فَمَا يَخْتَلِفُ فِي صَدْرِكَ مِمَّا لِعَرِيفَتِكَ فِي الْقُرْآنِ
وَالسُّنَّةِ فَتَعْرِفُ الْأَمْثَالَ وَالْأَشْبَاهَ ثُمَّ قُلْ لِمَنْ
عِنْدَهُ ذَلِكَ أَهْدَىٰ مِنَ الْكِبَرِيِّ بِمَا أَهْدَىٰ ۝۱۵۱

اگر کوئی ایسا مسکرتیے دل میں تہذیب کا ذریعہ بنے جس
میں قرآن و سنت کو شنی نہ پڑتی ہو تو امثال و نظائر کو پہچان
کر اس وقت ان امور کو قیاس کرو۔

یعنی اصل اور مقیاس علیہ کی مثال اور نظیر پیش نظر رکھو اور فرع اور مقیاس کے اندر علت اور وجہ
تلاش کرو، اگر اصل کی علت اس میں پائی جاتی ہے تو اس کی کڑی اس سے بلا کر اصل کا حکم فرع
میں ثابت کرو، اسی کو قیاس کہتے ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (الموتوفی ۱۸۱ھ) نے قاضی کے لیے پانچ شرطیں
لگائی ہیں کہ ۱۔

يَكُونُ عَالِمًا بِمَا كَانَ قَبْلَهُ - مُسْتَشِيرًا لِلْبَدِي
الزَّائِي - ذَانِمًا عَنِ الطَّبِيعِ - حَلِيمًا عَنِ الْخُصَمِ -
مُحْتَمِلًا لِلْأُتَمَةِ - وَسَنَنَ الْكِبَرِيِّ بِمَا مَكَال

وہ ان امور کا عالم ہو جو پہلے گزر چکے ہوں، رائے والے سے
مشورہ لینے والا ہو، طبع سے پاک ہو، جھگڑا کر کے رائے کے
مقابلہ میں حلیم ہو۔ علامت کو گورا کر سکتا ہو۔

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت چھ حضرات کو نامزد کیا تھا کہ یہ حضرات اپنے
میں سے جس کو چاہیں خلیفہ بنادیں، ان میں سے پانچ نے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کو اختیار فرمایا
کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں، انہوں نے پہلے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اے علیؓ اگر
میں تجھے خلیفہ چنوں تو بتاؤ کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ
اور حضرت عمرؓ کے طریق پر چلو گے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ۱۔

أَحْكُمُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ وَاجْتِهَادِ
رَأْيِي أَهْدَىٰ فَفَقَّهَ أَكْبَلُهُ عَلَىٰ نِ الْقَادِي
مَنْ طَبَعَ بِطَانَتِهِ

میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
سلم کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد
کروں گا۔

اور حضرت علیؓ جب سلفی فتنہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے تو قیس بن عبیدہؓ نے دریافت
کیا کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے میں کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں
معاہدہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی بابت

بیشی لکنہ رائی رائتہ،

(البوداؤد ج ۲ ص ۲۸۵)

کچھ نہیں فرمایا لیکن یہ میری اپنی رائی رائتہ ہے جو مجھے
موجبی ہے۔

مشہور محقق اور صاحب قلم عالم ابو محمد زہرہ مصری لکھتے ہیں کہ:-

ان الحكماء بالرائي من اصحاب رسول الله صلى
الله عليه وسلم مشهورواختال الخطأ في
اجتهادهم ثابت اذ ليسوا بمعصومين من
الخطأ ولا بالحيثية - حياتة - وعصره -
آراءه، مثلاً طبع مصر از محمد البزهد

حضرت حباب بن منذر کی بدر کے موقع پر رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند
فرما کر قبول فرمائی تھی (مستدک ج ۳ ص ۴۲۷)

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ بڑے صاحب الرائے تھے چنانچہ لوگ ان کو مغیرہ الرائی کہتے
تھے۔ (مستدک ج ۳ ص ۴۲۷)

الغرض غیر منصوص مسائل میں حضرات صحابہ کرامؓ نے جہاں رائے اور اجتہاد سے کام لیا
ہے اگر ان کو جمع کیا جائے تو اچھا خاصہ دفتر تیار ہو سکتا ہے، مگر ہمارا مقصد دلائل اور براہین
کا استیعاب نہیں، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ قرآن و حدیث اور
اجماعی مسائل کے بعد رائے اور قیاس کا کام لینا خود مرفوع اور صحیح حدیث اور حضرت صحابہ کرامؓ کے اہل
سے ثابت ہے اور جمہور اُمت بھی اس کی قائل ہے۔ پھر رائے اور قیاس کی مذمت اور اہل الرائے
اور صاحب قیاس کی توہین و تذلیل کیونکر قابل سماعت ہو سکتی ہے؟

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ:-

وغلط وہ قیاس شرعی است جمہور از صحابہ
و تابعین و فقہاء و متکلمین با آن رفتہ کہ اصلی از
اصول شریعت است استدلال میر و دلیل
بر احکام وار وہ بمعظاہر یہ انکارش کردہ اندہ

قیاس شرعی کے بارے اختلاف ہے، جمہور صحابہ کرامؓ
و تابعین فقہاء و متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ قیاس اصول
شریعت میں ایک اصل ہے جو احکام سماعت سے
تعلق رکھتے ہیں، ان میں قیاس استدلال درست ہے

اھ (افادۃ المشیونہ مللہ)

اور اہل ظاہر اس کا انکار کرتے ہیں۔

اور نواب صاحب قیاس کے مجتہد شرعی ہونے کے مثبت و منفی دلائل پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

و دلائل سمع بر قیاس نزد اکثر قطعی است
و نزد آدمی قطعی ابن عبد البر گفتہ نیست غلات
در میان فقہاء اصحاب و سائر اہل سنت در
لفی قیاس در توحید و اثبات او در احکام مگر
داود کہ سنی و ہر دو لفظی آن کردہ اھ
(ہدایۃ السائل ص ۱۸۱)
اور قیاس پر سمعی دلیل کی دلالت اکثر کے نزدیک
قطعی ہے اور علامہ آدمی کے نزدیک قطعی ہے امام ابن
عبد البر فرماتے ہیں کہ مشرور کے فقہاء اور علم اہل
سنت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید
یعنی عقائد میں قیاس نہیں ہو سکتا اور احکام میں قیاس
ہو سکتا ہے اور داود و ظاہری دونوں میں قیاس
کی لپی کرتے ہیں۔

مشرور غیر مقلد اور صاحب قلم عالم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ:-
"جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جن کے بارے میں کوئی متعین نص موجود نہیں
ہے تو بغیر کسی اختلاف کے کہا جاسکتا ہے کہ قیاس دلائل کی ہنگ و تار ان میں
مسلم ہے" اھ (مسئلہ اجتہاد ص ۱۸۱)

ان تمام عبارات اور اقتباسات سے یہ امر آفتاب نیروز کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ بغیر
منصوص مسائل میں قرآن و حدیث و اجماع کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؓ فقہاء نیک
فرجامؓ اور حکماء ذوالاحترامؓ وغیرہم کے نزدیک قیاس دلائل شرعی مجتہد اور توحید و غنیہ عقائد کے
بنیادی مسائل کے علاوہ اس سے احکام کا اثبات مہر اہل اسلام اور جملہ اہل سنت کا اتفاق ہو
سکتا ہے، اہل صرف داؤد بن علی الظاہری اور اس قسم کے کچھ حضرات کا اس میں اختلاف ہے مگر مہر
امت کے قول منصوص کے مقابلہ میں ان کی اس رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ اور دلائل و براہین
کی دنیائیں اس کو کون تسلیم کرتا ہے؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ کس وقت رائے قائم کرتے تھے؟

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ قیاس و اجتہاد اور استنباط دلائل سے کام لیتے

تھے، لیکن یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ وہ کس موقع اور محل پر اور کس وقت و مقام پر قیاس دئے سے کام لیتے تھے؟ اس لیے ہم اس عنوان میں بھی قدرے تفصیل سے کلام کرنا چاہتے ہیں انور فرمائیے۔

حضرت ابو حنیفہؒ کا اپنا بیان یہ ہے :-

أَخَذُ بَكْتَابِ اللَّهِ فَمَا لَمْ أَجِدْ فِيهِ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ لَمْ أَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذْتُ بِقَوْلِ أَصْحَابِهِ أَخَذْتُ بِقَوْلِ مَنْ سُنَّتْ مِنْهُمْ وَادَّعَى مِنْ سُنَّتِ مَنْهُمْ وَلَا أُخْرِجُ مَنْ قَوْلِهِمْ إِلَى قَوْلِ غَيْرِهِمْ فَمَا إِذَا انْتَهَى الْمَسْرُوعُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَالثَّعْلَبِيِّ وَابْنِ سِيرِينَ وَالْحَسَنِ وَعَطَاءٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَدَّةٍ وَرَجُلًا فَقَوْمُ اجْتِهَادٍ وَافْتِحَاهُمْ كَمَا اجْتِهَدُوا - (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۶۸)

کہ میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ کو لیتا ہوں اور اگر کتاب سنت میں حکم نہیں پاتا تو حضرات صحابہ کرامؓ کے قول کو لیتا ہوں ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں لیکن سب حضرات صحابہؓ کے قول کو چھوڑ کر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا اور جب معاملہ ابراہیمؓ، ثعلبیؓ، ابن سیرینؓ، حسنؓ، عطاءؓ، سعید بن المسیبؓ تک (اور ان کے علاوہ کچھ اور حضرات کے نام بھی گئے) پہنچتا ہے تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

اسی کے قریب قریب الفاظ شیخ الاسلام ابن عبد البرؒ کے بھی ہیں۔ (ان نقباء ص ۱۳۸) اور مولانا مبارکپوری صاحبؒ نے مقدمہ تختۃ الاحوذی ص ۸۲ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن حجر مکیؒ اور علامہ علی بن القاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

ان كان في المسئلة حديث صحيح تبعه وان كان عن الصحابة والتابعين فصدقوا ولا قاس فاحسن القياس (الخير الحسن ص ۲۷۸) واللفظ له وقيل الجواز ص ۲۷۸

اگر مسئلہ میں صحیح حدیث ہو تو آپ اس کی اتباع کرتے اور اگر حضرات صحابہؓ اور تابعینؓ سے اس کا حکم ملے تو ان کی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور علامہ قیاس کرتے۔

علامہ ذہبیؒ امام بیہقیؒ بن معینؒ کے طریق سے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ :-

أَخَذُ بَكْتَابِ اللَّهِ فَمَا لَمْ أَجِدْ فِيهِ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ لَمْ أَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذْتُ بِقَوْلِ أَصْحَابِهِ

اللہ والاشار العاصح عنہ التي شئت في
اليدي الثقات عن الثقات فان لم يجد
فيقول اصحابه اخذ بقول من شئت ولما
اذا انتهى الامر الى ابراهيم والشعبي والحسن
وعطاء فاجتهد كما اجتهدوا -
(مناقب ابی حنیفہ میل طبع مصر لاندھبی)

حکم نہ ملے تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور
اُن آثارِ پیغمبر پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے ثقہ راویوں
میں پہنچ کر پھیل چکے ہوں، اگر اس میں بھی کامیابی نہیں
ہوتی تو میں آپ کے حضرات صحابہ کے اقوال میں سے
جس کو پسند کرتا ہوں لے لیتا ہوں اور جب بہت
ابراہیم، شعبی، حسن اور عطاء تک پہنچتی ہے تو انہوں
نے بھی اجتہاد کیا اور میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

امام عبد الوہاب شحرانیؒ، امام ابن حجر مکیؒ اور امام سیوطیؒ امام صاحبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ
آپ نے ارشاد فرمایا :-

ملجاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
بأنه هو وامي فعلى الرأس والعين وملجاء
من اصحابه تخيروننا وملجاء عن غيرهم فهم
رجال ونحن رجال ومينان ج۱ ملجاء طبع مصر لفظ
والخيرات الحسان م۱ و تبيين الصيغۃ م۲
کہ جو حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
ثابت ہو میرے ماں باپ آپ پر قرآن ہوں تو
وہ سر اور آنکھوں پر اور جو چیز آپ کے حضرات صحابہؓ
سے آئے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو اختیار
کر لیتے ہیں اور اگر غیر صحابہؓ سے آئے تو وہ بھی ہماری
طرح کے انسان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت امام صاحبؒ بھی بالاتفاق روایت کے اعتبار سے تابعی
ہیں اس لحاظ سے تابعین کے ساتھ ان کی تفقہ واجتہاد میں مزاحمت اور علمی اور تحقیقی سرکشی
کوئی قابل انکار بات نہیں ہے اور ہم رجال ونحن رجال کہنا کوئی بے موقع اور بے عمل اثر نہیں
ہے، اور حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی اس کے قریب الفاظ نقل کیے ہیں (المنقذۃ ص ۴۷ طبع مصر)
الوجہۃ الکرمی کا بیان ہے کہ

منعت اباحنیفۃ یقول الاعداء الحدیث
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذنا به واذا
جاءنا من الصحابة تخيروننا واذا جاءنا من
میں نے امام ابو حنیفہؒ سے سن انہوں نے فرمایا کہ
جب ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
پہنچتی ہے تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور جب ہمارے پاس

التابعین زاحمتهم (المستقاء ص ۱۲۹ طبع مصر) ابن عبد البر واللفظ له وتبيين المصنف
 ص ۱۲۹ والجواهر المصنیه ج ۲ ص ۱۲۹
 حضرات صحابہ کے اقوال آتے ہیں تو ان میں سے کسی کو
 اختیار کر لیتے ہیں اور اگر ہمارے پاس تابعین کے
 اقوال آتے ہیں تو ہم ان سے علمی مزاحمت کرتے ہیں
 اور حضرت ملا علی نقی القاری امام صاحب کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ :-

ما جاء عن الله ورسوله لا نتجاوز عنه وما
 اختلف فيه الصحابة اختلفناه وملجأ من
 غيرهم اخذنا وتركنا (ذیل الجواهر ج ۲ ص ۱۲۹)
 جو حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ
 وسلم سے ہمیں پہنچتا ہے تو ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے
 اور جس چیز میں حضرات صحابہ کا اختلاف ہوتا ہے
 تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو چن لیتے ہیں اور غیر کے
 اقوال کو لیتے بھی ہیں اور چھوڑتے بھی ہیں۔

اور مولیٰ احمد بن مصطفیٰ امام صاحب کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ :-

ما جاء ناعن الصحابة فعلى الرأس والعين
 وما جاء ناعن التابعين فهد رجال
 نحن رجال ومنفتح السعادة ج ۲ ص ۱۲۹
 جو چیز ہمارے پاس حضرات صحابہ سے پہنچی ہے تو
 اس کو ہم سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں اور جو تابعین سے
 آئی ہے سو وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں۔

امام ابن حجر مکی اور ملا علی نقی القاری ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ :-

ليس لاحد ان يقول براهيه مع كتاب الله
 تعالى ولا مع سنة رسول الله صلى الله عليه
 وسلم ولا مع ما اجمع عليه اصحابه والخير
 مكة والفظله وفي لفظ القاري او اجماع عن
 الامة ذیل الجواهر ج ۲ ص ۱۲۹
 کسی شخص کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے مقابلے
 میں رائے کا کوئی حق حاصل نہیں اور اسی طرح جس چیز
 پر حضرات صحابہ کا (اور امت) کا اجماع واقع ہو چکا ہو
 اس کے مقابلہ میں بھی کسی کو رائے پیش کرنے کا حق
 نہیں پہنچتا۔

ابن تمام واضح اور روشن اقتباسات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ بات آشکارا
 ہو گئی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نہ تو کتاب و سنت اور اقوال حضرات صحابہؓ سے بے نیاز
 تھے اور نہ منکر بلکہ صاف طور پر وہ کھلے لفظوں میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت اپنی رائے اور
 قیاس سے کام لیتا ہوں جب قرآن و حدیث اور اقوال حضرات صحابہؓ میں مجھے کسی حکم پر روشنی پڑتی نظر

نہیں آتی، اس اہل علم ہی انصاف سے فرمائیں کہ ایسے موقع پر محدث کا مل فائدہ دوران اور عالم ربانی کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ آیا کنج عافیت اور زاویہ غمول میں خاموش ہو کر بیٹھ جانا چاہیے تھا؟ یا اپنی خدا داد بصیرت، علمی تفوق اور فطرتی بصیرت کے تحت مشکل مسائل اور نوازل کی کھٹی سمجھانی چاہیے تھی؟ اور اگر انہوں نے وقت کی اس اہم ضرورت کو اپنے ناخن تدبیر و تفقہ سے حل کر کے امت پر مرحومہ پر احسان کیا ہے تو اس کی وجہ سے کیا وہ داؤ تحمین کے مستحق ہیں یا باعث نفعین ہیں؟

وہ ایک عالم جسے جہاں نے خزانہ تحمین لو کیا ہے

وہ ایک مومن جو لطف خالق کی برکتوں سے مستفید ہے

امام موصوف کے زمانہ میں بھی بعض کم فہم یا متعصب لوگوں نے ان کو رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے طعنہ دیا تھا جس کا جواب امام موصوف نے یوں دیا کہ:-

عجبا للناس يقولون افنى بالتراى ما افنى
لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں رائے سے فتنی
الذی بالشر الحیثیلت الحسان ص ۲ و تہیض
وینا ہوں حالانکہ میں تو حدیث کے مطابق فتنی
العصیفہ ص ۲ و الجواہر المصنیہ ج ۲ ص ۲۰۲
دیتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ:-

لا تقولوا لى ابى حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ
تم یہ نہ کہا کرو کہ ابو حنیفہؒ کی رائے سبے بکہ یوں کہا
ولکن قولوا انه تفسیر الحدیث -
کہو کہ وہ حدیث کی تفسیر ہے۔

ذیل الجواہر ج ۲ ص ۲۰۲

امام عبداللہ بن المبارکؒ ہی فرماتے ہیں کہ:-

لیکن الذی تعتمد علیہ الذی یخذ من الثانی
تیرا اعتماد حدیث پر ہونا چاہیے اور رائے و فہم
ما یفسر الحدیث (جامع بیان العلل
اتحاد ضرور حاصل کر جو تیسرے لیے تفسیر
ج ۲ ص ۱۳۲)
حدیث میں محدود۔

امام صدر الائمہ مکیؒ اپنی سند کے ساتھ امام عبداللہ بن المبارکؒ سے نقل کرتے ہیں
انہوں نے فرمایا کہ:-

علیکہ بالاثروا بدلائل من ابی حنیفۃ
 فیرفع بہ تاویل الحدیث ومعناہ ۱ھ
 حدیث واثرا کالینا تم پر لازم ہے لیکن اثر کے لیے
 امام ابو حنیفہ کی ضرورت ہے تاکہ ان کی وجہ سے
 حدیث کی تفسیر اور اس کا معنی سمجھا جاسکے۔
 اور علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ امام عبد اللہ بن المبارک سے روایت کرتے
 ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ :-

ان کان الاثر قد عرفت واحتیج الی التامی
 فراثی مالک وسفیان والی حنیفۃ وابو حنیفۃ
 احنہم وادقہم فطنۃ وغوصہم علی الفقہ
 وموافقۃ الثلاثۃ ۱ھ
 اگر اثر و حدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت
 پیش آئے تو امام مالک، امام سفیان، امام حنیفان
 اور امام ابو حنیفہ کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے
 اور ابو حنیفہ ان سب میں فقہ کی شدہ تک پہنچنے
 والے اور ان تینوں میں بڑے فقیہ تھے۔

یہ رائے کبھی تو حدیث کے منطوق کے مطابق ہوتی ہے اور کبھی مضموم کے موافق۔ اگر
 حدیث سے اس طرز استدلال کا کسی نے اندازہ لگانا ہو تو وہ حضرت امیر المومنین فی الحدیث
 امام بخاری کی صحیح بخاری کے ابواب و تراجم سے لگا سکتا ہے کہ بعض مقامات میں حافظ الدنیا
 امام ابن حجر عسقلانی جیسے اساطین حدیث و فقہ بھی حدیث اور ترجمہ الباب کی تطبیق کرنے میں حیران
 و ششدر رہ جاتے ہیں اور توجیہ پر توجیہ کہتے چلے جاتے ہیں کیونکہ ظاہری طور پر دعویٰ اور دلیل
 کی مطابقت نظر نہیں آتی۔ مگر نہایت باریک بینی سے کام لیا جائے تو ہوتی ضرورت ہے اسی
 لیے کہا گیا ہے کہ فقہ البخاری فی ابواب و التراجم۔

انتہائی تاقت کی بات ہے کہ اگر کوئی ایسی ہی دقیق اور باریک فہمی دلیل حضرت امام ابو حنیفہ
 کسی حدیث سے استنباط کرتے ہیں تو جھٹ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث کے مخالف و منکر ہیں
 اور علمی ترکش اس مقام میں توجیہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور بدگمانی اور سوء ظن کا تلاطم خیر منہ سینوں
 اور سینوں میں ابلنے لگتا ہے اور جی بھر کہنے والے ان کہنی باتیں کہہ گزرتے ہیں۔

مشہور محدث علی بن خشرم المتوفی ۲۵۴ھ جو ثقہ تھے تہذیب ج ۱۶ کا بیان ہے کہ :-
 کما فی مجلس سخیان بن عیینۃ قتال ۱۱۱ ھ ہم امام سفیان بن عیینہ کی مجلس میں تھے انہوں نے

اصحاب الحدیث تعلموا فقہ الحدیث لہ
 یقہرکہ اصحاب التذاتی ما قال ابو حنیفہ
 شیخاً الذی عنہ نردی فیہ حدیثاً واحدین لہ
 (معرفة علوم الحدیث طبع القاہہ)
 فرمایا کہ اے اصحاب الحدیث تم حدیث میں تفقہ
 پیدا کرو ایسا نہ ہو کہ اصحاب الرائے تم پر غالب آجائیں
 امام ابو حنیفہ نے کوئی چیز ایسی نہیں کہی جس میں ہم ایک
 یاد و حدیثیں نہ ردایت کرتے ہوں۔

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ اصحاب الرائے کا کام تفقہ فی الحدیث رہا ہے
 یہی وجہ ہے کہ امام سفیان بن عیینہ اصحاب الحدیث کو اصحاب الرائے کی طرح تفقہ فی الحدیث
 کی ترغیب دے رہے ہیں اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ جو کچھ بھی حضرت امام ابو حنیفہ نے فرمایا
 ہے اس میں بقول امام سفیان بن عیینہ ایک یاد و حدیثیں موجود ہیں اس سے زیادہ امام صاحب
 کی رائے وقت کے حدیث کے مطابق ہونے کی اور کیا دلیل درکار ہے کہ اہم حدیث اس کی تائید
 کرتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے جو کچھ کہا ہے ہم اس میں ایک یاد و حدیثیں ملت
 کرتے ہیں گویا امام صاحب کا قیاس واجتہاد عین حدیث کے مطابق نکلا۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ قرآن و حدیث کی موجودگی میں اور
 حضرات صحابہ کے اقوال و آثار کے ہوتے ہوئے ہرگز رائے اور قیاس کا کام نہ لیتے تھے اور نہ
 ان کی رائے احادیث و آثار سے بے نیاز ہوتی تھی۔ امام ابو القاسم غسانی بن محمد بن عبد اللہ بن سالم
 البیہقی (المتوفی ۳۵۰ھ) نے کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے کہ:-

وضع القیاس ابو حنیفہ صلیہ
 فانی ما وضع حجة و قیاس
 تمام قیاس کی بنیاد ابو حنیفہ نے رکھی ہے
 اور اس میں انہوں نے واضح حجت اور قیاس کا کام لیا
 وبقی علی الآثار رأس بناءہ
 فانت عوامہ علی الاساس
 اور انہوں نے اپنے قیاس کی بنیاد احادیث پر رکھی ہے
 اس لیے اسی بارکیاں مضبوط بنیاد پر کھڑی ہیں
 باوجودیکہ حضرت امام ابو حنیفہ کی رائے و قیاس کی بنیاد قرآن و سنت اور حضرات صحابہ کرام
 کے اجماعی مسائل پر قائم ہے اور باوجود اس کے کہ امت کی اکثریت ان کی اصابت رائے کی
 تعریف کرتی اور ان پر اعتراف کرتی ہے بمعہ ان کی وسعت نظری اور علم دوستی کا حال یہ تھا
 کہ وہ صاف لفظوں میں یہ ارشاد فرماتے تھے کہ:-

هذا الذي نحن فيه رأى لا نجبر لحد اعليه
ولا نقول يجب على احد قبوله بکراهية
فمن كان عنده شيء احسن منه فليأت
به اهـ (الاستقامة مثلاً واللفظ له والخيرات
اللسان مثلاً)

یہ جو ہم نے اختیار کی ہے رائے ہے ہم اس پر کسی
کو مجبور نہیں کرتے اور نہ کہہ سکتے ہیں کہ بکراہیت اس
کا قبول کرنا کسی پر واجب ہے، اگر کسی کے پاس اس
سے بہتر رائے ہو تو وہ اس کو لے آئے۔

علامہ خطیب بغدادی امام صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ :-
هذا رأى وهو احسن ما قدرنا عليه فمن
جاءنا باحسن من قولنا فهو اولى بالصواب
منا۔ (مآرجع بغداد ج ۱۳ ص ۲۵۲)

یہ وہ اچھی رائے ہے جس پر ہم قادر ہوئے ہیں اور
جو شخص ہمارے قول سے بہتر قول ہمارے پاس لائے
تو وہ ہمارے قول سے زیادہ اولیٰ اور بہت درست
ہوگا۔

اور امام شعرانی ان سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ :-
فكان اذا اُفتي يقول هذا رائى ابى حنيفة
وهو احسن ما قدرنا عليه فمن جاءنا
منه فهو اولى بالصواب اهـ
(ميدان ج ۱ ص ۵ طبع مصر)

جب وہ فتویٰ دیا کرتے تھے تو صاف فرماتے تھے
کہ یہ ابو حنیفہ کی رائے ہے جس پر ہم عملگی کے ساتھ
قادر ہوئے ہیں جو شخص اس سے بہتر رائے پیش کرے
تو اس کی رائے زیادہ قابلِ قدر ہوگی۔

اندازہ کیجئے اس بے نفسی اور تواضع کا کہ اپنی رائے کے ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور
نہ اپنی رائے بیکر و کراہت کسی کے گلے میں مڑھنا چاہتے ہیں، بایں ہمہ تقریباً نصف امت
سے زیادہ حضرات نے ہر دور میں ان کی رائے کو محض اس لیے قبول کیا ہے کہ حضرات صحابہ
کرامؓ کے بعد پوری امت میں ان کی رائے سے بہتر رائے کسی کی ان کو نظر نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے
کہ چوٹی کے محدثین کرامؓ اور فقہاء عظامؓ ان کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی پیروی کرتے
ہے ہیں جیسا کہ یہ اپنے مقام پر مقرر ہے۔

الحاصل بلاشک امام صاحب اور آپ کے اصحاب اہل الرائے ہیں مگر مذموم اور قبیح رائے
کا انہوں نے ہرگز ارتکاب نہیں کیا اور نہ فی نفسہ اہل الرائے ہونا کوئی موجب تنقیض امر اور باعث

تو بہن صفت ہے۔ ہاں اگر کوئی جاہل یا مستحب اخلاقی پستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا تشریح کے جوتے جوتے رائے اور اہل الرائے کی تذلیل کرتا یا ان سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے تو اس کا علاج اس جہان میں کچھ نہیں ہو سکتا، آئے واسے جہان ہی میں اس کی قلعی کھنڈکی اِنْشَاءَ اللّٰهُ الْعَزِيزِ۔ چنانچہ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

اعلم انه يتعين عليك ان لا تفهم من اقوال العلماء عن ابي حنيفة واصحابه انهم اصحاب الراي ان مرادهم بذلك تنقيصهم ولا نسبتهم الي انهم يقدمون رايهم على سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا على قول اصحابه لانهم يروا من ذلك فقد جاء عن ابي حنيفة من طرق كثيرة ما ملأه انه اذا يأخذ بما في القرآن فان لم يجد قال السنة فان لم يجد فقول الصحابة فان اختلفوا اخذ بما كان اقرب الى القرآن او السنة من اقوالهم ولم يخرج عنهم فان لم يجد احد منهم قوله لم يأخذ بقول احد من التابعين بل يجتهد كما اجتهدوا۔

والنخبات الحسان ص ۲۷ و ص ۲۸ طبع مصر

تجھے جاننا چاہیئے اور تم پر یہ بات لازم ہے کہ تم علماء کے ان اقوال سے جن میں انہوں نے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے کہا ہے یہ نہ سمجھو کہ وہ اس سے ان کی تعظیم کرنا چاہتے ہیں اور نہ ان کی اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی رائے کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہؓ کے قول پر مقدم کرتے ہیں عاशा وکلاً وہ اس سے بالکل بری اور بیزار ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہؒ سے متعدد طرق سے یہ آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے قرآن پر عمل کرتے تھے، اگر اس میں ان کو حکم نہ ملتا تو سنت پر عمل کرتے تھے، اگر سنت بھی نہ ملتی تو حضرات صحابہؓ کا قول لیتے، اگر حضرات صحابہؓ کا اختلاف ہوتا تو ان کا جو قول قرآن یا سنت کے قریب تر ہوتا اس کو لے لیتے اور ان کے قول سے خارج نہ ہوتے اور اگر حضرات صحابہؓ کا قول بھی ان کو نہ ملتا تو تابعین کا قول نہ لیتے بلکہ حبیبہ کا انہوں نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح وہ خود بھی اجتہاد کرتے تھے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول میں بالکل واضح ہے، مزید کسی تفصیل کی محتاج نہیں ہے

امام عبد الوہاب شہرانی الشافعی لکھتے ہیں کہ :-

فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام
ابن حنیفۃ الی انہ یقدم القیاس علی
حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اعلم ان هذا الکلام صادر من متعصب
علی الامام متہود فی دینہ غیر متورع
فی مقالہ غافل عن قوله تعالیٰ ان التمع
والبصر والقواد کل اولئک کان
عنه مشورۃ ۱۱
(میزان جلد ۱ ص ۱۱ طبع مصر)

یہ فصل ان لوگوں کی بات کو ضعیف بنانے میں
نہتے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ قیاس کو جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر مقدم کرتے
ہیں جانتا چاہیے کہ یہ کلام امام موصوف کے ہاتھ
میں اس شخص سے صادر ہوا ہے جو متعصب ادریں
میں بیہ باک اور گفتگو میں پرہیز کرتے والا نہیں ہے
اور وہ خدا تعالیٰ کے اس قول سے غافل ہے کہ
بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بلے
میں اس سے پوچھ ہوگی۔

اور اس پر اچھی خاصی بحث کرتے کے بعد آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

فعلہ من جمیع ما قدرناہ ان الامام لا
یقین ابداً مع وجود النص کما یؤمنہ
المتعصبون علیہ وانما یقین
عنه فقد النص ۱۲
(میزان ج ۱ ص ۱۲ طبع مصر)

ہم نے جو بحث کی ہے اس سے بخوبی یہ معلوم ہو
گیا ہے کہ امام موصوف نص کی موجودگی میں کبھی قیاس
نہیں کرتے تھے جیسا کہ متعصبین نے ان پر یہ الزام تھوڑا
نہے، ہاں وہ اس وقت قیاس کرتے تھے جب
نص موجود نہیں ہوتی تھی۔

اور پھر آگے رقمطراز ہیں کہ :-
قَالَ لَهُمْ تَبَيَّنَ مِنْ كُلِّ رَأْيٍ يَخْتَلِفُ
لِلشَّرِيعَةِ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ النُّعْمَانُ
بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ خَلَّافَتْهُ مُنَايُصِفُهُ
إِلَيْهِ بَعْضُ الْمُتَعَصِّبِينَ وَيَا فُضَيْلَةَ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ مِنَ الْإِمَامِ إِذَا وَقَّعَ الْوَجْهَ فِي الْوَجْهِ
۱۳ (میزان ج ۱ ص ۱۳ طبع مصر)

ان امر میں سے سب سے بڑے نمبر پر ہر ایسی رائے
جو شریعت کے خلاف ہو بیزار ہونے والے امام عظیم ابو حنیفہ
میں برعکس اس کے کہ جو خیال متعصب لوگ ان کی
طرف نسبت کرتے ہیں کیا ہی رسوائی ہوگی، ایسے
متعصب کی قیامت کے دن جب کہ وہ امام صاحب
کے روبرو ڈر ہوگا۔

نُطقت کی بات یہ ہے کہ امام موصوف اور آپ کے اصحاب کی یہ صفائی پیش کرنے والے
 حقیقی نہیں تاکہ مذہبی تعصب یا ہٹ دھرمی کا الزام ان پر عائد کر کے ان کی تصریحات کو نظر انداز
 کر دیا جائے بلکہ یہ حضرات شافعی المسلک ہیں اور امام شعرائی تو وہ بزرگ ہیں جن کی متعدد عبارات سے
 مولانا میر صاحب نے تاریخ الہمدیث میں اور قوت سلج التقلید نے مثلاً دیکھتے ہیں وغیرہ السدال
 واجتہد کیا ہے، اور ان کے علم و دیانت پر کئی اعتماد کیا ہے۔

یہی امام شعرائی باوجود شافعی ہونے کے احناف کے دلائل و براہین کی قوت سے متاثر ہو کر
 بیابگب و ہل یہ فرماتے ہیں کہ:-

فصل فی تضعیف قول من قال ان ادلة
 مذہب الامام ابی حنیفۃ ضعیفۃ غالباً اعلم
 یا انی اتی طالعت بحمد اللہ تعالیٰ ادلة
 المذاهب الاربعة لادیم اذلة مذہب الشیخ
 ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ فانی خصصتہ بترید
 اعتنا و مطالعت علیہ کتاب تخریج احادیث
 الہدایۃ للمفاظذ النلیعی وغیرہ من کتب الشرح
 فرأیت ادلتہ و رضی اللہ عنہ و ادلة اصحابہ
 ما بین صیح او حسن او ضعیف کثرت طرقة
 حتی لحق بالحسن او الصیح فی صفة الاحقاج
 بہ من ثلثة طرق و اکثر لک عشرة اھ
 (میزان بہ اصرفہ طبع مصر)

یہ فصل ان لوگوں کے اس قول کی تضعیف میں ہے جو
 یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل غالباً
 ضعیف ہیں اے میرے بھائی قربان اے کہ بے شک
 میں نے بحمد اللہ تعالیٰ مذاہب اربعہ کے دلائل کا مطالعہ
 کیا ہے اور خصوصیت سے امام ابو حنیفہ کے مذہب کے
 دلائل کا سو میں نے ان کے مذہب کو دلائل کے مزید
 اہتمام کے ساتھ دیکھا ہے چنانچہ میں نے احادیث
 ہدایہ کی تخریج میں مفاظذ النلیعی کا نصب الرأیہ اور اسی
 طرح اور کئی شروح دیکھی ہیں، میں نے امام صاحب
 ان کے اصحاب کے ادلہ ملاحظہ کئے ہیں جو صیح یا حسن
 حدیث کی طرف راجع ہیں یا ایسی ضعیف حدیثیں
 ہیں جو کثرت طرق کی وجہ سے حسن یا صیح کے ساتھ جا
 ملتی ہیں اور تین سے زائد طرق تک مروی ہیں
 جن سے اجتہاد صیح ہوتا ہے۔

امام شعرائی ہی کہتے ہیں کہ:-

وانہ ما طعن احدی قول من اقوالہم الا

جس شخص نے ان انہ کے کسی قول پر طعن کیا ہے تو محض

لجہلہ بہ امان حیث دلیلہ و امان حیث
 دقة مدارک علیہ لا سیما الامام الاعظم
 ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ الذی اجمع السلف والخلف علی کثرة
 علمہ وورعہ وعبادتہ ودقة مدارکہ و
 استنباطاتہ (میزان جلد ۱ ص ۵۴)

جمالت کی وجہ سے کیسے دیا تو وہ دلیل کر نہیں
 سمجھ سکا اور اوہ وجود قیاس کی باریکی کو نہیں سمجھ سکا
 خاص کر امام عظیم ابو حنیفہؒ پر طعن تو قابل التفات
 ہی نہیں کیونکہ سلف و خلف ان کے کثرت علم،
 ورع، عبادت و جوہ قیاس و مدارک اور استنباطات
 کی دقت اور باریکی پر متفق رہتے ہیں۔

مشہور محدث ابو بکر الاجیری (المتوفی ۳۶۰ھ) نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بعض سے
 یہ نقل کیا تھا کہ نہ ان کے پاس رائے ہے اور نہ حدیث۔ اس قول کو نقل کر کے امام شعرائیؒ
 لکھتے ہیں کہ:

فان الحسن لا یصدق هذا القائل فنیما
 قاله فی حق الامام ابی حنیفۃ وقد
 ثبتت بحمد اللہ اقوالہ واقوال اصحابہ
 لما آلفت کتاب ادلة المذاهب فلم اجد
 قولاً من اقوالہ او اقوال اتباعہ وهو مستند
 الی ائمة او حدیث او اثر او مفهوم ذالک و
 حدیث ضعیف کثرت طرقہ لا والی قیاس
 صحیح علی اصل صحیح الخ
 (میزان ج ۱ ص ۵۴)

اس قائل نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے
 جس میں اس کی تصدیق نہیں کرتی کیونکہ میں نے بحوالہ اللہ
 قلم لے جب کتاب ادلة المذاهب تالیف
 کی تو اس وقت امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے
 دلائل دیکھے ہیں میں نے ان کا اور ان کے اصحاب
 کا کوئی قول ایسا نہیں دیکھا جو آیت یا حدیث یا
 اثر یا اس کے مفهوم یا ضعیف حدیث جس کے
 طرق متعدد ہوں یا کسی ایسے قیاس کی طرف مستند
 ہو جو اصل صحیح پر مبنی ہے۔

اگر یہ حوالہ کسی حنفی عالم کا ہوتا تو مشہور کہادت کے مطابق گھر کی مرغی وال برابر کہہ کر
 اس کو ٹر خایا جاسکتا ہے مگر یہ حوالے تو امام عبد الوہابؒ کے ہیں جو بقول میر صاحبؒ کے شافعی تھے
 لیکن بہت متادب و حاشیہ تاریخ اہل حدیث (ص ۱۱) اور یہ بیان بھی وہ مذاہب اربعہ
 کے دلائل کا موازنہ کرنے کے بعد دیتے ہیں۔

خبر واحد قیاس پر مقدم ہے۔

فتا۔ احناف کثر اللہ جانتے ہیں کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے چنانچہ فقہ حنفی کی مستند اور متداول کتاب در مختار (مصنفہ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی المنصوری المتوفی ۸۸۵ھ) اور اس کی شرح رد مختار (مؤلفہ علامہ محمد امین الشافعی المتوفی ۱۲۵۲ھ) میں فقہ ہانہ انداز سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

وقف علی اصحاب الحدیث لا یدخل فیہ
اگر کسی شخص نے اصحاب الحدیث پر کوئی چیز وقف
الشافعی اذا المرء یکن فی طلب الحدیث ویخل
کی تو شافعی المسکب اس میں داخل نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ
الحنفی کان فی طلبہ اول۔
حدیث کی طلب نہ کرتا ہو اور حنفی اصحاب الحدیث
کے نعرہ میں داخل ہے عام اس سے کہ وہ طلب
حدیث میں مصروف ہو یا نہ ہو۔

اور اس کی دلیل اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:-

لکونہ یعمل بالمرسل ویقدم خبر الواحد
اس لیے کہ حنفی مرسل حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں
علی القیاس رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۹
اور خبر واحد کو قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں (لہذا وہ
الحدیث کا اولین مصداق ہے)

اس عبارت سے جہاں صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوا کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر مطلقاً اصحاب الحدیث کا لفظ بوجہ اس سے احناف ہی مراد ہوں گے کیونکہ وہ مرسل حدیث کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور شافعی المسکب مرسل کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ تمام احادیث کو ماننے والے ہی اہل حدیث ہوں گے اگرچہ وہ طلب حدیث میں مصروف نہ بھی ہوں کیونکہ وہ اصولاً سب کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں اگر شافعی المسکب حضرات طلب حدیث میں مشغول ہوں تو اس وجہ سے وہ بھی اصحاب الحدیث کا مصداق ہو سکتے ہیں اور وقت کے حقدار ہیں۔ مرسل حدیث کے حجت ہونے کے بارے میں ہم نے اپنی مبسوط کتاب احسن الکلام میں باحوالہ بحث عرض کر دی ہے وہاں ہی اس کا مطالعہ کر لیجئے۔

استثنائی حیرت اور سخت تعجب کی بات ہے کہ زمانہ سال کے نوایجاد فرقہ نے اہل حدیث کا لقب دوسروں کے گھروں سے چھین کر اپنے لیے الاٹ کر رکھا ہے اور ان کو اصحاب الحدیث یا اہل حدیث کہنے اور لکھنے پر بھڑے سے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اپنے مقام پر اس کی بحث آئے گی اِنْشَاءَ اللّٰہ العَزِیْز مگر انقلابِ زمانہ اور رفتارِ زمانہ کے ساتھ ساتھ غیر معتدین کا تعصب بھی عروج پر ہے۔ باقی رہا غیر معتدین حضرات کا یہ بے جا وہم کہ حنفی مہم حدیث کے مخالفت ہیں یا وہ اس وقت بھی اپنے اہم کے قول کو اخذ کرتے ہیں جب کہ اس کے خلاف کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو یہ صرف ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے اور بس، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب الحنفی تقلید واجب اور حرام کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے تقلید واجب کی نشانی بتاتے ہیں کہ :-

وامارۃ هذا التقليد ان يكون عليه يقول	اور اس تقلید کی نشانی یہ ہے کہ مقلد کا اہل مجتہد کے
المجتہد كما المشروط بكونه موافقا للسنة	قول پر اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ سنت کے موافق
فلا يزال متفحضا عن السنة بقدر	ہو اور وہ بقدر امکان سنت کا متلاشی ہو۔ جب
الامكان فمضى ظہر حدیث يخالف قوله	اس قول کے خلاف حدیث ظاہر ہو جائے جو اس
هذا اخذ به الحدیث والید اشار الزمۃ	قول کے مخالفت ہو تو حدیث پر عمل کرے اور اسی
(عقد الجید ص ۸۴ طبع لاہور)	کی طرف اٹھ کر لے اشارہ کیا ہے۔

اور تقلید حرام کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

فان بلغه حدیث واستيقن بصحة ولم	اگر اس کو حدیث پہنچ جائے اور اس کی صحت کا اُٹے
يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد	یعین بھی آجائے مگر بایں ہر وہ اس کو اس لیے قبول
فهذا اعتقاد فاسد وقول فاسد	نہیں کرنا کہ اس کو ذمہ تقلید سے مشغول ہے تو یہ
ليس فيه شاهد من النقل والعقل وما	اعتقاد فاسد اور کھوٹا قول ہے اور نقل و عقل اس کی
كان احد من القرون السابقة يفعل	شادات نہیں دیتے اور قرونِ ماضیہ میں ایسا کوئی
ذلك (عقد الجید ص ۸۵)	نہیں کرتا تھا۔

علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ :-

اذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب
عمل بالمحدث ويكون ذلك مذهبه ولا
يخرج مقلده من كونه خفيا بالعمل به فقد
صح عنه انه قال اذا صح الحديث فهو
مذهبي۔ (شامی ج ۱ ص ۲ طبع مصر)

جب حدیث صحیح ثابت ہو اور مذہب کے خلاف
ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے اور حدیث پر عمل کرنا اہم
ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرنا ہے اور اس وجہ سے
ان کا مقلد حقیقی ہونے سے خارج نہ ہوگا کیونکہ امام
صاحبؒ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا
ہے (انہوں نے فرمایا) کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی
میرا مذہب ہے۔

اور حضرت ملا علی بن القاریؒ احناف کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں کہ:-
ان مذہبہم القوی تقدیر الحديث
الضعیف علی القیاس المجدد الذی یحتمل
التزییف (مرقات ج ۱ ص ۲ طبع مصر)

احناف کا قوی مذہب یہ ہے کہ وہ ضعیف حدیث
کو بھی قیاس پر جو تزییف و کمزوری کا احتمال رکھتا ہو
مقدم سمجھتے ہیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ جو حضرات حدیث ضعیف کو بھی قیاس مجرور پر مقدم سمجھتے ہوں ان
پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کو ترک کر دیتے ہوں گے؟ باقی اگر کسی خفی
عالم کے کسی غلط استدلال سے یہ تاثر پیدا کر لیا گیا ہو تو یہ بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ جب
ہم حضرات مجتہدین کو معصوم عن الخطاء تسلیم نہیں کرتے تو غیر مجتہد کو یہ مقام کس طرح حاصل
ہو سکتا ہے؟ اور نہ ایسی خطاؤں پر حنفی مسلک کا مدار ہے کیونکہ بات ایسے اجتہاد اور قیاس
کی ہو رہی ہے جو صحیح ہو۔

ضعیف حدیث بھی رائے پر مقدم ہے۔

علماء احناف نے حدیث کے بارے میں جو احتیاط کی ہے وہ کسی اور نے نہیں کی یہ الگ
بات ہے کہ دائرہ تحقیق میں رہ کر ان سے علمی مناقشہ کیا جاسکتا ہے اور ان کی عائد کردہ شرطوں میں
شدت اور سہل انگاری پر گرفت کی جاسکتی ہے، یہ علمی میدان ہے اور اس میں انصاف و دیانت
کے ساتھ ہر اہل علم کو اختلاف رائے رکھنے کا حق حاصل ہے مگر امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب ضعیف
حدیث کو بھی قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقال ابن حزم جميع اصحاب ابی حنیفہ
مجمعون علی ان مذهبہ ان ضعیف
الحديث اولی عندہ من القیاس
علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ تمام اصحاب امام حنیفہ
اس پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث امام صاحب کے
نزدیک قیاس (دلائل) سے اولیٰ ہے۔

(الحکایات الحسان ص ۲۷)

اور ثواب صاحب لکھتے ہیں کہ :-

وذكر ابن حزم الاجماع علی ان مذهب
ابی حنیفہ ان ضعیف الحديث اولی
عندہ من الدلائل والقیاس اذا لم یجب
فی الباب غیر (دلیل الطالب ص ۸۸)
امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع واقع
ہو چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف
حدیث ان کے نزدیک قیاس و دلائل سے اولیٰ ہے
جب کہ اس باب میں اس کے بغیر اور کچھ نہ مل سکے۔

کیسے اور کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جب حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب ہی یہ ہے
کہ ضعیف حدیث بھی قیاس و دلائل سے اولیٰ ہے اور اس پر علامہ ابن حزم جیسے وسیع النظر
محقق عالم اجماع نقل کرتے ہیں تو ان پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کے
مقابلہ میں دلائل قائم کرتے ہیں اور بایں معنی وہ صاحب الدلائل ہیں کہ قرآن و حدیث کو محل التللال
میں درغیر اعتناء ہی نہیں سمجھتے (معاذ اللہ) اور ان کا اثاق اور دلائل و براہین کی کائنات
ہی فتنہ دلائل ہے یہ خیال کس قدر غلط ہے بنیاد اور محض جمل و تعصب کی پیداوار ہے
نعوذ باللہ من شرور الفتناء۔

چنانچہ علامہ خطیب بغدادی اور امام سیوطی مشہور محدث عبداللہ بن داؤد الخمری (المتوفی
۲۱۳ھ) بحوالہ حافظ الامام اور القندوزی جراتی حکمہ ص ۳۸ سے نقل کرتے ہیں :-
انہوں نے فرمایا کہ :-

الناس فی ابی حنیفہ حاسد و جاہل و
احتملہ عتدی حاد و الجاہل
(بغدادی ج ۳ ص ۲۶۷ و تبیض العین ص ۲۲)
لوگ ابو حنیفہ کے بارے میں حاسد اور جاہل واقع ہوئے
ہیں اور میرے نزدیک ان میں سے اچھی حالت
والا جاہل ہے۔

اور امام عبداللہ بن المبارک، قاضی الحسن بن عمارہ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ

انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے فرمایا کہ:۔
وما يتكلمون فيك الا حسداً۔
لوگ آپ کے بارے میں محض حسد کی وجہ سے
کلام کرتے ہیں۔

(بعندادی ج ۳ ص ۳۶)

یہ یاد رہے کہ جاہل سے یہ مراد نہیں کہ ان میں کلام کرتے والے علم ہی سے جاہل ہیں بلکہ جاہل
سے مراد یہ ہے کہ باوجود محدث فقیہ اور عالم دین ہونے کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے صحیح
علم اور طرز استدلال اور فتاہت کے انداز سے ناواقف ہوں یا اس طور کہ ان کا زمانہ نہیں پایا
ان سے اور ان کے اصحاب کے تنقیر کی بنا پر ان کی کتابیں نہیں دیکھیں یا حاسدین کے غلط پسگینڈا
سے متاثر ہو کر امام صاحبؒ کے علمی مقام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی وغیرہ ذالک۔ اس
مقام پر الجاہل کے لفظ سے ایسے ہی حضرات مراد ہیں اگرچہ وہ اپنے مقام پر اکابر محدثین ائمہ
علم اور پایہ کے محققین ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ کے سامنے جب کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی
کرتا اور برائی کے ساتھ ذکر کرتا تو وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

حسد والفتی اذلہ یتالوا فضله
لوگوں نے افسوس جو ان سے حسد کی جبر اس کے نتیجہ کو نہ پہنچ سکے
فالقوم اعداء له ونحسوم
سو قوم ان کی مخالفت اور دشمن بنی ہوئی ہے
کفراسترا حساء قلن لن وجہا
حسداً وبغیا انہا لد مید
جس طرح خوب و عورت کی سونکھیں اس کے خاوند سے حسد اور زیادتی کرتی ہوئی یہ کہتی ہیں کہ وہ تو بد صورت ہے
(ذیل الجواہر ج ۲ ص ۳۶۸)

حافظ ابن عبد البر المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ونقموا ایضاً علی ابی حنیفۃ الارجاء ومن
لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی ارجاء کی وجہ سے بھی
اهل العلم من ینسب الی الارجاء کثیر
عیب جوئی کی ہے اور اہل علم میں سے بہت سے
لعمریں احد بنقل قبیح ما قبل فیہ کاعنوا
حضرات ایسے ہیں جو ارجاء کی طرف نسبت کئے گئے
بذلک فی ابی حنیفۃ لامامتہ وہان ایضاً
ہیں لیکن جس طرح امام ابوحنیفہؒ کی امامت کی وجہ سے
مع هذا یحسد وینسب الیہ ما لیس فیہ و
اس میں بڑا پہلو مراد لی گئی ہے اوروں کے متعلق ایسا

وَيَخْتَلِقُ عَلَيْهِ مَا لَا يَلِيقُ وَقَدْ أَثْنَى عَلَيْهِ
 جَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَفَضَّلُوهُ اهـ
 (جامع بیان العلمۃ من ۱۲۸ طبع مصر)

نہیں کیا گیا۔ علاوہ انہیں ان کے ساتھ حسد بھی کیا گیا
 رہے اور ایسی چیزیں تراش تراش کر ان کی طرف نسبت
 کی گئی ہیں جو ان میں نہ تھیں حالانکہ علماء کی بڑی عبادت
 تھے ان کی تعریف بیان کی ہے اور ان کی فضیلت
 کا اقرار کیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے مرجع ہونے کی بجٹ ہم ہوا الہ پہلے عرض کر چکے
 ہیں۔ وہاں ہی ملاحظہ کر لی جائے۔ ان صریح اقتباسات سے روز روشن کی طرح یہ
 بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مثالب اور عیوب تراش تراش کر اور گھڑ
 گھڑ کر بیان کرنے میں حاسدین کا بھی کافی سے زیادہ دخل ہے اور تاریخی اور محسوس واقعات کے
 پیش نظر اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور غلط فہمی اور جہالت کی وجہ سے ان کے بارے میں غیر
 صحیح نظریہ قائم کرنا تو ڈھکی چھپی بات ہی نہیں ہے۔ اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ فہم و بصیرت
 اور دیانت سے صرف نظر کر کے کوئی شخص امام صاحب کا مقام نہیں سمجھ سکتا۔
 بھٹکا ہی ہے گا اپنی منزل پر نہ پہنچے گا
 نہیں ہیں رہروں سے جس کی آداب فریاد

اور اس میں امام ابوحنیفہؒ ہی کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ جس کے ساتھ بھی ضد و عدوت
 ہوتی ہے یا جس کے علمی فنون اور کمال کے ساتھ حسد ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایسی کاروائیاں
 ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قائل کی مراد کو نہیں سمجھا جاتا اور
 کو تاہ فہمی کی وجہ سے اس کے ساتھ اختلاف کی نسبت آتی ہے اور غلط کار لوگوں کے ناروا
 پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر کسی نیک آدمی کے متعلق بھی غلط سے غلط نظریہ پیدا ہو جاتا
 اس پر استدرا ہے خصوصاً اُس دور میں جس میں نہ اخبارات تھے نہ ریڈیو اور نہ دیگر بستر ملت
 خبریں پہنچانے کے ذرائع اور نہ جلدی سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے مواقع
 ہی آسانی سے دستیاب تھے اور نہ پریس اور مطالعہ تھے تاکہ بزرگوں کی اپنی کتابیں بکثرت
 اور بعجلت طبع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں اور وہ اصل کتابوں کو پڑھ کر ان کے

نظریات معلوم کر لیتے الغرض پہلے زمانوں میں تو کسی کے بارے میں غلطی فہمی کا ماتی رہ جاتا کوئی زیادہ مستقبل امر نہ تھا اس روشن دور میں باوجودیکہ غلطی فہمی کے اسباب کے آثار کے لیے بے شمار ذرائع موجود ہیں اگر کوئی شخص بزرگان دین کے نظریات ملاحظہ کر کے بھی اپنی ضد کو ترک نہ کرے تو سوائے متعصبانہ اس کو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تعصب اور ضد سے محفوظ رکھے، اس کے بغیر کوئی اس سے نجات دے ہی نہیں سکتا۔

باب ششم

مذموم رائے

بعض احادیث آثارِ صحابہ اور احوالِ علماء سے رائے کی مذمت اور قیاحت بھی ثابت ہے جس سے حقیقت نا شناس متعصب اور خود غرض لوگوں نے بلا کسی تفصیل کے ہر قسم کی رائے کو مذموم ٹھہرانے کی نامبارک سعی کی اور سادہ لوح عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اہل الرائے کی دل کھول کر توہین کی ہے اور اس نامولر راستہ کے ذریعہ مطلب پرستی کی مغوس منزل تک رسائی حاصل کرنے کی بے جا کوشش کی ہے، اس لیے بہت زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس عنوان کو بھی قویٰ وضاحت پیش کر کے اصل حقیقت کو بے نقاب کریں تاکہ اصلیت کے خوبصورت چہرہ تک پہنچا دشوار نہ ہے اگرچہ وہ کوئی ستر نہاں نہیں ہے۔

نقابِ کُنج سے ہر جانب شعاعیں شچو نکلی ہیں
ایسے اور چھپنے والے، حُسن یوں پنہاں نہیں ہوتا

چنانچہ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ :-

ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده
جس نے قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہا تو وہ کونج
من النار (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۰) وقال حسن
میں اپنا ٹھکانہ بندھے۔

ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۰

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ ۱۔

من قال فی القرآن مراءیه فاصاب فتنة
لخطاء (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۹، ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸)
اور جس نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور
اس کی بات درست بھی نکلی تو اس نے خطا کی۔
و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵)

اس کی سند میں سہیل بن عبداللہ واقع ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ فیر ہے۔ صرف
نظر اس کلام سے اس میں کیا شک و شبہ ہے کہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر جو خود قرآن و سنت کی
روح کے خلاف ہو اور نری رائے سے ہو اس کے مذموم اور قبیح ہونے میں کیا کلام ہے؟ اور اگر
وہ صحیح بھی ہو جائے تو بھی اس لحاظ سے وہ غلط ہے کہ نری رائے سے اقدام کرنا جرم تھا۔
ایک روایت اس طرح آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت
سترے کچھ اوپر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان تمام فرقوں میں میری امت کے حق میں فتنہ
گروہ قوم ہوگی۔

یقیسون الامور مراءیتهم فیملون الحرام
و یحرمون المہل و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۴
جو امور کو اپنی رائے سے قیاس کرے گی سودہ حلال
کو حرام اور حرام کو حلال بنا کر ہی دم لے گی۔
وقال صحیح علی شرطہما و صحیح المنوال
ج ۱ ص ۱۹۱ و تاج بغداد ج ۲ ص ۱۲۱)

اس حدیث کے بارے میں حضرت امام یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ لا اصل له
(اس کی کوئی اصل نہیں ہے) (بغدادی ج ۱۳ ص ۱۳۱ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۲۵ و تہذیب
التمہذیب ج ۱ ص ۱۰۹) اور اس کی سند میں نعیم بن حماد واقع ہے جس پر کڑی جرح پہلے نقل کی جا چکی
ہے۔ امام حاکم نے اگرچہ اس کو صحیح علی شرطہما کہا ہے لیکن علامہ ذہبی نے تلخیص مستدرک
میں سرے سے اس روایت کو نظر انداز کر دیا ہے اور امام حاکم چونکہ متساہل فی الحدیث ہیں (ملاحظہ ہو
احسن الکلام ج ۲ ص ۱۵) اس لیے ان کی اس تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس حدیث کے مختلف
طرق جمع کرنے میں بعض دیگر محدثین کی طرح علامہ خطیب بغدادی نے کم و بیش چار صفحات
میں مبسوط بحث کی ہے اور آخر میں فیصلہ یہ نقل کیا ہے کہ:-

فقال كل من حدث به عن عيسى بن يونس غير نعيم
 کہ عیسیٰ بن یونس سے جس نے بھی نعیّم بن حماد کے علاوہ
 بن حماد فانما اخذه من من نعيم رج ۱۳ ص ۳۱۱) یہ روایت لی ہے تو وہ نعیّم ہی کے طرف سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دار و مدار ہی نعیّم بن حماد پر ہے اور وہ مکشوف الحال ہے۔ مولانا میر حبیب
 نے (تاریخ الہدایت ص ۶۲ میں) نعیّم بن حماد پر جرح نقل کرتے ہوئے اس حدیث پر بھی کلام کیا ہے
 وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ قطع نظر سند کی بحث کے یہ حدیث ان لوگوں کی مذمت میں ہے جو حلال
 یا حرام کو بلا ثبوت شرعی محض اپنے قیاس سے حرام یا حلال بنا دیں اور ظاہر بات ہے کہ حدیث
 حرمت جو نص ہی سے ثابت ہو سکتی ہے تو ایسا قیاس جو نص کے مقابلہ میں ہو یقیناً مذموم ہے
 اور ایسے لوگ جو نص کے مقابلہ میں قیاس کرتے ہوں باعصیت ضد نفع میں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان
 میں مولد دل (دو غلے) پیدا ہوئے جو قیدیوں اور غلاموں کی اولاد سے تھے۔

فوضعوا التّائی فضلوا (دارقطنی ص ۳۶۶) سوانہوں نے طے پر عمل کیا اور نگاہ ہو گئے۔

اسکی سند میں گھس ہے تعلیق المغنی ص ۳۶۶ میں ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ اہم البوہام فرماتے ہیں کہ تم محمد بن اسحاق کی حدیث کے
 ترک پر متفق ہیں جو زبانی فرماتے ہیں کہ وہ کتاب تھا امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ اسکا جھوٹ بالکل واضح تھا (تہذیب التہذیب ص ۱۹۸)
 تعلیق المغنی ص ۳۶۶ میں مجمع الزوائد کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے جس میں ہے۔
 فافتوا بالرأی فضلا واضلوا۔

مگر اسکی سند میں قیس بن الربیع واقع ہے بعض محدثین اس کی توثیق کرتے ہیں اور اکثر انکی تضعیف کرتے ہیں امام دیکھ
 فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ابن معین انکی ضعیف الحدیث لایسا ہی شیا کہتے ہیں۔ ابن مین انکی سخت تضعیف کرتے ہیں
 ابو زرعہ انکی کمزور کہتے ہیں۔ یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ نسائی ان کو متروک الحدیث کہتے ہیں امام احمد
 فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف بھی تھا اور حدیث میں خطا کرتا تھا۔ ابن سعد ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ عجمی و دارقطنی اور ابوالاحمد الحاکم
 بھی ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۳۹۳ تا ۳۹۵ محصلہ)

اور یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے (مجمع الزوائد ص ۳۹۳) مجمع الزوائد کی سند کی امام ابن القطان نے
 تحسین کی ہے لیکن اسکی سند میں وہی قیس بن الربیع ہے اور ابن ماجہ کی سند میں سوید بن سعید واقع ہے جس پر بعض محدثین نے غصا کلام کیا ہے
 (درمختار تہذیب التہذیب ص ۲۶۳) علاوہ ان میں مذکور ناموں کی قباحت اور بے لگائی میں کیا کلام ہے؟ اسکی مزید تحقیق آ رہی ہے انشاء اللہ العزیز۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے ارشاد فرمایا کہ :-

اتاكم واصحاب الراي فانهم اعداء السنن اعتمدوا الحديث ان يحفظوها فقالوا بالراي فضلو واضلوا۔
تم اصحاب الرائے سے بچو کیونکہ وہ سنت کے دشمن ہیں، احادیث کا یاد کرنا تو ان کے بس کا رہے گا نہیں لہذا انہوں نے رائے پر عمل کر کے گمراہی اختیار کی اور

ردارقطنی ۲۲ ص ۳۸۶

دوسروں کو گمراہ کیا۔

اس کی سند میں مجالد بن سعید واقع ہے۔ یہ بھی متکلم فیہ راوی ہے، بعض اس کی توثیق اور اکثر اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ بن سعید ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ابن ہدیٰ ان سے روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ امام احمدؒ ان کو محض بیح تصور کرتے تھے۔ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ لا یحتاج بحديثه۔ واوداود ثی کہتے ہیں، قوی نہیں، نسائیؒ سے بھی ایک روایت میں ان کی تضعیف منقول ہے۔ ابن سعدؒ ضعیف کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ لیجوز الاحتجاج به (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۰۷) کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔

انتہائی حیرت ہے کہ ایسی ضعیف و کمزور اور بے بنیاد حدیثوں سے رائے اور اہل الرائے کی مذمت کی جاتی اور اس پر دائر تحمیں حاصل کی جاتی ہے اور اپنے موقع و محل پر رائے کو استعمال کرنے کی صحیح حدیثوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

حضرت سہل بن حفیف (الموتوفی ۲۸۸ھ) فرماتے ہیں کہ :-

يا ايها الناس اتهموا راياكم على دينكم لا
سے لوگو دین کے بارے میں اپنی رائے کو مستم دار بنال
(بخاری ج ۱ ص ۲۸۸) (مختار)۔

حضرت امام بخاریؒ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ :-

قال ابو عبد الله اتهموا راياكم يقول ما لم يكن فيه كتاب ولا سنة ولا يثبت له ان يفتي۔
امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اپنی رائے کو مشہم سمجھو، کا یہ معنی ہے کہ ایسی رائے جس میں کتاب و سنت نہ ہو تو ایسی رائے پر فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے۔
(بخاری ج ۱ ص ۲۸۸)

اور شرح حدیث اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ :-

اعمالا تعملوا في امر الدين بالرأي المجرّد تم دین کے بارے میں محال رائے پر جو دین کے کسی اصل

الذی لا یتعدی أصلی من الدین ۱۷ کی طرف مستند نہ ہو عمل نہ کرو۔

(ہامش بخاری ج ۲ ص ۱۸۸)

اور امام بخاریؒ نے اپنے صرح میں ایک مستقل باب یوں قائم کیا ہے کہ :-

باب ما ینکر من ذم الزائی وتکلف

وہ باب کہ جس میں رائے کی مذمت اور تکلف قیاس

القیاس ۱۸ (ج ۲ ص ۱۸۹)

شرح حدیث بیان کرتے ہیں کہ :-

ای الذی یکون علی غیر اصل من الکتب

والسنة والاجماع واما الزائی الذی یکون

علی اصل من هذه الثلاثة فهو محمود وهو

الاجتهاد وقوله وتکلف القیاس ای الذی

لا یکون علی هذه الاصول لانه ظن والظن

رد واما القیاس الذی یکون علی هذه الاصول

فخیر معلوم وهو الاعتبار والاعتبار معلوم

فالقیاس مأمور به وذلك لقوله تعالیٰ

فاعتبروا یا اولی الابصار فان حجة -

(ہامش ج ۲ ص ۱۸۸)

یعنی وہ رائے مذموم ہے جو کتب مسند اور اجماع

کے اصول پر مبنی نہ ہو اور وہ رائے جو ان تینوں میں سے

کسی اصل پر مبنی ہو تو وہ پسندیدہ ہے اور اس کو اجتہاد

کہتے ہیں اور تکلف قیاس سے ایسا قیاس مراد ہے جو

ان تین اصول پر مبنی نہ ہو کیونکہ وہ نہ اجماع ہے اور

ایسا ظن مردود ہے اور نہ قیاس جو ان تینوں اصولوں

میں سے کسی پر مبنی ہو تو مذموم نہیں اور وہ جو محال

ہے جو ان تینوں سے مستنبط ہے اور قیاس کے معنی اعتبار

کے ہوتے ہیں اور اعتبار مأمور بہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں اے نظر و بصیرت والو تم اعتبار کرو تو یہ

اعتبار و قیاس حجت ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ :-

من احدث رأیا لیس فی کتاب اللہ ولم

یضربہ سنة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم عیدر ما هو منه اذ القى اللہ عز وجل

(دارمی لم ص ۱ طبع دمشق)

جس نے کوئی ایسی رائے قائم کی جو کتاب اللہ اور سنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہ ہو تو معلوم

نہیں کہ جب اس کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے ہوگی

اس کا کیا حشر ہوگا ؟

حضرت امام شعبیؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ جب تم سے جنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی کوئی حدیث بیان کریں تو اس پر عمل کیا کرو۔

وما قالوہ براۓہمہ فاللہ فی الخش۔ اور جو کچھ وہ اپنی رائے سے کہیں تو تم اس کو ٹٹی میں

(داری بڑا صکت)

پھینک دو۔

۱۰۱

اور ایسی ہی مذکورہ رائے سے ائمہ دین گریز کرتے تھے۔ امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ ائمہ شیعیہ اتباع آثار و اخبار میں بہت سخت تھے اور (محض) قیاس رائے سے بہت منع کیا کرتے تھے۔

(تاویل مختلف الحدیث ص ۱۰۱ طبع مصر)

حضرت عمر بن عبد العزیز نے حکام کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ :-

لا رائی لاحد فی کتاب وانما رائی اللہ فیما	کتاب میں کسی کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں اٹک رائے
لم یُنزل فیہ کتاب ولم یُنزل فیہ	ان چیزوں میں قابل اعتبار ہوگ جن میں کتاب اور
سنة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی نہ پڑتی
ولما رأی لاحد فی سنة منہا رسول اللہ صلی	ہو۔ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے
اللہ علیہ وسلم (داری بڑا صکت) طبع دمشق	میں کسی کی رائے قابل سماعت ہی نہیں ہے۔

وطبع ہند ص ۱۰۱

ان تمام اقتباسات سے یہ ثابت ہوا کہ ایسی رائے قابل اعتبار نہیں جو کتاب و سنت سے متصادم ہو یا جس رائے کی بنیاد کتاب و سنت اور اجماع اُمت پر نہ رکھی گئی ہو۔ بخلاف اس کے وہ قیاس اور رائے محمود اور مقبول ہے جو ان تینوں میں سے کسی اصل پر مبنی ہو اور اس کے لیے متعدد دلائل موجود ہیں جن میں ایک اجتہاد برائی کی مذکور حدیث بھی ہے جو تفصیح محدثین نے ساتھ باحوالہ ذکر کر دی گئی ہے۔

حضرت امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی الشافعی (المتوفی ۴۵۵ھ) حضرت عمرؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر پر یہ فرمایا کہ اے لوگو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رائے قائم کرتے تھے تو چونکہ آپ پر وحی الہی نازل ہوتی تھی اس لیے آپ کی رائے درست ہوتی تھی اور ہماری رائے تو ظن اور تکلف ہی ہے۔ آگے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

وانما اراد به والله اعلم الرائی الذی لا
 یکون مثیلاً باصل وفی معناه ورد ماروی
 عنه وعن غیرہ فی ذکر الرائی فقد روینا عن
 اکثرہم اجتہاد الرائی فی غیر موضع النص
 والله اعلم۔ (سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱ طبع
 دائرة المعارف خیدرآباد دکن)

اس سے واللہ اعلم ایسی رائے مراد ہے جو کسی اصل
 کے مشابہ اور اس پر مبنی نہ ہو اور اسی کے معنی میں ہے
 جو حضرت عمرؓ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سے
 رائے کی مذمت میں وارد ہوا ہے۔ ہم نے اکثر کی یہ دلالت
 بیان کر دی ہے کہ جہاں نص نہیں ہوتی تھی تو وہاں
 وہ رائے اور اجتہاد سے کلمہ لیتے تھے۔

حضرت امام بیہقیؒ کے اس واضح اور صریح قول سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ سے
 رائے کی مذمت کئے الفاظ آئے ہوں یا کسی اور سے، اس سے مراد ہر وہ رائے ہے جو اصول الثبات
 کتاب وسنت واجماع امت میں سے کسی اصل کے مشابہ اور اس پر متفرع نہ ہو اور جہاں
 نص موجود نہ ہو ایسے مقام پر رائے واجتہاد سے کام لینا اکثر امت سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ
 سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنت میں ہوگا اور وہ ایسا
 قاضی ہوگا جو حق کو پہچانے اور اس کے مطابق اُس کا اجتہاد واقع ہو۔ اور دوسرا وہ جس میں جہالت ہو۔
 ایک وہ ہے جو عکس الحق کے خلاف فیصلہ کرے، اور دوسرا وہ ہے۔

اجتہاد رائیہ فلخطا کہ اُس نے اجتہاد کیا اور اُس کی رائے خطا تھی۔

امام بیہقیؒ اس کی تفسیر البوالعالیہ (المستوفی ۹۳ھ) سے نقل کر کے اس کی یہ تشریح کرتے
 ہیں کہ:-

ان الخبر ورد فیمن اجتہد رائیہ وهو من
 غیر اهل الاجتہاد فان کان من اهل الاجتہاد
 فلخطا فیما یسوغ فیہ الاجتہاد رفع عنه خطاؤ
 انشاء اللہ تعالیٰ بحکم النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم فی حدیث عمرو بن العاص والی
 ہرثیرۃ الخ (سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱)

کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں آئی ہے جو اپنی
 رائے سے اجتہاد کرے مگر اہل اجتہاد سے نہ ہو سو اگر وہ اہل
 اجتہاد سے ہو اور ایسی چیز میں اجتہاد کرے جس میں
 اجتہاد کی گنجائش ہے تو اس سے انشاء اللہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق جیسا کہ حضرت
 عمرو بن العاص اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے
 خطا بالکل رفع ہو جائے گی۔

حضرت عمرؓ و بن العاصؓ (المتوفی ۳۳ھ) کی روایت یوں ہے :

انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :-

لِذَا حَكَرَ الْحَاكِمُ فَلْجَبَدَ قَاصِبًا فَلَهُ ۚ جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد کہنے اور اس کا اجتہاد

اجدان واذا حَكَرَ الْحَاكِمُ فَلْجَبَدَ قَاصِبًا فَلَهُ ۚ درست نکلے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر اس کے

اجن (بخاری ۱۹۶۲، مسلم ۶۰۱، سنن الکبریٰ ۱۸۱) اجتہاد میں خطا واقع ہو تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت بھی انہی الفاظ کے ساتھ مذکورہ کُتب اور سنن الکبریٰ

پر ۸۸۱ (غیر میں) آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اہل اجتہاد سے نہ ہو اور اجتہادی مسئلہ میں ٹانگ

اڑاتا ہو تو وہ بھی قصور وار ہوگا۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اہل اجتہاد ہونے کا شاید ہی کوئی کوڑا

مغز انکار کرے۔ دیگر علماء کی شہادتیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مجتہد ہونے کی تو اپنے مقام پر

مذکور ہیں لیکن غیر مقلدین حضرات کے شیخ النکل حضرت مولانا السید نذیر حسین صاحب دہلویؒ

(المتوفی ۱۳۲۰ھ) جن کی تعریف میں مؤلف نتائج التقليد نے کافی صفحات لکھے ہیں، حضرت امام

ابو حنیفہؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ :-

امامنا وسيدنا ابو حنيفة النعمان افاض الله

عليه شايب الغفور والعفوان (ميداني ص ۱۷) ان پر عفو و مغفرت کی مولا و صابر بارش نازل فرمائے۔

اور پھر آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

» ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے، ان کے فضائل

میں اور آیت کریمہ اِنَّ اَكْثَرَ مَكَّةَ عِندَ اللّٰهِ اَلْفَاكَةُ زِينَتٌ بَخْسٌ مَّرَاتِبُ اَن كے

لیے ہے۔ (معیار الحق ص ۳ طبع چٹان پریس لاہور و قادیان اہل حدیث ص ۳۱)

زمانہ حال کے صاحب تصنیف غیر مقلد عالم مولوی محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے

ہیں کہ :- خدا کی توفیق اور اس کا فضل آپ کے شامل حال تھا اس کو منظور تھا کہ انہیں دنیا میں

علم کا ایک خاص مرتبہ عطا کرے زمانے کا مجتہد بنائے الخ (سبیل رسول ص ۲۳) نیز لکھتے ہیں

کہ :- آپ کے ہم عصر لاجیل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے علم کی خوبیوں اور بلند یوں

کے سبب آپ امام اعظم کے لقب سے مشہور ہو گئے، بہت سے لوگوں نے آپ کے علم کی دولت پائی آپ

کے شاگرد امامت علم کے مرتبوں کو پہنچ گئے جن میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ بہت مشہور ہیں۔ (ایضاً ص ۲۲۴) اور لکھتے ہیں کہ آپؐ بڑے عابد، زاہد، خدا ترس، متقی، پرہیزگار تھے۔ دل ہر وقت خوفِ الہی سے لرز رہتا تھا، اللہ کے حضور تضرع کرتے رہتے اور بہت کم بولتے تھے بڑے سلیم الطبع، بلند اخلاق، پسندیدہ طبیعت، منکسر مزاج، طنسا، بردبار، عالم با عمل، اور فرشتہ خصلت انسان تھے، تقویٰ اور خوفِ خدا آپؐ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، نیت آپؐ کی مسلم تھی (ایضاً ص ۲۲۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی لاجواب اور بے نظیر کتاب میں رافضی کا رد لکھتے ہوئے اس کا اعتراض یوں نقل کیا ہے :-

فصل قال الرافضی وذهب المجمع
متم الى القول بالقياس والتخذي بالرأى
فادخلوا في دين الله ما ليس منه وحرّفوا
احكام الشريعة واتخذوا مذاهب اربعة
لم تكن في زمن النبي صلى الله عليه وسلم و
في زمن الصحابة واهملوا تاويل الصحابة
مع انهم تصواعلى ترك القياس وقالوا ائلا
من قاس ابيس اه
(منهاج السنة ج ۲ ص ۸۰ طبع بولاق مصر)

فصل رافضی کہتا ہے کہ ساسے اہل سنت قیاس اور
عمل بالائتے پر عامل ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے
دین میں ایسی چیز داخل کر دی جو دین میں سے نہیں
ہے اور احکام شریعت کو بدل ڈالا ہے اور چار
مذہب بنا رکھے ہیں جو نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ
کے بعد میں حالانکہ صحابہ کرامؓ نے ترک قیاس کی تاکید
کی ہے اور انہوں نے یہ کہہ کر سبک پہلے دیس
نے قیاس کیا ہے۔

قارین کرام! اکثر غیر مقلدین حضرات نے رافضی کے اس پیش کردہ اعتراض کی تقریباً ایک ایک جزو وچراغی ہے اور اپنے رسالوں، کتابچوں اور اخباروں میں مختلف تعبیرات سے اس کو بیان اور پیش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس رافضی بچائے کا جو اس طرز استدلال میں ان کا استاد ہے نام تک نہیں لیتے اور اس کو بیان کرتے وقت عوام کو لفظ لفظ سے یہ باور کر دیتے ہیں کہ وہ تحسین حاصل کرنے کے پہلے ہوتے ہیں کہ یہ انہی حضرات کے فکر ثاقب کا نتیجہ ہے اور بھولے سے بھی یہ بتانے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ ہم نے یہ پیاری دلیل رافضی کے تھیلے اور پیاری سے چرائی ہے مگر

تہیکے؟

ہریشہ جہاں مبرکہ خالی ست شاید کہ پلنگ نختہ باشد
 شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے رافضی کے اس اعتراض کی ایک ایک جزو کو لے کر اس
 کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیری ہیں اور اس طرح اس کے بخیئے اور میٹھے ہیں کہ رافضی
 اور اس قسم کے اور معترض اس کو مدت العمر بھی رفو نہ کر سکیں مگر چونکہ یہ ایک بہت طویل بحث
 ہے اس لیے ہم ان کے جوابات میں سے یہاں صرف ایک ہی جواب عرض کرتے ہیں
 جو ہمارے مدعی کے مطابق ہے :-

الوجه التاسع قوله الصحابة نصوا على ترك
 القياس يقال له الجمهور الذين يثبتون
 القياس قالوا قد ثبت عن الصحابة انهم
 قالوا بالرأي واجتهاد الرأي وقاسوا كما ثبت
 عنهم مذم ما ذموا من القياس قالوا وطك
 القولين صحيح فالمدحوم القياس المعاني
 للنص اهـ (۱)

لوں جو یہ ہے کہ رافضی کا یہ کہنا کہ حضرات صحابہ کرام نے
 لے ترک قیاس کی تاکید کی ہے، اس کے
 جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جمهور جو قیاس کو
 ثابت کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام سے
 قول بالرأي اور اجتہاد و قیاس بھی ثابت ہے
 جن طرح کہ ان سے قیاس کی مذمت ثابت ہے
 اور حضرات صحابہ کرام کے یہ دونوں قول صحیح ہیں کیونکہ
 ان سے جس قیاس کی مذمت آئی ہے وہ ایسا قیاس
 ہے جو نص کا معارض ہو اور قیاس محمود ہے جو

نص کے مطابق ہو۔

شیخ الاسلام کی اس صریح عبارت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام اور جمهور اُمت رائے و
 اجتہاد اور قیاس کے قائل تھے اور جس قیاس کی مذمت کا ذکر آیا ہے وہ ایسا قیاس اور رائے
 ہے جو نص کے مقابلہ اور معارضہ میں ہو اور اس کے مردود ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا
 ہے؟ اور اُمت محمدیہ میں ایسے مردود قیاس کا قائل کون ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ غیر متقلدین
 حضرات کو تعصب کی عینک استعمال کر کے رافضی کی طرح کچھ کا کچھ نظر آئے اور اہل الرائے و اجتہاد
 اور ان کے متبعین کو ہی ملزم گردانا جائے مگر اس سے اہل حق کا کیا نقصان؟

تجھے کیوں ٹکڑے کر کے گل دل صد چاک ٹبل کی

تو اپنے پیر بن کے چاک تو پہلے رو کر لے

علامہ بدر الدین علی الحنبلی (المتوفی ۴۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وبكل حال يجوز اجتهاد الرائي للقاضي و
المفتي اذا تعيد في الحادثة نصا من الكتب
او السنة لقول جاهد السلف وائمة الفقهاء
كمالك والوزاعي والثوري وابي حنيفة
والشافعي واحمد بن حنبل وابي عبد الله وغيرهم
واستدلوا على ذلك بدلائل مثل كتاب عمر
الى ابي موسى الاشعري وفيه اعرف الاشياء
والنظائر وقس الامور على ذلك اهـ
(مختصر الفتاوى المصرية ص ۵۴ طبع مصر)

فامني اور مفتی کے لیے ہر حال راستے اور اجتہاد سکھام
یہاں تاں ہے جب کہ حادثہ میں قرآن یا سنت نص
موجود نہ ہو اور یہی قول ہے جمہور سلف اور ائمہ فقہاء
کاشانہ امام مالک، ابو زاعی، الثوری، ابو حنیفہ، شافعی
احمد بن حنبل اور ابو عبیدہ وغیرہ اور انہوں نے اس پر علی
پر کئی دلائل پیش کئے ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ حضرت
عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو خط لکھا اور اس میں
یہ بھی تحریر فرمایا کہ اشباہ و نظائر کو پیش نظر رکھ کر پھر اپنی
رأے سے اور امور کو ان پر قیاس کرو۔

امام ابراہیم بن موسیٰ بن محمد الشافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) اپنی محقق کتاب میں حضرت عمرؓ حسن
بصریؓ، مسروقؓ اور شام بن عروہؓ وغیرہ سے چند آثار رائے کی مذمت میں نقل کر کے آگے فرماتے
ہیں کہ :-

فهذه الآثار واشباها تشير الى ذم
ايشار نظر العقل على الآثار النبي صلى الله
عليه وسلم وذهب جماعة من العلماء
الى ان المسار بالرائي المذموم في هذه
الانخبار البدع المحدثه في الاعتقاد كرائي
نجهم وغيره من اهل الكلام لانهم
قوم استعملوا قياسهم وارايتهم في
رد الاحاديث۔

یہ اور اس قسم کے دیگر آثار اس بات کی رہنمائی کرتے
ہیں کہ نظر عقل (یعنی قیاس) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی احادیث پر مقدم کرنا مذموم ہے اور علماء
کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ان آثار میں جن افراد
مذمومہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے افراد ہیں جو بدعت
اعتقادی کے نگ میں گھڑائے گئے ہوں جیسے جہم
وغیرہ اہل کلام کی رائے جنہوں نے اپنے قیاس رائے
کو رد احادیث کے لیے استعمال کیا ہے۔

پھر آگے بحث کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ ۱۔

ورد والسنن فی ذالک حله بایہم و قیاسہم اھ
اور انہوں نے اپنی بدعت اعتقادی کے اثبات کے لیے محض اپنے قیاس و رائے سے احادیث کو ٹھکرا دیا ہے۔

اور قیاس مذموم کی اور کئی صورتیں اور محال بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ ۱۔

فجميع ذالک راجع الی معنی واحد وهو اعمال النظر العقلی مع طرح السنن اما قصداً او غلطاً وجهلاً والرائی اذا عارض السنۃ فهو بدعة ضلالة۔
ان سب کا مضموم ایک ہی نکتہ ہے کہ نظر عقلی (یعنی قیاس) کو استعمال کیا جائے اور اس سے احادیث کو رد کر دیا جائے عام اس سے کہ یہ رد قصداً ہو یا غلطاً اور جهلاً اور رائے جب سنت کے معارض ہوگی تو وہ خالص بدعت ضلالت ہوگی۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ایسی رائے و قیاس جو سنت کے رد اور معارضہ میں ہو وہ مردود ہے اور خصوصاً وہ رائے و قیاس جو عقائد بدعیہ کے اثبات کے لیے ہو اور احادیث کو رد و خور اعتنا نہ سمجھا گیا ہو۔ الغرض جن حضرات سے رائے کی مذمت آئی ہے تو علماء اسلام ان کے اقوال سے یہی مذموم رائے مراد لیتے ہیں۔ باقی مشروع اور محمود و مقبول رائے کو رد اور ترک کنا (جو قرآن و حدیث اور اجماع امت سے حامل ہو اور نص کے مقابلہ میں نہ ہو اور اہل الرائے والاجتہاد نے رائے قائم کی ہو) خود بدعت ہے۔ چنانچہ علامہ الشاطبی ہی مہدی مغربی کی تردید کہتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وطان من رايہ ترک الراي واتباع هذا الظاهرية قال العلماء وهو بدعة ظہرت في الشريعة بعد المائتين الخ
اس کی رائے تھی کہ رائے ترک کر دی جائے اور وہ اہل الظاہر کے مذہب کی پیروی کرتا تھا۔ علماء کا کہنا ہے کہ ترک رائے کا نظریہ بدعت ہے جو دسویں

(الاعتصام ج ۱ ص ۸۹)

لیجئے بات کیا نکل آئی! آج تو کہنے والے اہل الرائے کو بدعتی کہتے ہیں اور مؤلفین کتب التعلیہ وغیرہ نے اس پر خوب دل کھول کر زہر اگلا ہے۔ مگر یہاں تو بات یہ نکلی کہ غیر منصوص امور

میں حضرات صحابہ کرام سے لے کر دوسری صدی تک رائے پر عمل ہوتا رہا ہاں
دوسری صدی کے بعد اہل الظاہر نے شریعت میں یہ بدعت نکالی کہ رائے پر عمل نہیں کرنا
چاہیئے اور دوسروں کو بدعتی قرار دینے والے خود ہی بدعتی قرار پائے۔ شاید ایسے ہی موقع کے
لیے کہا گیا ہے کہ

الجماسیہ پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

غیر مقلدین حضرات تو تقلید کو چوتھی صدی کی بدعت کہتے ہیں مگر یہاں خیر سے ترک
رائے دوسری صدی کی بدعت نکلی۔

حافظ ابو عمر بن عبد البرؒ حضرت معاذؓ کی حدیث نقل کردے اور اس کی تصریح کر کے پھر
کہتے ہیں کہ۔

وسائر الفقهاء قالوا في هذه الآثار وما
كان مثلها في ذم القياس انه القياس على
غير اصل والقول في دين الله بالظن و
اما القياس على الاصول والحكم للشيء بحكم
نظيره فهذا اما لا يختلف فيه من التلف
وجامع بيان العلم وفضلهم (ص ۱۷۷)

تمام مختار کا کہنا ہے کہ رائے کی مذمت کے یہ آثار اور
ان کی مانند اور آثار ایسی رائے اور قیاس کو مذموم قرار دیتے
ہیں جو اصل پر (متفرع) نہ ہو اور محض ظن سے
اللہ تعالیٰ کے دین میں بات کہی گئی ہو حال
وہ قیاس جو اصول پر مبنی ہو اور کسی چیز پر
اس کی مشل کو دیکھ کر اس پر حکم کیا گیا ہو تو اس
کے جو اوز میں سلف میں سے کسی ایک نے اختلاف
نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام ابو عمرؒ بن عبد البرؒ کے عہد تک سلف میں قیاس کا منکر
کوئی نہیں تھا۔ اس مقام پر سلف سے مراد وہ حضرات ہیں جو اہل السنۃ میں داخل ہیں اہل
الظاہر نے دوسری صدی کے بعد یہ بدعت نکالی ہے کہ رائے اور قیاس بد تفصیل کوئی
حقیقت نہیں رکھتی۔ اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ۔

فقال طائفة التائي المذموم هو المبع
ایک طائفہ نے یہ بھی کہا ہے کہ رائے مذموم بدعت

المخالفة للسنة في الاعتقاد كرائي الجهم و
سائر مذاهب اهل الكلام لانهم قوم
قياسه واراؤهم في رد الاحاديث اهـ
(ايضاً ص ۱۳۸)
ہے جو اعتقاد کی صورت میں سنت کے خلاف
اختیار کی گنجائش ہو جیسے جہم اور باقی اہل کلام کے غلط مذہب
والوں کی رائے کیونکہ انہوں نے احادیث کی رد میں اپنے
قیاس و رائے سے کام لیا ہے۔

نواب صاحب نے بھی رائے باطل اور رائے محمود پر کافی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو الجنة
في الاوسنة الحسنة بالسنة ص ۱۵ و ص ۱۶)۔

قارئین! بحث ضرورت سے زیادہ لمبی ہوتی جا رہی ہے اور ابھی ہم نے بفضلہ تعالیٰ
کچھ اور بھی عرض کرنا ہے اس لیے اس بحث کو صرف ایک حوالہ پر ختم کرتے ہیں تاکہ مزید بھی کچھ
عرض کر سکیں۔

مشہور محقق و مدقق غیر مقلد عالم قاضی شوکانی (المتوفی ۱۲۵۵ھ) رائے محمود و مذہب کی بحث کرتے
ہوئے اول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

فالعامل بالزائغ في مسائل الشرع
ان كان لعدم وجود الدليل في الكتاب
والسنة فقد رخص فيه النبي صلى الله
عليه وسلم كما في قوله صلى الله عليه وسلم
لما ابعثه قاضياً بم تقضي قال
بكتاب الله قال فان لم تجد قال اجتهد
رائي وهو حديث صالح لا احتجاج به
كما اوضحنا ذلك في بحث مفرد اهـ
(تفسير فتح القدير ص ۲۱۹ طبع مصر)
شریعت کے مسئلوں میں عمل بالزائغ اگر تو اس لیے
ہو کہ کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں مل سکتی تو
اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
اجازت و رخصت دی ہے جیسا کہ آپ کے اس
قول سے ثابت ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ
کو قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟
انہوں نے کہا کتاب اللہ کے مطابق آپ نے فرمایا کہ
اگر کتاب اللہ میں تجھے نہ ملے؟ فرمائیے گئے پھر
میں سنت رسول اللہ پر فیصلہ کروں گا آپ نے فرمایا
کہ اگر سنت میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟ فرمایا کہ میں
اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور ہم نے مفرد بحث میں
اس کی بحث کی ہے کہ یہ حدیث احتجاج کے لیے

صالح ہے۔

ان تمام سابق پیش کردہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ جن آثار اور اقوال میں رائے کی مذمت کا ذکر آتا ہے وہ ایسی رائے ہے جو کتاب و سنت کے مقابلہ میں ہو اور باطل فرقوں کی طرح عقائد باطلہ اور بدعات وغیرہ کے اثبات کے لیے جو جس سے نصوص کا رد لازم آتا ہو۔ اہل سنت اور ان میں علی الخصوص اہل الرائے اور احناف اور علماء دیوبند ایسی رائے کے ہرگز ہرگز قائل نہیں ہیں اہل مجتہد سے ناوائستہ طور پر خطا سرزد ہو جائے تو وہ بات ہی الگ ہے۔ آخر مجتہد معصوم تو ہرگز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:-

واما ان تخالف حديثا لرسول الله صلى الله عليه وسلم فابتاعته فارجو ان لا يؤخذ
عليه وسلم فابتاعته فارجو ان لا يؤخذ
ذالك علينا ان شاء الله وليس ذالك لاحد
ولكن قد يجهل الرجل السنة فيكون له
قول يخالفها لا انه تعدد خلقها وقد
يغفل المرء ويخطئ في التأويل.
والرسالة صالحة للامام الشافعي طبع بولاق
مصر المنفعة مع الامم (ج)

اور یہ کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی کسی صحیح حدیث کی مخالفت کریں تو میں اُمید
رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ الزام ہم پر ثابت نہیں
ہو سکے گا اور کسی اور سے بھی اس کا تحقق نہیں ہو
سکے گا۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سنت سے
جہل ہوتا ہے اور اس میں اس کی غلط درزی
کر جاتا ہے نہ یہ کہ عمدۃ الایمان کرتا ہے اور کبھی ایسا
ہوتا ہے کہ انسان غفلت کر جاتا ہے اور تاویل میں
خفا کر جاتا ہے۔

اس عبارت میں جہاں امام اہل السنۃ نے اپنی صفائی پیش کی ہے ساتھ ہی ولس ذالک
لاحد فرما کر دوسروں کی صفائی بھی وہ بیان کر گئے ہیں کہ جان بوجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی حدیث صحیح کی مخالفت نہ ہم نے کی ہے اور نہ کسی اور نے کی ہے۔ کسی حدیث
سے غفلت و جہالت یا اس کی تفسیر و تاویل میں خطا کا سرزد ہو جانا یہ معاملہ ہی جدا ہے۔
اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟ اس لیے رائے کی مذمت کے لیے حوالجات خلط و بھٹ
کرنا اور بد مقابل پر خشک رعب ڈالنا یا عوام کو مغالطہ سے کہ اخاف سے متنفر کرنا انصاف

دیانت کا بختازہ نکالنے کے مترادف ہے کیونکہ قدیم و حدیثاً عہداً اور دانستہ کوئی حنفی اس کا ترکیب نہیں ہوا کہ نص کے مقابلہ میں محض رائے کو لے کر نص کو ٹھکرا دیا ہو۔ حدیث کے مقابلہ میں اگر کسی نص قرآنی یا کسی دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے تو یہ بات الگ ہے، اس سے انکار نہیں ہے لیکن یہ استدلال رائے سے نہیں بلکہ نص اور حدیث سے ہے۔ ہمارے اکابر نے تصریح کی ہے کہ احادیث صحیحہ کا انکار اور نصوص کی تاویل دین کے خلاف ہے چنانچہ حضرت مولانا عثمانیؒ سورۃ کہف میں یہ جوج ماجوج کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

۴ اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے (حاشیہ ۳۹۳)

اہم ابو حنیفہؒ پر مخالفت حدیث کا الزام

کہنے کو قریب بات بڑی آسان معلوم ہوتی ہے کہ فلاں امام نے حدیث کی مخالفت اور انکار کیا ہے اور فلاں نے اپنی رائے اور فقہ کو ترجیح دے کر حدیث کو رد کر دیا ہے اور حدیث کے خلاف عمل کیا ہے، مگر جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو کسی مسلم اہم کے خلاف اس کا ثبوت بڑا مشکل نظر آتا ہے کہ انہوں نے بلا کسی عذر قوی کے حدیث کو ترک کیا ہو۔ مندرجہ ذیل امور پر انصاف سے غور فرمائیں:-

حضرت امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ (اور اسی طرح امام ابن العربی المالکیؒ و المروزیؒ) حسن قسم کی حدیث کو قائل استدلال و احتجاج نہیں تصور فرماتے۔ چنانچہ علامہ قاضی شوکانیؒ اور نواب صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ:-

فکذا يجوز الاحتجاج بما اخرج احد الائمة المعبر
بحسنه لان الحسن يوجب العمل به عند الجمهور
ولم يخالف في الجواز الا بضاعتى وابن العربي
والحق ما قاله الجمهور لان ادلة وجوب العمل
بالاخبار وقبولها شاملة له۔

اور اسی طرح اس حدیث سے بھی احتجاج جائز ہے
جس کو معتبر ائمہ میں سے کسی نے حسن کہا ہو کیونکہ جمهور کے
نزدیک حسن سے استدلال جائز ہے اس میں صرف
اہم بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن
حق بات وہی ہے جو جمهور نے کسی سے کہی ہے کہ حسن حدیث

سے استدلال جائز ہے کیونکہ اخبار ائمہ کے
واجب العمل اور ان کے قبول ہونے کے
فی الاموال الحسنه بالسنه ۸۵

دلائل حسن کو بھی شامل ہیں۔

علامہ صلح بن المہدی القلی الکوبانی (المتوفی ۱۰۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ:-

دلیلاً بشرط فی المعمول بہ کو نہ صحیحاً
باصطلاح المتأخرین آذ البخاری و هو قول
بعید عن الأدلة بل لو قبل خلاف
ما علیه الأولون والتأخرون لساغ ذالک
(ارواح النوافل لآثار الألباء والمشائخ طبع مصر ۱۳۱۹ھ)

حدیث کے معمول بہ ہونے کے لیے باصلاح متکثرین
صحیح ہونے کی شرط امام بخاریؒ کے بغیر اور کسی نے نہیں
لگائی اور ان کا قول دلائل سے بعید ہے بلکہ اگر یہ
کہا جائے کہ ان کا یہ قول متقدمین اور متأخرین کے
مسئلے خلاف ہے تو یہ کہنا بھی درست ہے۔

علم حدیث کے ساتھ شغف رکھنے والے اور اصول احیث و طبقات روایت سے آگاہ
حضرات جانتے ہیں کہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں سند کے لحاظ سے حسن ہیں
اور صرف ایک ہزار حسن حدیث تو امام حماد بن سلمہؒ سے مروی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۸۱)
تو کیا ایسی تمام حسن قسم کی حدیثیں کتب حدیث سے چن چن کر ان کی ایک فہرست مرتب
کر دینی چاہیے اور معتبر محدثین سے باحوالہ ان کا حسن ہونا نقل کر دینا چاہیے اور پھر کتابوں اور
رسالوں اخباروں اور تقریروں میں جماعتی شکل میں یہ مکروہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت
امام بخاریؒ تو اتنی حدیثوں کے منکر ہیں؟ حاشا وکلا کہ اس سے کوئی منصف مزاج اہل علم
متاثر ہو کر حضرت امام بخاریؒ کے خلاف کچھ کہنے پر آمادہ ہو بس یہی کہے گا کہ چونکہ امام بخاریؒ
مجتہد تھے۔ انہوں نے اپنی دیانت اور صوابدید سے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت امام
ابو حنیفہؒ نے روایات کے بارے میں کوئی سخت اور کڑی شرط لگائی ہو جس کے فائدہ ان کی
صورت میں وہ حدیث کو قابل احتجاج و استدلال نہیں سمجھتے تو وہ کیونکر منکر حدیث اور
مخالفت حدیث قرار دیے جاسکتے ہیں؟ اور ہم باحوالہ ان کی حدیث کے بارے میں کڑی
شرطوں کا ذکر پہلے کر آئے ہیں۔ غیر متقدمین حضرات کو یہ بات ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچنی
چاہیے کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اور وہ کیوں جماعتی صورت میں اس مکروہ
پروپیگنڈہ میں اپنا زور صرف کر رہے ہیں؟ آخر ہم بھی

ہر چند اہل ضبط ہیں پس بے زباں نہیں

حافظ مغرب ابن عبد البر روایت کرتے ہیں کہ:-

عن الليث بن سعد انه قال احصيت على مالك بن انس سبعين مسألة كلها مخالفة لسنة النبي صلى الله عليه وسلم ما قال فيه بآيه قال ولقد كتبت اليه في ذلك قال ابو عمر ليس لاحد من علماء الامّة يثبت حديثا عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم يردّه دون ادعاء نسخ عليه باثر مثله او باجماع او بعمل يوجب على ائمة الانقياد اليه او طعن في سنده ولو فعل ذلك بعد سقطت عدالتهم فمن ادّعى ان يتخذ اماما ولزمه الفضيحة

(جامع بيان العلم وفضله ج ۳ ص ۱۳۸)

امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مالک بن انس کے نثر مسئلے ایسے شمار کئے ہیں جو سب کے سب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں جن میں امام مالک نے محض اپنی رائے استعمال کی ہے اور میں نے ان کو خط کے فریو اس کی اطلاع بھی دی ہے۔ امام ابو عمر فرماتے ہیں کہ علماء امت میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صحیح حدیث کو پائے اور پھر اس کو رد کرے بدون اس کے کہ وہ کسی ایسے ہی اثر کے ساتھ اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرے یا اجماع یا کسی ایسے عمل کے ساتھ جس کی اصل پر عمل واجب ہے اور عدل نسخ کرے یا اس کی سند میں طعن کرے، اگر کوئی ان وجوہ کے سوا ایسا کرے گا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس پر فسق کا گناہ لازم ہو جائے گا چہ جائیکہ اس کو امام تسلیم کیا جائے۔

غیر مقلدین حضرات کو یہ عبارت بار بار طعنی چلبیسے کہ امام لیث بن سعد جو چوٹی کے محدثین اور فقہاء میں شمار ہوتے ہیں اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں (جن کا پورا ترجمہ ہم نے طائفہ منصورہ میں ذکر کر دیا ہے) کیا فرمائے ہیں کہ نثر مسئلے ایسے ہیں جن میں حضرت امام مالک بن انس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی صریح مخالفت کی ہے اور یہ بات بھی انہوں نے چھپا کر نہیں رکھی بلکہ امام مالک کے ساتھ انہوں نے اس میں خطا و کن بات بھی کی ہے، اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ امام لیث بن سعد کے حضرت امام مالک سے اچھے

خاصہ دوستانہ تعلقات اور مراسم بھی تھے، یہ نہیں کہ انہوں نے محض حد اور بعض یا تعصب کی وجہ سے ان کے مسائل میں کیڑے نکال کر ان کی تحقیر کرنے کی سعی کی ہے اور نہ یوں ہی دل کی بھڑاس نکالی ہے (معاذ اللہ) چنانچہ علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ :-

عَنْ اللَّيْثِ يَصِلُ مَا نَكَحَ عَلَى سِتَّةِ مِائَةٍ
امام لیثؒ بن سعدؒ امام مالکؒ کو سالانہ ایک سواشرنی
دینار و کتب مالکؒ الیہ ان علی دینار
فَبَعَثَ إِلَيْهِ خَمْسَ مِائَةٍ دِينَارٍ
کہ مجھ پر قرضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے پانچ سو دینار
ان کو بھیجے۔

(تذکرہ بزمک)

ایسے دوستانہ ماحول میں یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ اس میں حد و تعصب کا رفرما ہو۔ کیا اب سچ مچ یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت امام مالکؒ کے شتر مثلی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے سرسرخ خلاف ہیں اور پھر ان پر فتویٰ لگا کر شروع کر دیا جائے۔ اور ناظم اعلیٰ کے تحت ایک پروگرام تیار کر لیا جائے کہ دنیا بھر میں حضرت امام مالکؒ کو مخالف سنت ٹھہرا کر ہی دم لیا جائے گا اور کسی بدوی کے کندھے پر بندوق رکھ کر ایک کتاب بھی لکھوا لی جائے اور تعصب مذہبی کے نشہ میں سرشار ہو کر اس کی تصدیقات بھی لکھ دی جائیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر اس کی اشاعت بھی شروع کی جائے۔ واللہ کچھ تو فرمائیے کہ آخر کرنا کیا چاہیے؟ آہ سہ

اس قدر بھڑکا حیاتِ نوعِ انسان کا یقین

کارواں کو اے تمام راہنما حمار ہا!

حافظ ابن عبد البرؒ تو علمی رنگ میں جواب دے گئے ہیں کہ کوئی امام بدوں کسی معتزل عندہ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ ہاں اس نے کسی حدیث یا اجماع یا قابل اطاعت عمل سے نسخ کا دعویٰ کیا ہو گا یا سند کے اندر طعن کیا ہو گا جس کی وجہ سے انہوں نے حدیث ترک کی ہوگی۔ اس چیز کو خود مجتہد ہی سمجھ سکتا ہے۔ کوئی دوسرا ان کے دل کے راز اور بھید بھلا کیا جان سکتا ہے؟

علامہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب مراتب المراتب میں لکھا ہے کہ میں نے امام مالکؒ کے

موطا میں جب مندر حدیثیں شمار کیں تو ان کی تعداد پانچ سو سے اوپر نکلی اور جب مرسل روایتیں گنیں تو وہ تین سو سے زائد نکلیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ:-

وفيه نيف وسبعون حديثاً قد مره مالک
لنفسه العمل بها اه
ان کے موطا میں ستر سے زیادہ حدیثیں ایسی ہیں جن پر خود امام مالک نے عمل نہیں کیا۔

(بحوالہ مقدمہ تعلیق المجدد مملوفاً لکھنؤ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے بیان کے مطابق تمام کتب حدیث کے چند طبقات ہیں، طبقہ اولیٰ موطا امام مالک، بخاری اور مسلم ہے۔ (دیکھئے حجة الله البالغہ ج ۳، مطبع مصر وعجالة نافعة ص ۸) تعجب ہے کہ صرف طبقہ اولیٰ ہی نہیں بلکہ امام مالک کی خود اپنی انتخاب کردہ کتاب کی حدیثیں ستر سے زیادہ ایسی ہیں جن پر انہوں نے عمل نہیں کیا مگر کسی نے حضرت امام مالک کی امامت اور شان سے انکار نہیں کیا اور نہ ان کو مطعون ٹھہرایا ہے اور اگر کوئی احمق ایسا کرے بھی تو اُس کی سنتا کون ہے؟ مگر افسوس تو یہ ہے کہ دستورالمتبندی کے ساتھ ساتھ بخاری شریف پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں اب علمی تحقیق رہ گئی ہے فالی اللہ المشتکی ع

اس چنیں ارکان دولت ملک راویاں کنند

امام محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم المالکی (المتوفی ۲۴۱ھ) جو امام، الحافظ اور فقیہ عصر تھے تذکرہ ج ۱، ص ۱۱ جن کے بارے میں امام الائمہ ابو بکر بن خزیمہ (المتوفی ۳۱۱ھ) جو الحافظ الکبیر امام الذمۃ اور شیخ الاسلام تھے تذکرہ ج ۲، ص ۲۵۹ فرماتے ہیں کہ:-

ما رایت فی فقہاء الاسلام اعرف باقاول
الصحابۃ والتابعین من محمد بن عبد اللہ
بن عبد الحکم (تذکرۃ الحفاظ ج ۲، ص ۱۱۵ و
میں نے فقہاء اسلام میں حضرات صحابہؓ اور تابعینؓ کے
اقوال کا محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم سے زیادہ جاننے
والا کوئی نہیں دیکھا۔

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲، ص ۲۲ مطبع مصر

نے حضرت امام شافعیؒ کے رد میں

صنعت کتابا سماه الرد علی الشافعی فیما

ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے

مخالفت فیہ الکتاب والسنة ۱۷
یہ مسائل جن میں امام شافعیؒ نے کتاب وسنت
(طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۴) کی مخالفت کی ہے۔

سنت کی مخالفت کا ذکر تو رہا اپنی جگہ اس کتاب میں ابن عبدالحکمؒ نے امام شافعیؒ کو کتاب اللہ کا مخالفت بھی ظاہر کیا ہے۔ کیا ہم ایسا ہی سمجھ لیں کہ واقعی حضرت امام شافعیؒ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ہے؟ (معاذ اللہ) یہی کہیں گے کہ تعصب مذہبی میں آکر ابن عبدالحکمؒ نے یہ غلطی کی ہے اور یا دیکھنا اپنی فہم کے موافق انہوں نے حضرت امام شافعیؒ کے مسائل کو کتاب وسنت کے خلاف پایا ہے مگر ان کا ایسا سمجھنا دلائل کی روش سے سراسر غلط ہے۔ فہم اللہ تعالیٰ بعوم فضله وکرمہ۔

مؤلف نتائج التعلیہ نے امام ویسؒ بن الجراح کو خفیت اور تعلیہ کے دائرہ سے خارج کرنے کے لیے عجیب قسم کے پاڑے دیے ہیں اور ملحدی کی طرح انوکھی قسم کی شعبہ بازی دکھائی ہے۔ یہ بحث تو انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آئے گی کہ امام ویسؒ بن الجراح مقلد تھے یا غیر مقلد؟ حنفی تھے یا غیر حنفی؟ یہاں ان کا اعتراض خود ان کے اپنے الفاظ میں سن لیجئے اور پھر اس کا جواب بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں:-

و کیونکہ تاریخ بغداد وغیرہ میں ہے ذکر الساجی انا ابوسائب قال سمعت ویسؒ بن الجراح یقول وجہات اباحیفة خالفت مائتی حدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسائب کہتے ہیں کہ میں نے ویسؒ ایسے جلیل القدر امام حدیث کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنی نظریں کم از کم امام ابوحنیفہؒ کو دو سو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرنے والا پایا ہے۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم کے ح ۱ پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دروبندیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کاش کہ دو سو احادیث میں سے کسی ایک ہی حدیث سے انکار کا حوالہ وثبوت ذکر کیا ہوتا والا (نتائج التعلیہ ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲) اور حاشیہ پر لکھا ہے کہ:-

در عثمانی صاحب اگر مصنف ابن ابی شیبہ کا جزوہ ابی حنیفہ دیکھ لیتے تو یہ

کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ (انتہی الجملہ)

ان عبارت سے مؤلف مذکور کا اصل مدعی تو صرف اس قدر ہے کہ امام وکیع بن الجراح کیونکہ مقلد اور حنفی ہو سکتے ہیں جب کہ وہ کم از کم دوسری روایات میں امام ابوحنیفہ کو مخالفت حدیث بتا رہے ہیں یہ معلوم نہیں کہ مؤلف نے کم از کم کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ عبارت عربی میں تو کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ کم از کم ہو۔ مگر خیر جاری بلا سے، مؤلف جانے اور اس کی شہدہ بازی۔ اب یہاں مرکزی نقطے دو ہیں (۱) کہ بقول امام وکیع بن الجراح امام ابوحنیفہ نے کم از کم دوسری حدیث کی مخالفت کی ہے (۲) عثمانی صاحب تو ایک حدیث کے متلاشی ہیں مگر مصنف ابن ابی شیبہ ہیں امام ابوحنیفہ کے رد میں مستقل جزد موجود ہے۔

پہلی شق کا جواب مؤلف مذکور کا اس سے استدلال چند وجود سے باطل ہے۔ اولاً اس نے اسکی سندیں الساجی ہے علاؤ الدین کے بارے میں احداً لا ثبات ما علمت فیہ جرح کرتے ہوئے بھی امام یحییٰ بن القطان سے نقل کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کی ترقیق اور بعض نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (میزان جہم ۹)

امام ابو بکر رازی نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ ۱۔

انہ لیس بمأمون ولا ثقة ۱۵
نزدہ مأمون ہے اور نہ ثقہ۔

(بحوالہ تقدمه نصب الراية ص ۵۸)

اور یہ تصریح بھی ان کے متعلق موجود ہے کہ ۱۔

کان وقاعاً یفرد بہنا کیر عن مجاہیل بادی
وہ لوگوں کی پگڑیاں اٹھالا کرتے تھے اور مجہول بادیوں
التعصب قال ابن القطان وثقة قوم وضعفہ
سے منکر روایتیں بیان کرنے میں متفرد ہوتے تھے۔
لخرون وعلام ابن حبان فی رواية النجیری
ان کا تعصب بالکل ظاہر ہے۔ ابن قطان کہتے
منکور فی انساب ابن سمعان۔
ان کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبان کا کلام تجیری
کی روایت سے کتاب الانساب علامہ ابن سمعان
میں مذکور ہے۔

مگر ہم ان کی تہفیف سے صرف نظر بھی کر لیں اور انکو ثقہ بھی تسلیم کر لیں جیسا کہ حافظ ابن حبان نے ہے
(ملاحظہ ہو لبان ج ۱ ص ۸۸) تب بھی ان کا تعصب خصوصیت سے احتیاط کے بارے میں
چھٹی ڈھکی بات نہیں ہے۔ مقدمہ فتح الملہم ص ۱ اور مقدمہ نصب الرایہ ص ۵۸ میں ان کے
تعصب کا خصوصیت سے ذکر موجود ہے۔ و تعصب بالبارء بما لا یطاق نظایرات ہے کہ
ایسے تعصب کی روایت بخیر نہ قبول ہو سکتی ہے؟ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں والسابی ممن کان ینافض اصحابہ الی حنیفۃ
(الاستیعاف ص ۱۸) یعنی امام ساجی "حنفیوں سے چڑتے تھے۔"

امام تاج الدین شکی الشافعی (المتولی ص ۱۸۷) ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ:-

بل العوایب عندنا ان من ثبتت امامتہ
وعداۃ الہ وکثر ما دھوہ ومزکوہ وتدرج جرحو
وصحات ہناک قرینۃ دالۃ علی سبب جرحہ
من تعصب مذہبی او غیرہ فنانا لا نلتفت
الی المبرج فیہ ونعل فیہ بالعداۃ والا فلو
فقطنا ہذا الباب او اخذنا لتدیم المبرج علی
اطلاقہ لما سلمنا احد من الذمۃ اذما
من امام الذوق طعن فیہ طاعنون وھلک
فیہ ہا لکون اھ
(ملقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۸ طبع مصر)

بلکہ درست بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس
کی امامت وعدالت ثابت ہو اور اس کی مدح اور
صفائی بیان کرتے والے زیادہ اور ان پر جس طرح
کرنے والے کم ہوں اور وہاں کوئی قرینہ بھی موجود
ہو جو دلالت کرتا ہو کہ جس طرح تعصب مذہبی وغیرہ
کی وجہ سے ہے تو ہم اس کے بارے میں جس طرح
قابل التفات نہیں سمجھیں گے اور ہم ان کو عادل
ہی کہیں گے۔ ورنہ اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں یا ہم
جس طرح کو علی الاطلاق مقدم سمجھیں تو اگر میں سے کون
بچ سکتا ہے؟ کیونکہ کوئی امام ایسا نہیں جس میں طعن
کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو یا ان میں ہلاک ہونے
والے ہلاک نہ ہوئے ہوں

پھر اسی صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ولکن ترضی ان الضابط ما نقولہ من ان
ثابت العداۃ لا یلتفت فیہ الی قول من
تشہد القرائن بانہ مقامل علیہ اما التعصب

لیکن ضابطہ یہ ہے جو ہم کہہ رہے ہیں کہ جس کی
عدالت ثابت ہو اس کے بارے میں اس شخص کی بات
قابل التفات ہی نہیں جس سے متعلق قرآن پر شہادت

مذہبی اور غیرہ (ایضاً) . جیسے الزام قائم کرتے ہیں کہ وہ زیادتی یا تعصب مذہبی وغیرہ کی وجہ سے الزام قائم کرتے ہیں۔

ان مخصوص اقتباسات کے پیش نظر تعصب مذہبی کے تحت کلام کرنے والے الساجی ہوں یا کوئی اور ہو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کلام کریں یا کسی اور امام کے بارے میں جن کی امامت وعدالت ثابت ہو چکی ہو اور ان کی مدح و تعریف بیان کرنے والے زیادہ اور جرح کرنے والے کم اور متعصب ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

وثانیاً اگر امام وکیع بن الجراح کی یہ روایت صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے جب انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کو بغور نہیں دیکھا ہو گا یہ رائے قائم کی ہوگی، مگر جب نظر دقیق کے ساتھ ان کے بیان کردہ مسائل کا جائزہ لیا ہو گا تو ان کی رائے بدل گئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بالآخر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لیے گردیدہ ہو گئے تھے کہ انہوں نے ان کی تقلید کر اپنے گلے کا بڑبنا لیا تھا اور انہی کے قول اور رائے پر فتویٰ دیا کرتے تھے جیسا کہ طائفہ منصورہ میں ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اگر واقعی امام وکیع بن الجراح کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ نے بقول مؤلف نتائج التعلیق کم از کم دو تئو حدیث کی مخالفت کی ہوئی تو وہ کبھی ان کی تقلید نہ کرتے اور نہ ان کی رائے پر فتویٰ دیتے۔ دو تئو حدیث کی مخالفت تو بہت بڑی چیز ہے، اگر بالفرض امام ابوحنیفہؒ کسی ایک ہی صحیح اور صریح حدیث کے مخالفت ہوتے تو بھی امام وکیع بن الجراح جیسے پختہ کار محدث کبھی ان کی مدح و توصیف نہ کرتے اور نہ ان کی تقلید کرتے۔

وثالثاً علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ ابن کرامہ (محمد بن عثمان بن کرامہ المتوفی ۲۵۹ھ) ابو حاتم فرماتے ہیں کہ صدوق تھے اور امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں ان سے احتجاج کیا ہے بغدادی ج ۳ ص ۱۵۱، محدث مسلمہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن حبان ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں بخاری میں ان کی چار روایتیں ہیں۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۳۹ سے روایت کرتے ہیں کہ ۱۔

قال کنا عند وکیع یوماً فقال رجل ان خطا ابو حنیفۃ فقال وکیع کیف یقدر ابو حنیفۃ یخطئی ومعہ مثل ابی یوسف و زفر فی قیامہما ومثل یحییٰ بن ابی زائدۃ وحفص بن غیاث . ہم ایک دن وکیع کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے کہا ابوحنیفہؒ نے خطا کی ہے، امام وکیعؒ نے فرمایا، یہ کیسے فرض کیا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے خطا کی ہے جب کہ ابویوسفؒ اور زفر جیسے قیاس دان اور فقیہ اور

وہبان ومنزل فی حفظہ الحدیث والقائد
بن معن فی معرفتہ باللغة والعربیۃ ودنود
الطائی وفضیل بن عیاض فی زہدہما وعلما
من کان ہولاء لہ لیکد یخطئ لہ نہ
ان اخطأ ودوہ -

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۴۷)

یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، وہبان ومنزل
جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسے لغت اور
عربی کے ماہر اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے
زہد اور متقی ان کے ہم مجلس ہوں انہیں حالات
امام ابو حنیفہؒ کی خطا کیونکر تسلیم کی جاسکتی ہے کیونکہ
ان کی موجودگی میں اگر وہ خطا کرتے تو وہ ان کو روک دیتے
کی طرف لٹا دیتے۔

یہ روایت امام ابن حجر مکیؒ مولیٰ طاش کبری زاوہ اور حضرت ملا علی قاریؒ نے بھی نقل کی
ہے اور ان کی روایت کے آخر میں یوں ہے کہ:-

وان اخطأ ردوہ الی الحق (وفی روایۃ للحق)
والخیرات المسان من مفتاح السعادة ج ۲
ص ۸۳ و ذیل الجواب ص ۵۸)

علامہ الخوارزمی الحنفیؒ (المتوفی ۶۶۵ھ) یہ پوری روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-
ثم قال وکیع رحمہ اللہ والذی یتول
مثل هذا کلا نعم بل ہذا مثل -
و جامع المسانید ج ۲ طبع دکن حیدر آباد
بائیں میں یہ کہتا ہے کہ وہ ترجمانوں کی مانند ہیں سے بھی
زیادہ غم گزردہ رہا ہے۔

موقوف نتائج التقليد اور ان کے حواری دیدہ بینا اور چشم بصیرت کے ساتھ یہ اقتباسات
بار بار پڑھیں اور انصاف و دیانت سے یہ فرمائیں کہ امام وکیع بن الجراحؒ کیا امام ابو حنیفہؒ کے
مخالف ہیں یا موافق؟ اور کیا وہ ان کے علم و دیانت پر اعتماد کرتے ہیں یا بد اعتمادی؟ اور امام ابو حنیفہؒ
پر خطاب کا الزام عائد کرنے والوں کو بروایت الخوارزمیؒ انہوں نے کیا خطاب دیا ہے؟ ہم کچھ نہیں
کہتے خود ہی مصلحت ہیں و کار ارسال کُن۔

اشعار بدین

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم امام وکیع بن الجراحؒ کے اس بیان کے ساتھ ایک اہم ضروری

بحث بھی عرض کر دیں جس کی وجہ سے دیگر غیر مقلدین حضرات کی طرح مولانا مبارکپوری صاحب (دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۱۱) اور مؤلف نتائج التقليد وغیرہ حضرات کو خاصی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ مؤلف نتائج التقليد، امام وکیع بن الجراح کو حنفیت کے زمرہ سے خارج کرنے اور امام ابوحنیفہؒ کا مخالفت بنانے کے سلسلہ میں ترمذی شریف (ج ۱ ص ۱۱۱ طبع نو لکھنؤ) کی عبارت نقل کر کے یوں ترجمہ کرتے ہیں: ہم انہی کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:-

”حضرت وکیعؒ اشعار کی حدیث بیان کرتے وقت فرمایا کرتے تھے کہ اشعار سنت ثابتہ اور اہل الکفر والوں کا قول بدعت ہے لہذا ان کے قول باطل کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ ابو سائبؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت وکیعؒ کی مجلس میں موجود تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ تو اشعار کو مثلاً قرار دیتے ہیں اور مثلاً ہونے کی دلیل میں ابراہیم غنمیؒ اپنے دادا اُسَاز کا قول پیش کرتے ہیں۔ پس حضرت وکیعؒ اس شخص کا یہ جواب سن کر انتہائی جوشش غصہ میں فرماتے گئے کہ تیرے جیسے نالائق و منکر سنت کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ تجھے قید کیا جائے اور جب تک تو اپنے اس قول و عقیدہ بد سے توبہ نہ کرے تجھے قید سے نہ نکالا جائے۔ درودِ بحث کی مخالفت سے بطور غور ایک مصرح صحیح خلاف والکار کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ اھ (نتائج التقليد ص ۱۱۱)

مؤلف نتائج التقليد اور ان کے ہمراہیوں کا اس سے استدلال بکند و جود مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس حکایت ہی میں خاصاً کلام ہے جس کی مبسوط بحث علاوہ قاسم بن قطلوبغا المحتفی (المتوفی ۷۱۰ھ) نے اپنی کتاب منیۃ الملتعی ص ۳۱ میں کی ہے۔

وثانیاً امام وکیعؒ بن الجراحؒ نے اس ساری عبارت میں امام ابوحنیفہؒ کی شان کے خلاف کوئی ہلکا سا جملہ بھی استعمال نہیں کیا اور اہل کفر میں صرف امام ابوحنیفہؒ ہی نہیں بلکہ امام ثوریؒ وغیرہ بے شمار حضرات شامل ہیں جیسا کہ مولانا مبارکپوری صاحب نے اس کی تصریح کی ہے، اور باحوالہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اور سائل نے جب حدیث کے خلاف ابراہیمؒ کا حوالہ دیا تو اس پر حضرت وکیعؒ بن الجراحؒ برہم ہوئے لیکن امام ابوحنیفہؒ کا نام تاؤ با پھر بھی نہیں لیا، اس لیے اس عبارت کے

منطوق اور نص کے طور پر امام ابوحنیفہؒ کی متقیص ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔

وثالثاً امام طحاویؒ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے اشعار اور ترک اشعار دونوں میں تخییر نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ فعل سنت مؤکدہ نہ تھا بلکہ محض اباحت اور استحباب کے درجہ میں تھا۔ (ملاحظہ ہو فتح الملہم ج ۲ ص ۲۱) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی مطلق اشعار کے ہرگز منکر نہ تھے بلکہ اس اشعار کے منکر تھے جو ان کے زمانہ میں لوگ بے احتیاطی کے ساتھ کیا کرتے تھے چنانچہ اعلم الناس بمنصب ابی حنیفہؒ امام طحاویؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ :-

فقال لم يكره ابو حنيفة اصل الشعر وانما كره ما يفعل على وجه يخاف منه هلاك البدن كسرية الجرح لاسيما مع الطعن بالشفرة فائدة الباب عن العامة لانهم لا يراعون المحذوف في ذلك

امام ابوحنيفه اصل اشعار کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اس اشعار کو مکروہ کہتے ہیں جو ایسے طریق پر کیا جاتا تھا جس سے قربانی کے جانوروں کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا تھا جب کہ زخم سرایت کر جاتا اور خصوصاً پھٹری سے زخم کرنا تو امام صاحب نے سند ذائع کے طور پر اس سے منع کیا کیونکہ علوم اس کی رعایت نہیں رکھ سکتے تھے۔

(بحوالہ فتح الملہم ج ۲ ص ۲۱)

اور امام صاحب کا یہی مذہب امام ابو منصور ماتریدیؒ (المتوفی ۳۲۳ھ) علامہ خضکیؒ اور ابن عابدینؒ (وغیرہ) نے بھی نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ :-

ويتعين الرجوع الى ما قال المصاوي فانه اعلم من غيره باقوال اصحابه

طحاویؒ نے جو کچھ کہتا ہے اسی کی طرف رجوع کرنا متعین ہے کیونکہ وہ اپنے اصحاب کے قول کو سب سے

زیادہ جانتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۱)

اور حضرت مولانا سید نور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) نے بھی امام طحاویؒ کا یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو المعروف الشذی ص ۲۳)

اشعار کے مسئلہ میں سب سے زیادہ اہل دین حضرت امام ابوحنیفہؒ پر علامہ ابن عزم نے کی ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان کا قول نقل کر کے آخر میں یہی لکھا ہے کہ امام طحاویؒ کے قول کے مقابلہ میں کسی اور کی بات تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ باقی یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اشعار کا حکم دیا ہے، ہلاکت اور غیر ہلاکت کا سوال نہیں پیدا ہوتا تو بلا شک ایسا ہی ہے مگر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی دیگر صحیح اور صریح روایات جانوروں پر تعدی کرنے سے منع کرتی ہیں۔ اہل عرب کے پاس اونٹ بھی فراواں تھے اور وہ سنت کے مطابق اشعار کا طریقہ بھی بخوبی جانتے تھے۔ بخلاف اکثر اہل عجم کے جن کی بے اعتدالی کو دیکھ کر امام صاحب نے اس غلو کو مکروہ کہا ہے۔

الغرض امام ابوحنیفہؒ کا غلو فی الاشعار کو بدعت کہنا اور چیز ہے اور نفس اشعار کا جو تسلیم کرنا الگ بات ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی سمجھئے جس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں کے مسجد میں صلوٰۃ النعش (چاشت کی نماز) پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:۔

بدعة۔ (بخاری ج ۲ ص ۴۹) یہ بدعت ہے۔

امام نووی الشافعیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ان مراده ان اظهارها في المسجد والاجتماع لها هو البدعة لا ان اصل صلوٰۃ النعش بدعة (شرح مسلم ج ۴ ص ۴۹)

ان کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظہر کر کے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع کرنا یہ بدعت ہے نہ یہ کہ نفس صلوٰۃ النعش ہی بدعت ہے۔

اور اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ بعض چیزیں باوجود سنت ہونے کے جب کہ ان کے ساتھ مزید غیر شرعی قیود شامل ہو جائیں تو وہ بدعت ہو جاتی ہیں۔ اس کی مزید تحقیق راقم کی کتاب "راہ سنت" میں ملاحظہ کیجئے۔

ورایاً اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ امام وکیع بن الجراحؒ نے اپنی فہم کے مطابق اشعار کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو رد کر دیا ہے تو اس سے یہ کیونکر لازم آتا ہے کہ وہ کلی طور پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مخالفت تھے یا ان کے مقلد نہ تھے؟ اس لیے کہ تاریخی طور پر سینکڑوں مثالوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اسی پر نگاہ جمائیے کہ کیا حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں اصولاً حنفی نہ تھے؟ مگر بیسیوں مسائل میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف رائے کیا اور ان کے خلاف دلائل پیش کئے ہیں کیا اس طریق سے وہ حنفیت سے خارج ہو گئے تھے؟ مولانا مبارکپوری صاحب کا یہ کہنا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اور حنفی نہ تھے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۱)

محض تسکین قلب کا سامان ہے اور بس۔ طاقت منصورہ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ترمذی کی اشعار والی عبارت سے امام ابو حنیفہ کا مخالف سنت ثابت کرنا امام دیکھ بن الجراح کو ان کا مخالف قرار دے کر ان کے حلقہ تقلید سے خارج کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ نہ تو حضرت امام ابو حنیفہ کسی صحیح حدیث کے منکر تھے اور نہ امام دیکھ بن الجراح غیر معتد تھے بلکہ وہ بچے معتد اور کٹر حنفی تھے مگر اسی طرح جس طرح کہ اہل علم تقلید کیا کرتے ہیں۔

دوسری شق کا جواب :- بلا شک امام کبیر ابو یوسف عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (المتوفی ۱۲۵ھ) جو الحافظ عدیم النظیر اور الثبت الخری تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۱ نے اپنے مصنف میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان یہ ہے :-

هذه المخالفة ابو حنیفة الاول الذی جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
کہ یہ وہ بات جس میں یہ بیان کیا جائیگا کہ ابو حنیفہ نے انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کی ہے
اس باب میں انہوں نے بزعم خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایک سو پچیس^{۱۲۵} مسائل میں امام ابو حنیفہ نے احادیث و آثار کی مخالفت کی ہے لیکن اسکی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی فہم سے جو کچھ احادیث سے سمجھا ہے امام ابو حنیفہ کے تفقہ کو اس سے متصادم ہوتے ہوئے حدیث کی مخالفت کی بھیا تک شکل میں پیش کیا ہے۔ بالفاظ دیگر ان دونوں بزرگوں کے درمیان تفقہ اور اس کے طریق کار کا اختلاف ہے۔ گویا یوں کہہ لیجئے کہ امام ابو حنیفہ امام ابن ابی شیبہ کے فہمی مذہب کے خلافت کیا ہوئے بلکہ ان کے زعم میں حدیث ہی کے مخالف ہو گئے۔ (معاذ اللہ) اور اس سے بڑھ کر اس کی اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔

بس اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

بعینہ یوں سمجھیے جس طرح امام لیث بن سعد نے امام مالک کو ستر حدیثوں کا مخالف بتایا ہے اور علامہ ابن حزم نے ان کو ستر سے زائد حدیثوں کا، اہل گردانا ہے یا جس طرح امام ابن عبدالحکم نے حضرت امام شافعی کو کتاب اللہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف گردانا ہے۔ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ائمہ دین اور اساطین علم جن پر علم اسباب میں علوم شریعت کا

انحصار سے واقعی ایسے تھے؟ اللہ تعالیٰ غیر مقلدین حضرت کو فہم عطا فرمائے کہ وہ بات کو کچھ کہیں اور ائمہ دین میں سے کسی کے خلاف اگر کتابوں میں کوئی حوالہ نظر آئے تو اس کو سے کر چوبہ کی طرح پٹاری نہ بن بیٹھیں جس کو سونٹھ کی گرہ ملی تھی اور وہ پٹاری و عطار می بننے کا خواب دیکھتا رہا تھا مگر افسوس ہے کہ :- ع۔

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب ہیں

یہ یاد رہے کہ امام ابن ابی شیبہؒ کے جواب میں بہت سے علماء اسلام نے تردیدی کتابیں لکھی ہیں جن میں خصوصیت سے سندرجہ ذیل حضرات کی کتابیں قابل ذکر ہیں :-

① حافظ عبد القادر القرشی الحنفی مؤلف الجواهر المضیہ ان کی کتاب کا نام الدر المنیفة فی الرد علی ابن شیبہ فی ما اوردہ علی ابی حنیفہ ہے۔

② حافظ حدیث اور فقیہ وقت قاسم بن قطلوبغا الحنفی المتوفی ۸۷۹ھ جن کو حافظ ابن حجرؒ باوجود استاد ہونے کے ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں :- امام العلامة المحدث الفقیہ اور الشیخ الفاضل المحدث الکامل الاوحد المصنوع اللامع فی اعیان القرن التاسع مہ ازعمہ السنجاوی الشافعی ان کی کتاب کا نام النجوبة المنیفة عن اعتراضات ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ ہے۔

③ علامہ تاجا محمد زاہد کوثری الحنفی (متوفی ۱۲۷۲ھ) ان کی تالیف کا نام النکت الطریفہ فی التحدیث عن ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ ہے۔

غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے نہ تو حدیث اشعار کا انکار اور مخالفت کی ہے اور نہ کسی ایسی حدیث کی جو انکی عائد کردہ شرطوں کے مطابق ہے۔ ان پر انکا حدیث یا مخالفت حدیث کا الزام بالکل جہت باد اور محض مخالفانہ ہے۔ ہاں چونکہ وہ مجتہد ہیں اسلئے یہ تو ممکن ہے کہ کسی شرط کے عائد کرنے میں غلطی کر گئے ہوں جس طرح کہ حضرت امام بخاریؒ نے حدیث حسن کو قابل استدلال نہیں گردانا حالانکہ گزر چکا ہے کہ ان کا یہ نظریہ بغیر ابن العربیؒ کے اور تمام متقدمین متاخرین کے خلاف ہے، مگر اس انکی دیانت پر کیا اثر؟ اور ہی طرح فتویٰ اور معنوی طور پر خطائے اجتہاد ہی تو قابل انکار چیز ہے اور نہ قابل گرفت صحیح میرج اور فروع روایت کے گزر چکا ہے کہ مجتہد بصورت خطا بھی ایک جبر کا مستحق ہوتا ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہوتی بقول شخصے ع۔

”اُس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت“

باب ہفتم

مخالفت حدیث کی ایک نفس بحث

اس مقام پر اصولی طور پر یہ بحث بھی پہلی معلوم ہوتی ہے کہ مخالفت حدیث کا مفہوم کیا ہوتا ہے؟ کیا ہر مقام پر مخالفت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کی مخالفت مراد ہوتی ہے یا ان الفاظ کے اندر جو معنی اور مدلول پنہاں ہوتا ہے، اس کی مخالفت بھی مراد ہوتی ہے؟ اور اگر کوئی شخص آپ کے ظاہری الفاظ کی تو مخالفت کرتا ہے لیکن ان کے اندر جو معنی مستنبط ہوتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے جو بظاہر لفظوں سے متبادر نہیں ہوتا تو کیا اس شخص کو مخالفت حدیث کا لازم قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز سے منع فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر اس منع اور نہی سے حرمت اور کراہت تحریم ہی مراد ہوگی یا اس سے ترکِ اولیٰ اور کراہت تشریہ بھی مراد ہو سکتی ہے؟ اور اگر آپ نے کوئی حکم ارشاد فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر وہ امر اور وجوب ہی کے لیے ہوگا یا کہیں محض ارشاد اور مشورہ کے لیے بھی ہو سکتا ہے جس کا نہ ماننے والا عاصی اور نافرمان نہیں کہلایا جاسکتا؟ ہم نہایت اختصار کے ساتھ صحیح احادیث سے ان امور پر روشنی ڈالتے ہیں، غور فرمائیں۔

① حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقع پر (جب کہ یہود بنی قریظہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتہائی ریشہ دوانی کرنے کے بعد مدینہ طیبہ سے چند میل دور قلعہ بند ہو گئے تھے) یہ ارشاد فرمایا کہ فوراً بنو قریظہ کے

پاس پہنچا اور

لَا يَصِلِينَ أَحَدَ الْعَصَاةِ فِي بَيْتِ قَرْيَظَةٍ
فَادْرِكْ بَعْضَهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ
بَعْضُهُمْ لَا نَصَلِي حَتَّى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ
بَلْ نَصَلِي لَعَلَّ مَنَّا ذَاكَ فَذَكَرَ ذَلِكَ
لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ
يَعْلَفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ
(بخاری ج ۵ ص ۵۹۱)

تہم میں سے کوئی ایک شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے
مگر بنی قریظہ میں جا کر چنانچہ راستہ میں ان میں سے
بعض پر عصر کی نماز کا وقت آگیا۔ ان میں سے کچھ حضرات
نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ ہی میں جا کر نماز پڑھیں گے
اور بعض دیگر نے کہا کہ ہم تو نماز یہاں ہی پڑھیں گے
کیونکہ ہم سے یہ تو طلب نہیں کیا گیا کہ ہم نماز پڑھیں
انہوں نے نماز پڑھ لی۔ جب آپ کے سامنے اس
کا ذکر ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ کی۔

ان میں سے ایک گروہ نے معنی مراد کو ملحوظ رکھ کر عصر کے وقت نماز پڑھ لی اور دوسرے
گروہ نے ظاہری الفاظ کو دیکھا اور نماز عصر عشاء کے بعد بنو قریظہ پہنچ کر پڑھی۔ حافظ ابن القیمؒ
لکھتے ہیں کہ پہلا گروہ فہیم تھا اور وہ دوسرے اجر کا مستحق ہوا اور دوسرا گروہ معذور بلکہ ماجور تھا مگر
ایک اجر کا وہ بھی مستحق ہوا۔ (زاد المعاد ص ۲ ج ۲)

تعبیر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبی جو نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ ہے
اور لفظ احمد جو نکرہ ہے نبی کے پیچھے داخل ہو کر متناقض کا فائدہ دیتا ہے جس سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں مگر بائیں عم
حضرات صحابہ کرامؓ کا ایک گروہ ظاہری الفاظ کے خلاف عمل کرتا ہے اور وہ پھر بھی قابل ملامت
نہیں ٹھہرتا بلکہ ماجور ہوتا ہے اور اجر بھی دوسرا اور مفہوم کو وہ لفظوں کے اندر چھپا ہوا پاتا ہے ظاہری
الفاظ میں تو اس کی کہیں بڑبڑ محسوس نہیں ہوتی، چاہیے تو یہ تھا کہ ان حضرات کو مخالفت
حدیث گروہا جانا اور آپ کی صریح نبی کا (جو ان کے حق میں قطعی تھی کیونکہ ان کو یہ حکم بالمشافہ ملا تھا)
مخالفت قرار سے قابل ملامت سمجھا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ سوچئے کیوں؟ اور جس گروہ نے ظاہری الفاظ
دیکھے اور انہی پر عامل ہوا اور عصر کی تاکید نماز کو قضا کر دیا تو ایک اجر کا وہ بھی مستحق رہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

قال السهيلي وغيره في هذا الحديث من الفقه
امام سہیل وغیرہ نے کہ ہے کہ اس میں جو فرقہ

انہ لایعاب علی من اخذ بظاہر حدیث حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی حدیث
 اوایۃ وعلی من استنبط من النص معنی یخصہ یا آیت کے ظاہر پر عمل کیا تو ان پر کوئی عیب نہیں اور
 (رفع الباری پ ۱۷ طبع دہلی) ان لوگوں پر بھی کوئی عیب نہیں جنہوں نے نص سے
 کوئی معنی استنباط کیا جو اس کو مخصوص کرتا ہو۔

اگر مخالفت حدیث کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ کی مخالفت ہو اور معنی مستنبط کو
 نظر انداز کر دیا جائے تو یہ ضرور مخالفت ہوگی ورنہ یہ عمل بالحدیث ہی ہوگا جو کسی طرح قابل
 ملامت نہیں ہے۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی حضرت ماریہ کو منافقین کے ایک گروہ نے ان کے
 چچا زاد بھائی حضرت مابوڑ سے ہتھم کر دیا۔ یہ خبر اس انداز سے پھیلی کہ خود آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس خبر کا یقین آگیا اور کچھ قرآن اور شواہد بھی ایسے تھے جن کی وجہ سے
 آپ کا یہ یقین بے جا نہ تھا۔ آپ نے غیرت میں آکر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ مابوڑ کو
 جہاں ملے جا کر قتل کر دو۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

اذھب فاضرب عنقه (مسند بڑا ص ۳۹۸) جا اور جا کر اس کی گردن اڑا دے۔

حضرت علیؑ گئے تو دیکھا کہ وہ ایک کنوئیں میں پاؤں ٹکاتے ہوئے بیٹھا ہے، اس کو
 جو وہاں سے کھینچا تو اس کشمکش میں اس کا تہ بند کھل گیا، حضرت علیؑ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر
 لعین خلق اللہ له ما للرجال (متحدک ص ۳۹) اللہ تعالیٰ نے فقط اس کو آکر ہی پیدا نہیں کیا۔

اور امام مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

وانہ لمحبوب ماله ذکر (مسلم) وہ محبوب و نامرد تھا اس کا سر سے آکر شامل
 ہی نہ تھا۔

حضرت علیؑ نے جب یہ محسوس کیا کہ اس شخص میں قتل کرنے کی وہ عہدیت ہی نہیں پائی
 جاتی جس کی بنا پر مجھے وہ بارہ سال تک حکم ملا تھا۔ تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس
 ظاہری حکم کی تعمیل نہ کی اور واپس جا کر آپؐ سے یہ ماجرا بیان کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ :-

الشاهد یزنی ما لا یرى الغائب (مسند احمد) حاضر وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔

جواب استادہ رجال ثقات، البدایہ والنہایہ ۲۴

وروی النش مثله، واستادہ صحیح الجامع الصغیر ۲

آپ جلتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح اور بالمشافہ حکم اور وہ بھی تعزیرِ محدثہ کی مدعا جس میں حکم خداوندی کسی نرمی اور انفت کی کوئی گنجائش ہی نہیں، کیا وجہ رکھتا ہے؟ مگر حضرت علیؑ اس حکم کی تعمیل کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے ہیں اور وہ بدیہ نبوت سے بجائے طاقت اور سرزنش کے وہ اس ترک حکم پر وار تحمین حاصل کرتے ہیں۔ اب کیا کہا جائے کہ حضرت علیؑ آپ کے اس حکم اور حدیث کی مخالفت کی وجہ سے منکر اور مخالف حدیث ہیں؟ حاشا دکلا کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(۳) حضرت علیؑ ہی کی ایک روایت میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :-

فان امۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نت قامنی ان اجلہ ما فاذا ہی حدیث
عهد بنفاس فخشیت ان انا جلدتها ان
اقتلہا فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ علیہ
وسلم فقال احسنت (مسودہ ۲۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نوکرالی نے
ذمہ لیا۔ مجھے آپ نے فرمایا کہ جا کر اس کو کڑے لگا دو۔
میں گیا تو دیکھا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے مجھے
یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اس کو سزا دی تو کہیں وہ
مرا ہی نہ جلتے میں بغیر سزا دینے واپس آپ کی
خدمت میں پہنچا اور سارا قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا
تو نے اچھا کیا ہے۔

غور فرمائیے کہ آپ کا ظاہری حکم مقید اور مشروط نہ تھا، لیکن حضرت علیؑ نے جو فتوائے
صحابہ میں شمار ہوتے ہیں اپنے تفتہ و اجتہاد سے یہ سمجھا کہ آپ کا حکم درحقیقت مشروط و مقید ہے۔
بایں شرط کہ وہ کوئی ہلاک نہ ہو جائے اور زچگی کی حالت میں سزا دینا ہو سکتا ہے کہ اس کی
موت پر نتیجہ ہو اس لیے انہوں نے کوئی سزا نہ دی اور واپس چلے آئے۔ آپ نے یہ سن کر بجائے
اس کے کہ ان کو عصیاں اور روگردانی کے داغ سے داغدار کرتے اٹھا ان کی تائید و تسویب
اور تحمین فرمائی اَحْسَنْتُ کہ تو نے اچھا کیا۔ برعکس اس کے اگر اس حالت میں حضرت
علیؑ اس کو کڑے لگاتے تو آپ کے ظاہری حکم کی تعمیل کی وجہ سے بدست ممکن ہے کہ وہ محبوب

کھڑتے۔ اس ایک ہی واقعے سے بہت سے اجتہادی، قیاسی اور فروعی مسائل جو بظاہر بعض احادیث کے ظاہری الفاظ کے مخالف نظر آتے ہیں خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ ہاں مگر مجتہدین فقہ واجتہاد کا ملکہ ہونا ضروری امر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کشتی فقہ کا پانچواں سوار ہی یہ دعوے کر بیٹھے۔ سچ ہے کہ اسے

تسے بندوں پر سائے کھل گئے اسرارِ دیں ساقی

ہو اعلم الیقین، حق الیقین، عین الیقین ساقی

④ حضرت برادر بن عازب (المتوفی ۱۷ھ) کی ایک طویل حدیث میں جس میں انہوں نے صلح حدیبیہ کے پورے حالات کا نقشہ کھینچا ہے، اس میں یہ مضمون بھی آتا ہے کہ بالآخر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان معاہدہ طے ہوا تو آپ نے عہد نامہ پر اپنے کاتب حضرت علیؑ سے یہ الفاظ بھی لکھوائے کہ ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ ﷺ یعنی یہ وہ عہد نامہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش ثانی سے طے کیا ہے۔ مشرکین کے نمائندہ (سہیل بن عمرو جو بعد کو مسلمان ہو گئے تھے) نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور کہنے لگا کہ اگر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کر لیں تو پھر ہمارا اور آپ کا اختلاف کیا؟ اس پر رسول اللہ ﷺ کے الفاظ آپ کو صلح نامہ سے کاٹنے پڑیں گے اور محمد بن عبد اللہ کے الفاظ لکھوانے پڑیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی ہوں مگر جب مشرکین نے انہیں تو حالات کی انتہائی نزاکت کے پیش نظر آپ کے فرمایا کہ:-

ثم قال لعلي أُمّ رسول الله قال له والله

لا حول أبداً۔ (بخاری ج ۳ ص ۳۷۲)

فرمایا خدا کی میں تو کبھی نہ مٹاؤں گا۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے:-

فامر علياً ان يعاها فقال علياً والله لا

أعياها۔ (مسند ابی حنبلہ ص ۱۵۱)

کہ آپ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ یہ الفاظ مٹا دیں مگر حضرت

علیؑ نے فرمایا کہ بخدا میں ان کو نہیں مٹاؤں گا۔

بڑا ہی عجیب معاملہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حضرت علیؑ کو نام

لے کر امر اور حکم دے رہے ہیں کہ اسے علیؑ یہ لفظ مٹا دو مگر حضرت علیؑ ہیں کہ آپ کے اس صریح حکم کی تعمیل

کرنے کے بجائے حلقیہ طور پر یہ فرماتے ہیں کہ بخدا میں تو کبھی نہ ملاؤں گا۔ انصاف سے فرمائیے کہ حضرت علیؑ پر کیا فتویٰ لگانا چاہیے؟ اور لگانا بھی چاہیے یا نہیں؟ نظرِ ظاہر تو فتویٰ نہ لگانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ردِ روح حکمِ ہوا اور نام سے کہ ہو۔ لیکن اس کے جواب میں حضرت علیؑ خدا تعالیٰ کی قسم اٹھا کر عدم تعمیل پر مصر اور کمر بستہ ہوں تو پھر وہ فتویٰ بازی سے کیونکر بچ سکتے ہیں؟ اور کب بچ سکتے ہیں؟ (معاذ اللہ) ظاہر بین جانیں اور ان کی فتویٰ بازی، ہاں البتہ دیدہ بصیرت رکھنے والے اور بات کی تہ اور حقیقت کو سمجھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ قریش مکہ کے غمناکوں کی موجودگی میں حضرت علیؑ کے اس ظاہری انکار میں بھی ادب اور عشقِ محمدیؐ سمندر کی اندرونی موجوں کی طرح اُبل رہا ہے اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ جس رسول اللہ کی محبت اور فدائیت نے دنیا کے تمام لذائذ و سُرور سے بے نیاز کر دیا ہے، اس کے نقشِ پاک کو دل کے آئینہ سے مٹانا تو رہا الگ بخدا ان کے اس پیلے نام کو سطحِ کاغذ سے مٹانے پر بھی دل آمادہ نہیں ت

سکوتِ شمع سبز بزم کو خبر ہی نہیں

ٹُپ رہا ہے ازل سے مذاقِ پروانہ

چنانچہ حضرت امام نووی الشافعیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

وہذا الذی فعلہ علیؑ من باب الادب	یہ کاروائی جو حضرت علیؑ نے کی ہے ادبِ مستحب کے
المتحب لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ	بے شک ہے کیونکہ وہ آپ کے قول سے یہی سمجھے تھے کہ
علیہ وسلم تحمیتہ علیؑ بنفسہ ولہذا	اس نوشت کا مٹانا خود علیؑ پر لازم نہیں اور اسی
لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ	لیے آپ نے حضرت علیؑ پر کوئی گرفت نہیں کی۔ اگر
تہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ لہ	ان کے لیے بہت غمناک ضروری ہوتا تو وہ حضرت
سلم علیؑ المخالفۃ	علیؑ کے لیے اس حکم کا ترک جائز ہوتا اور نہ آپ

ان کو اس مخالفت پر برقرار ہستی تے۔

(شرح مسلحہ ج ۱ ص ۱۰۱)

اس شخص صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے اور ان کی تہ میں ادبِ مستحب کا جو معنی خفستہ و پنهان ہے جس کو حضرت علیؑ کی دُور رس اور فقیہانہ نگاہ تاثر کنی

ہے۔ وہ بھی دیکھ لیجئے جس کا ظاہری الفاظ میں کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ کچھ عفت مرحومہ میں سے کسی کو یہ بات نہ سوجھی کہ وہ حضرت علیؑ کو منکر یا مخالف حدیث بنا کر کوتا ہوا اور منتظم طور پر مخالف حدیث ہونے کا مکروہ پراپیگنڈا ان کے خلاف شروع کرتا ہو مگر یہ

جو دل میں عشق نہیں دل ہے جنس ناکارہ!

نہ ہو چمک تو ہے آئینہ ایک پارہ سنگ!

⑤ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (المتوفی ۶۵ھ) کی یہ شکایت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی کہ انہوں نے تازیست ہمیشہ روزہ رکھنے اور رات کے قیام کا التزام کر لیا ہے جس کی وجہ سے بقیہ جائز کاموں کے علاوہ حقوق و وجہیت میں بھی خلل واقع ہوتا ہے۔ آپ نے ان کو اس فعل پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ رات کو قیام بھی کرو اور ہر عیدینہ میں تین دن روزے رکھو ایہ صوم الدھر ہو جائے گا۔ انہوں نے اس سے زیادہ کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور یہ سب افضل روزہ ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۲۶۵)

اور ایک روایت یوں ہے کہ:-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صام من صام الا بعد مرتین (بخاری ج ۲ ص ۲۶۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا تو اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا۔

اس صحیح اور صریح روایت کے ظاہری الفاظ سے صوم الدھر کی ممانعت یا کراہت ثابت ہوتی ہے لیکن ائمہ مرحومہ میں بے شمار لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو صائم الدھر تھے۔ حضرت امام شعبہ بن الحجاج صائم الدھر تھے۔ (مقدمۃ تحفۃ الخوذی ص ۲۲۲)

امام وکیع بن الجراح صائم الدھر تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۴۷)

حضرت امام بخاری صائم الدھر تھے۔ (میزان الکبریٰ ج ۵ ص ۵)

اگر ہم چاہیں تو کتب اسناد الرجال اور طبقات روایت سے سینکڑوں مثالیں ان حضرات کی پیش کر سکتے ہیں جو صائم الدھر تھے مگر صرف ایک جملہ اور عرض کرتے ہیں:-

موتف نتائج التقلید اپنے استاد محترم حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی

کے حالات میں زیر عنوان مشاہدہ لکھتے ہیں کہ ۱۔

”متبت میدا اور عرصہ بعید سے صائم الذہر ہیں، صرف ایک ہی وقت شام کو کھایا کرتے ہیں۔“ (ملفوظہ ص ۳)

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ مولانا روپڑی صاحب سحری بھی نہیں کھاتے تھے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث یوں آتی ہے کہ :-

تسعدوا فان في السحور بركة (بخاری ج ۱) یعنی تم سحری (کھایا) کرو۔ کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۵۱ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۵)

تسعدوا امر کا صیغہ ہے، وجوب کے لیے نہ سہی استحباً ہی کیا کم ہوگا؟ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ سحری کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے (ج ۲ ص ۲۵) مگر اس حوالے کے پیش نظر مولانا حافظ روپڑی صاحب کا عمل اس پر نہیں تھا، اور پہلی روایت کے ظاہری الفاظ کی خلاف ورزی کرنے والے جمہور اُمت میں علاوہ امام شعبہؒ، امام دیکچؒ، امام بخاریؒ کے خود مولانا روپڑی صاحب بھی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو لَصَامٌ مِنْ صَامِ الدَّيْدِ فرما کر اس کی نہی کی ہے مگر یہ حضرات اس کے خلاف چلتے رہے ہیں تو کیا اب ان تمام حضرات کو مخالف حدیث کہہ کر کوٹنا شروع کر دیا جائے؟ یا یہ کہا جائے کہ اگرچہ آپ نے یہ ارشاد تو فرمایا ہے مگر اس کی تہ میں اُمت مرحومہ کے ساتھ ترقی اور سہولت منظور ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے لیے سہولت سمجھتا ہے اور آیات ممنوعہ کے علاوہ ہمیشہ روزے رکھتا ہے تو وہ اس حدیث کے اذر جو مفہوم نہیں و پوشیدہ مگر زبان حال سے گویا ہے اس پر غافل ہے اور یہ کاروائی حدیث کے مخالف نہیں اور نہ اس کی وجہ سے کسی پر ملامت جائز اور روا ہے، اور اس طرز عمل میں صرف امام ابوحنیفہؒ ہی نہیں بلکہ اکثر ائمہ ان کے ساتھ ہیں غرضیکہ ۴

”ایں گناہیت کہ در شہر شما نیز کنند“

⑥ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصال فطرت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ :-

ونتف الا بط (بخاری ج ۲ ص ۲۵۱ و مسلم ج ۲ ص ۱۷۵) زیر بغل بال دکھائے جائیں۔

والیہو امانہ جلد امانت ۱۹ دین

نُتف عربی میں نتف کے معنی مچھنے کے ساتھ بالوں کے اکھاڑنے کے آتے ہیں کسی صحیح اور مرفوع روایت میں حلق الابطال استرے کے ساتھ زیر بغل بالوں کا منڈانا نہیں آتا مگر جمہور اُمت نتف پر عمل نہیں کرتے بلکہ خود غیر متدین حضرات بھی جہاں تک ہم نے دیکھا اور سنا ہے اور جو عمل بالحدیث کے بڑے خویش مدعی بھی ہیں نتف پر عامل نہیں ہیں۔ تو کیا اب سب اُمت کو اس حدیث کا تارک اور مخالف قرار دے کر ان پر برسا شروع کر دیا جائے؟

امام ترمذی اور قاضی شوکانی نتف الابطال کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

امانت الابطال فُسْتة بالاتفاق والافضل
فیه النتف لمن قوی علیہ ویحصل ایضاً
بالخلق وبالنودة وحکی عن یونس بن
عبد الاعلی قال دخلت علی الشافعی رحمہ
وعندہ المیزان یحلق ابطہ فقال الشافعی
علمت ان السنة النتف ولكن لا اقوی
علی الصحیح۔

بہر کیف زیر بغل بالوں کا اکھاڑنا بالاتفاق سنت
ہے۔ اور افضل اس میں جو اس پر قوی ہو اکھاڑنا ہی
ہے اور منڈوانے اور چوڑے سے زائل کرنے سے بھی یہ
مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ یونس بن عبد الاعلی سے
مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کے پاس
گیا تو ان کے پاس حجام تھا جو ان کی بغلوں کے بال
استرے سے صاف کر رہا۔ حضرت امام شافعیؒ نے
از خود ہی یہ فرمایا کہ میں اس کو جانتا ہوں کہ سنت
بالوں کا اکھاڑنا ہی ہے مگر میں تکلیف کو برداشت
نہیں کر سکتا۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹ و تیل الاوطار ص ۱۲۴)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث میں بصراحت کوئی ایسی قید
ثابت نہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو اکھاڑنے پر قوی ہو مگر شرح حدیث لمن قوی علیہ
کی قید سے اس کو مقید کرتے ہیں اور استرے اور چوڑے سے بھی فرماتے ہیں کہ یہ مقصود حاصل
ہو جاتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام اہل سنت حضرت امام شافعیؒ بھی نتف الابطال کی حدیث
پر باوجود اس کو سنت کہنے کے عمل نہیں کر کے اور معذرت کر گئے ہیں۔ اب کیا تمام اُمت

کونتف البط کی حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے منکر یا تارک حدیث کہہ دیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جو حضرات روح شریعت سے واقف ہیں اور صرف پوست پر ہی گفتا نہیں کرتے وہ از روئے تفقہ یہ سمجھتے ہیں کہ مقصود بالذات تو بالوں کا دُر کرنا ہے، خواہ وہ کسی بھی صورت سے حاصل ہو جائے۔

(ج) حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ:-

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُتُّ بَيْنَ أَحَدِكُمُ الْمَوْتَ مِنْ مُتْرَامِدَابَةٍ فَإِنْ كَانَ لَابْنٌ قَاعًا فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ احْيِنِي مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔
(بخاری ج ۱ ص ۸۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ہرگز کسی دکھ کی وجہ سے جوئے پہنچا ہو موت کی تمنّا مت کرے سوا کہ اگر خواہ مخواہ یہ تمنّا کرنی ہی ہے تو یوں کہے اللہ تو مجھے زندہ رکھ اگر میرے لیے زندگی بہتر ہے اور تو مجھے وفات دے دے اگر میرے حق میں وفات بہتر ہے۔

اس حدیث میں لفظ ضرر مطلق ہے، عام اس سے کہ یہ ضرر دینی ہو یا دنیوی اور نہی بھی ہوں تا کہ یہ ثقیدہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے مگر شراح حدیث اس مقام میں ضرر کو دنیوی ضرر سے مقید کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ”حضرت علیؑ نے موت کی آرزو کی تھی جب کہ معاملات بہت پیچیدہ ہو گئے اور فتنے بڑھ گئے اور قتل و قتال کا بازار گرم ہو گیا اور قیل و قال بہت کثرت سے شروع ہو گئی تھی اور اسی طرح حضرت امام بخاریؒ نے بھی موت کی آرزو کی تھی۔

لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَالُ وَلَقِيَ مِنْ مَخَالِفِهِ الْأَهْلَ حِينَ ان کی حالت سخت ہو گئی اور اپنے مخالفین سے پریشانیوں کا سامنا ہوا۔

اور حدیث منی عن الموت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ:-

وَالْمُرَادُ بِالضَّرِّ هَهُنَا مَا يَخْصُ الْعَبْدَ فِي بَدَنِهِ مِنْ مَرَضٍ وَنَحْوِهِ لَا فِي دِينِهِ الْإِلَهِ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۱۹)

ضرر سے مراد اس حدیث میں ایسا ضرر ہے جو آدمی کو بدنی طور پر پیش آئے مثلاً بیماری وغیرہ اس سے دینی ضرر مراد نہیں ہے۔

غور فرمائیے کہ جو شخص ضرر کی دینی اور دنیوی تقسیم نہیں کرے گا اور حدیث میں نہی کو عام

سمجھے گا تو اس کے خیال کے مطابق حضرت علیؓ اور حضرت امام بخاریؒ وغیرہ اس صحیح حدیث کے مخالف نظر آئیں گے اور اگر وہ اس حدیث کے اندر یہ تعلیم تلاش کرے گا تو اس کو ناکامی ہوگی مگر شرح حدیث اور فقہ و امت کے تفقہ سے یہ گتھی سلجھے گی اور ان اکابر کے خلاف مخالف حدیث ہونے کا ادنیٰ وہم بھی نہیں ہو سکے گا۔

حضرت امام بخاریؒ کو جب اپنے استاد محترم امام محمد بن یحییٰ الذہلیؒ سے بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا تو حاکم بخاریؒ اور دیگر بعض اہل وطن کی گہری سازش سے ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور مرقند سے دو فرسخ کی مسافت پر ایک چھوٹے سے گاؤں خرتنگ میں حضرت امام بخاریؒ فروکش ہوئے کیونکہ ان کے کچھ رشتہ دار وہاں بہتے تھے۔ امام عبدالحقؒ بن عبدالحقؒ التمرقندی کا بیان ہے کہ:-

فسمعته ليلة من الليالي وقد فزع من
صلوة الليل يدعوا يقول في دعائه
اللهم انه منات علي الارض بنارحت
فابقضني اليك قال فاتم الشهر حتى
قبضه الله اليه وقبده بخرتنگ -
(تابع بعد ادباً ص ۲ و طبقات الشافعية الكبرى
ج ۲ ص ۲ طبع مصر)

میں نے ان کو ایک رات تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرتے سنا کہ اے اللہ زمین باوجود کثرت ہونے کے مجھ پر تنگ ہو گئی ہے سو تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے اس کے بعد ایک ماہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا ہی لیا اور ان کی وفات ہو گئی اور ان کی قبر خرتنگ میں ہے۔

جو شخص لَا يَمْنَنُ کی حدیث کو عمومی نگاہ سے پڑھے گا تو اسے حضرت امام بخاریؒ کا یہ فعل ضرور مخالف حدیث نظر آئے گا لیکن اگر تعمق و باریک بینی اور تفقہ کی نگاہ سے دیکھے گا تو اسے کوئی مخالفت نظر نہ آئے گی اور ہر چیز اپنے مقام پر بہے گی کہ ہینگ لے نہ پھٹکی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کتنے عرصے میں قرآن کریم ختم کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر رات آپ نے ارشاد فرمایا کہ:-

اقرأ في كل سبع ليال مرة - (بخاری ج ۵ ص ۵)
یعنی ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کیا کرو۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ :-

فأقرا في سبع ولا تنزل على ذلك (بخاری ج ۲ ص ۴۵۶) ہفتہ میں صرف ایک بار پڑھا اور اس زیادہ مت کرو۔

حضرت امام بخاریؒ اختلاف روایات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

قال بعضهم في ثلاث وفي خمس واكثرهن بعض نے تین راتوں میں اور بعض نے پانچ میں اور

علی سبع (بخاری ج ۲ ص ۴۵۶) اکثر نے سات راتوں میں ایک بار ختم قرآن کا کہا ہے۔

گویا فن روایت کی رو سے حضرت امام بخاریؒ نے اکثر روایات (اور ایک روایت

میں ہے کہ اکثر روایات) کا اتفاق سات راتوں میں قرآن کریم کو ختم کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور

بظاہر اسی کو ترجیح دی ہے۔ چلتے تین ہی راتوں میں قرآن کریم ختم کر کے کی روایات کو لے لیجئے،

تب بھی روایت اور حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین سے کم راتوں میں

قرآن کریم ختم کرنے کا ذکر حضرت امام بخاریؒ کے پیش نظر نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے

ہیں کہ اُمتِ مروجہ میں بہت سے حضرات ایسے بھی ہوئے ہیں جو صرف ایک ہی رات

میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عثمان بن عفان المتوفی ۲۵ھ

قیام اللیل ملا وطبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۳) حضرت قیس دارمیؒ المتوفی ۳۳ھ ص ۱۷۱

ج ۲ ص ۲۷۱ و تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۱) اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ المتوفی ۳۷ھ ص ۱۷۱ ج ۲ ص ۲۷۱

وقیام اللیل ص ۱۷۱ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ائمہ دین میں حضرت امام شافعیؒ صرف رمضان

مبارک کے مہینہ میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۲۹) اور

ایک مرتبہ انہوں نے ایک مسئلہ کی تلاش میں روزانہ تین مرتبہ اور تین دنوں میں تیر دفعہ قرآن کریم

ختم کیا تھا (مفتاح الجنۃ ص ۲۹ للسیوطی طبع مصر) اور امام دیکھ بن الجراحؒ ایک رات میں

قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۲) امام الجرجیؒ والتعدیل یحییٰ بن سعید القطانؒ

چوبیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۳ و تہذیب الاسماء

واللغات نووی ج ۲ ص ۱۵۴)۔

ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں باحوالہ تاریخی طور پر اس کی پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہمارا

مقصود دلائل وحوالہات کا استیعاب نہیں ہم تو صرف اپنی بات کو مضبوط بن کر ناچاہتے ہیں ہفت

ایک حوالہ اور سن لیجئے۔ حضرت امام بخاریؒ کے حالات میں کتب تاریخ الطبقات دولت
اور اسماء الرجال میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر

وكان یتختم بالنہار فی کل یوم ختمۃ ویكون
ختمہ عند الإفطار کل لیلۃ ویقول
عند کل ختم دعویۃ مستجابۃ۔
امام بخاریؒ ہر روز دن کو ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر
دیا کرتے تھے اور یہ ختم افطار کے وقت ہر شب
کو ہوتا تھا اور فرماتے تھے کہ ہر ختم کے وقت دعا
قبول ہوتی ہے دعویۃ مستجابۃ۔
رقابیح بغدادیہ ص ۱۸۱ وطبقات الکبریٰ ص ۱۸۱
علامہ سبکیؒ والمحطۃ ص ۲۲

اگر حدیث مذکور کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو بعض اہل ظاہر کی طرح یہ نظریہ قائم کرنا پڑے
گا کہ مذکورہ دنوں سے کم میں قرآن پاک کو ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (ہامش بخاری ج ۲ ص ۵۶)
اور سلف صالحین کے ان اکابر کو معاذ اللہ مکروہ تحریمی کا مرتکب کہنا پڑے گا۔ اگر حدیث
کے ظاہری الفاظ کی مخالفت ہی صحیح معنی مخالفت ہوتی ہے اور اس کی تہ میں کسی پنہاں معنی
اور منہر حقیقت کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تو یقین چاہیے کہ ان اکابر کو مخالفت
حدیث کا لقب دیا جائے گا۔ اور کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی جس سے ان کی رستگاری ہو
سکے مگر معاذ اللہ کہ کسی اہل علم کا ضمیر اور دل اس کو گوارا کرتا ہو کہ یہ اکابر مخالفت حدیث تھے
بلکہ اس حدیث کے دیگر بیان کردہ مطالب کے علاوہ ایک آسان مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ
اُمت پر شفقت اور ترحم کے سلسلہ میں ہے تاکہ اتنے دنوں میں غور و فکر سے قرآن کریم پڑھا جائے
اور اس کے معنی کو سمجھا جاسکے کیونکہ ہر آدمی تو مثلاً امام شافعیؒ نہیں کہ مسکن اجماع کے سمجھنے کے لیے
یقین دن میں تو مرتبہ قرآن کریم ختم کرے اور منہلے نظریہ ہو کہ یہ مسکن استنباط کرتا ہے، ہر ایک
کو بھلا یہ مقام کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ ع

نہ ہر کہ آئینہ دارد و سکن درمی داند

⑨ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے نفرت فرماتے
ہیں لیکن الفاظ اس تفصیل اور تشریح سے خاموش ہوتے ہیں کہ اس میں نفی کا درجہ کیسا ہے ؟
حرام ہے یا خلاف اولیٰ ؟ مگر تاڑنے والی نگاہیں اپنی خدا داد فراست و بصیرت اور تفتہ سے

اس کا مقام متعین کر لیتی ہیں مثلاً حضرت ام علقمہؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ:-

لَا يَتَّبِعُ الْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ وَلَا يَتَّبِعُ الْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ
(بخاری ج ۱ ص ۱۸۱)

اور ان کی ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:-
كَانَتْ تُدْنِي عَنْ اتِّبَاعِ الْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ عَلَيْنَا
(مسلم ج ۳ ص ۳۸۱)

جاتی تھی۔

حضرت امام نوویؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

معناه نه بانارسول الله صلى الله عليه وسلم
عن ذالك نهى كراهة تنزيه لا نهى عزية
وغيره۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازوں میں شریک ہونے
سے منع کیا ہے لیکن یہ نہی تنزیہی کے درجہ کی ہے۔
(نووی ج ۳ ص ۳۸۱)

یہ نہی تاکید اور تحریم کے مرتبہ کی نہیں ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام علقمہؓ نے اپنی بصیرت اور تفقہ سے آپ کی اس نہی
کا درجہ قائم کیا ہے کہ یہ نہی تحریم کے درجہ کی نہیں بلکہ خلافتِ اولیٰ اور تنزیہی کے مرتبہ کی
ہے، حالانکہ حدیث میں صرف نہی کے الفاظ ہیں اور اس میں یہ تقسیم مذکور موجود نہیں ہے
مگر اس کے اندر کی حقیقت اور تہ کو سمجھنا بڑا اہم اور ضروری کام ہے اور اسی کو پالینے کا نام
تفقہ ہے۔

⑩ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی حکم صادر فرماتے
ہیں مگر وہ حکم صرف مشورہ کی حد تک ہوتا ہے اور اس کا ماننا اور نہ ماننا دونوں جائز ہوتے
ہیں اور آپ کے ایسے حکم کا انکار (معاذ اللہ) آپ کی نافرمانی تصور نہیں ہوتی۔ مثلاً ملا جلیلہؒ کہیے
کہ جب حضرت بریرہؓ کو آزادی حاصل ہوئی تو شرعی مسئلہ کے تحت ان کو اپنے خاوند حضرت مغیثؓ
کے پاس رہنے یا نکاح فسخ کرانے کی اجازت ملی، انہوں نے حضرت مغیثؓ سے رستگاری
کو ترجیح دی اور وہ بے چارے گیوں میں حضرت بریرہؓ کے پیچھے رو رو کر یہ التجا کرتے رہے کہ تو مجھ سے

ہلک نہ ہو مگر وہ نہ مانیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بریڑہ تو مغیث کے پاس
نہی ہے تو کیا اچھا ہے۔ وہ کہنے لگی کہ:

یا رسول اللہ تاملنی؟ قال انما اشفع قالت
فلتحاجب الی فیہ۔ (بخاری ج ۹ ص ۹۵) و مشکوٰۃ
ج ۲ ص ۲۷

یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ کو اس کا حکم دیتے ہیں؟ آپ
نے فرمایا کہ حکم تو نہیں دیتا ہاں صرف سفارش کرتا ہوں
انہوں نے کہا تو پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

دیکھئے کہ حضرت بریڑہ اپنے تفقہ فی الدین کی وجہ سے آپ کے حکم و ارشاد کا درجہ
خود آپ ہی سے متعین کرانا چاہتی ہیں کہ اگر یہ حکم اور امر ہے تو مجھے اس کے تسلیم کرنے سے کیا
چارہ ہے؟ اور اگر صرف مشورہ ہے تو مجھے قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ آپ
کے ارشاد کے بعد حضرت بریڑہ نے وہی کچھ کیا جو ان کو پسند تھا اور حضرت مغیث سے
رہائی حاصل کر لی۔

⑪ بعض مواقع اور مقامات ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان میں جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے صریح الفاظ کی مخالفت ہی سے ضروری رسالت اور منشاء نبوت کی تعمین
ہو سکتی ہے اور ظاہری الفاظ پر عمل کرنا جرم اور رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف
ہوگا۔ یقین نہ آئے تو حضرت ابوالیوب انصاریؓ (المتوفی ۱۵۷ھ) کی روایت ملاحظہ فرمائیے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضائے حاجت کے مسائل و احکام بتاتے ہوئے یہ بھی
فرمایا کہ تم نہ تو کعبہ کی طرف پیٹھ کرو اور نہ منہ۔ آگے فرمایا کہ:

مشرقوا وغتروا۔ (بخاری ج ۲ ص ۲)

مشرق یا مغرب کی طرف نہ کرو۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:

ولکن مشرقوا وغتروا (مسلم ج ۱ ص ۱۳)

اور لیکن مشرق یا مغرب کی طرف نہ کرو

حضرت امام نووی (وغیرہ) فرماتے ہیں کہ یہ حکم اہل مدینہ اور ان کی سمت والوں کو ہے
جن کا قبلہ شمال یا جنوب رویہ ہے (محصلہ ج ۱ ص ۱۳)

اب اگر ہم لوگ اس ملک میں مشرق یا مغرب کی طرف منہ کریں گے تو توہین قبلہ کا
ارتکاب لازم آئے گا اور یہ بات منشاء نبوت کے خلاف ہوگی کیونکہ ہمارے علاقے کا محل

واقع ہی ایسا ہے، لہذا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صریح الفاظ کی مخالفت کرنا لازم ہے تاکہ ہمارے ملک میں اس حکم کی تہ میں جو مراد نبوت مفسر ہے اس پر عمل ہو سکے اور قبلہ کی تعظیم اور احترام محفوظ رہے۔

(۱۳) پھر کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خداوند عزیز کے حکم کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مجتہد کو حکم خداوندی سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے اجتہادی حکم پر عمل کرنا پڑے گا اور اس طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ چنانچہ ایک طویل حدیث میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لشکر کو جداد کے لیے روانہ فرماتے تو امراء لشکر کو نہایت ضروری اور مشید وصایا اور نصائح فرماتے۔ اور ان میں یہ بھی مذکور ہے کہ :-

وَإِذَا حَاصِرَتْ أَهْلَ حَصْنٍ فَأَرَادُوا أَنْ
تَنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ فَلَا تَنْزِلْهُمْ عَلَى
حُكْمِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ
لَتَدْرِي أَتَصِيبُ حُكْمَ اللَّهِ فِيهِمْ أَمْ لَا -
رمسلم ۲۸۷۲ واللفظ لہ۔ والبوداؤد ۲۵۲ و
ترمذی ۱۹۰۷ وابن ماجہ ۲۱۰۷
اور جب تم اہل قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ تم سے
مصالحت کرتے ہوئے یہ ارادہ کریں کہ تم ان کو
اللہ تعالیٰ کے حکم پر اتار دو تو تم ان کو اللہ تعالیٰ کے
حکم پر پناہ نہ دو لیکن تم ان کو اپنے حکم پر پناہ دو
کیونکہ تم یہ نہیں جانتے کہ کیا تم ان کے حق میں اللہ تعالیٰ
کے حکم کو پاسکو گے یا نہیں۔

اور اسی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر وہ تمہیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول
کے ذمہ پر راضی ہونے کی پیشکش کریں تو تم ان کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ پر مت
پناہ دو بلکہ خود اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ذمہ پر پناہ دو، کیونکہ یہ بات نہایت آسان ہے
کہ تم اپنے اور اپنے اصحاب کے ذمہ کو برقرار نہ رکھ سکو یہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ کو توڑ دو اور عہد شکنی کرو۔

غور کیجئے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ إِنْ أَمَرَ اللَّهُ إِلَهُكَ بِمَعْزِلِ اللَّهِ تَعَالَى
کے اور کسی کا حکم ہے ہی نہیں اور دوسری طرف اس صحیح حدیث میں جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم امراء لشکر کو یہ حکم دیتے ہیں فَلَا تَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ کہ ان کو خدا تعالیٰ کے حکم

پرست آثار و بلکہ اپنے حکم پر ان کو آمادہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی حقیقت اور تہ تک تم رسائی حاصل نہ کر سکو۔ اس مقام پر ہمیں اس بحث سے کوئی غرض نہیں کہ کیا اجتہاد ہی مسائل میں مصیبت ایک ہوتا ہے یا سب ہی مصیب ہوتے ہیں؟ یہ اپنے مقام کی بحث ہے مگر اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مجتہد بصورت خطا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ توہین و سرزنش کا۔

امام نووی الشافعیؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

هذا النهي ايضاً على التفتيد والاحتياط
وفيه حجة لمن يقول ليس كل مجتهد مصيباً
بل المصيب واحد وهو الموافق لحكم الله
تعالى في نفس الامر

یہ سننی بھی تنزیہی اور رائے احتیاط ہے اور اس میں
ان لوگوں کے لیے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر
مجتہد مصیب نہیں ہوتا بلکہ مصیب صرف وہی
ہوتا ہے جس کا فیصلہ نفس الامر میں اللہ تعالیٰ
کے حکم کے مطابق ہو۔

(لووی پڑھا ۸۲)

انذار فرمائیے کہ ایک مقام وہ بھی نکل آیا جہاں مجتہد حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم خدا تعالیٰ کے حکم سے باہر و جہ صرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ شاید اس تک نہ
پہنچ سکے اپنے حکم پر فیصلہ کرنے کا مامور ہے، علاوہ انہیں آپ کی اس ممانعت اور نہی میں
تحریم و تنزیہ کی کوئی قید موجود نہیں مگر امام نوویؒ وغیرہ فلاسفہ و فلاسفہ کی نئی کو تنزیہی پر حمل کرتے
ہیں۔ غور فرمائیے کہ ان دقیق اور عین علمی بارہ کیوں کو بھلا و راست و فراست بصیرت و فہم اور
فہم و اجتہاد کے بغیر کس طرح حل کیا جاسکتا ہے؟ مگر ظاہر بینوں کی بے جا شکایات
کو دیکھا جاتے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ فلاں بھی حدیث کا منکر ہے اور فلاں بھی
مخالفت حدیث ہے اور فلاں بھی تارک حدیث، تارک سنت اور زمرہ اہل حدیث سے
خارج ہے اور فلاں بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ماں مگر صرف وہی عامل بالحدیث الحمد للہ
اور اصحاب الحدیث ہیں، باقی سب دنیا الہ حدیث کہلانے کی مستحق نہیں ہے مگر ایسی بیجا
شکایات کا کیا علاج ہے؟

کس سے کہوں کہ لاکھ امیدیں مٹا گئی وہ ایک بات رنجش بیجا کہیں جسے

قاریین کلام! سلسلہ کلام دراز اور بلاق بیان وسیع ہوا جابر ہا ہے۔ ہم صرف انہی مثالوں پر ہر دست اکتفا کرتے ہیں جن سے ہر منصف مزاج باسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے علاوہ اس کے اندر اور اس کی تہ میں کہیں شرط خفتہ ہوتی ہے اور کہیں قید پوشیدہ ہوتی ہے، کہیں کوئی علت اور لم پناں ہوتی ہے اور کہیں برعکس ظاہری الفاظ کے ادب مستحب مضمر ہوتا ہے۔ کہیں امر میں استعجاب و اباحت کے مراتب مخفی ہوتے ہیں اور کہیں نہی میں احتیاط و تنزیہ کا فرما ہوتے ہیں۔ کہیں ترفیق و ترحم سبب قرار پاتے ہیں اور کہیں مشورہ و سہولت کا مقام ہو یا ہوتا ہے اور کہیں صاف لفظ تو کچھ کہتے ہیں مگر ان کے اندر معنی مستنبط کوئی اور ہی جھلکتا ہے جس کو صرف فقیہ اور مجتہد کی نظر بصیرت اور فراست علمی ہی تار و سکی سب سے اور باقی پورست کے دلدادہ مغز کی لطافت اندوزی سے یکسر محروم اور حسد ماں نصیب سب سے ہیں۔ سچ ہے کہ

گر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی سے تو ملیں
اُسی کے پاس ہے علاج اس خزانے کی

اس تمام بحث کے بعد ہم ظاہر بینوں کی لفظ پرستی کی ہر دست صرف ایک ہی مثال عرض کر کے اس عنوان کو ختم کرتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ (المستوفی سے ۳۷ھ) اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے روایت آتی ہے کہ:-

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه نہی
ان یبالی فی الماء الراكد۔ وعن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبولن احدکم
فی الماء الدائم ثم یغتسل منه۔
(مسلم ج ۱ ص ۱۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راکد اور دائم
(یعنی رگے ہوئے) پانی میں پیشاب کرنے سے
منع کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یوں آتا
ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص
رگے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے ہو سکتا ہے
کہ کہیں پھر اسے اس سے غسل کرنے کی ضرورت
پیش آجائے۔

تمام نظر و بصیرت والے فقہاء کرام اور محدثین عظام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جس طرح رگے

ہوتے پانی کے اندر پیشاب کرنا ممنوع ہے بعینہ اسی طرح پاخانہ بھی ممنوع ہے اور حرام۔
جائزوں کے پیشاب کا بھی یہی حکم ہے اور ایسے پانی کے قریب بھی پیشاب ممنوع ہے جو
بہرہ کر پانی میں چلا جائے اور کسی کوزے یا برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دینا بھی
منع ہے کیونکہ علت یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں پانی ناپاک اور نجس ہو جائے گا۔ مگر مشہور محدث
داؤد بن علی الظاہری (متوفی ۳۸۷ھ) اور اسی طرح دیگر بعض اہل الظاہر الفاظ پر جمود کا شکار
ہو کر اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی الشافعی لکھتے ہیں:-

حکى عن داود بن علي الظاهري ان النهي
يختص ببول الانسان بنفسه وان الغائط
ليس كالبول وكذا اذا بال في فاء ثم
صَبَّه في الماء او بال بقرب الماء وهذا
الذي ذهب اليه خلاف الجمع وهو
من اقيم ما نقل عنه في المجموع على الظاهر
والله اعلم (نووی ج ۱ ص ۱۳۸)
داؤد بن علی الظاہری سے حکایت کی گئی ہے وہ
کہتے ہیں کہ نہی صرف انسان کے پیشاب کے مخصوص
ہے اور پاخانہ پیشاب کے حکم میں نہیں ہے۔ اور
اسی طرح جب کوئی شخص برتن میں پیشاب کر کے
پانی میں ڈال دے یا پانی کے قریب پیشاب کرے
اور وہ بہرہ کر پانی میں چلا جائے تو اس میں کوئی
صرح نہیں۔ داؤد ظاہری کا یہ مذہب اجماع کے
مخلاف ہے اور جمود علی الظاہر کی بدترین مثال ہے۔

گویا انسان کا پاخانہ اور اس کا لٹے میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دینا یا پانی کے
قریب پیشاب کرنا جو بہرہ کر پانی میں چلا جائے اور اسی طرح کئے اور گدھے وغیرہ کا پیشاب
ماوراکد کو نجس نہیں کرتا یہ ہے تفقہ کے بغیر ظاہری الفاظ پر عمل بالحدیث کا نمونہ۔ لَا تَعُولُ وَلَا
قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

اور شیخ الاسلام ابن وقیح العید فرماتے ہیں کہ:-

متما يحدو قطعاً بطلان ما ذهب اليه
الظاهرية الجامة من ان الحكم مخصوص
بالبول في المأحى لوبال في كوز وصبة في المأثم
يمنع عندهم اولوبال مخرج الماء فجزى البول الى المأثم
اهل الظاهر اس بے جا جمود کا بطلان قطعی طور پر معلوم
ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم پانی کے اندر پیشاب کرنے
کے ساتھ مخصوص ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کوزے میں
پیشاب کر کے اس کو پانی میں بہا دے تو ان کے نزدیک

یضر عندہم ایضاً والحل والقطع حاصل
 بطلان قولہم لا ستواء المبرین فی
 الحصول فی الماء فان المقصود اجتناب
 ما وقعت فیہ النجاسة من الماء وليس
 هذا من محال الظنون بل هو مقطوع بہ
 (احکام الاحکام ج ۱ طبع انصاری دہلی)

یہ مضر نہیں ہے اور اسی طرح اگر کسی نے پانی کے
 باہر پیشاب کیا اور وہ بہہ کر کہ پانی میں چلا گیا تو یہ بھی
 ان کے نزدیک مضر نہیں ہے اور علم قطعی سے یہ
 بات معلوم ہے کہ ان کا یہ قول بالکل باطل ہے
 کیونکہ پانی کے ٹپس ہونے کیلئے دونوں باتیں برابر ہیں۔
 کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ پانی کو نجاست سے بچا جائے
 اور یہ کتنی ممکن کا عمل نہیں بلکہ قطعی امر ہے۔

دو دیکھئے اس عمل بالحدیث کی کہ ظاہری الفاظ کو لے کر کس قدر غلطی کی ہے اور روح شریعت
 کی کس طرح خلافت و رزی کی ہے اور اقصیٰ العرب اور صاحب جوامع الکلم (علی صاحبہا
 الف الف تحیہ) کے بیخ جملوں کو کس طرح حماقت کی تذکرہ دیا ہے۔ فوا اسفاء اور حیرت ہے
 کہ اس قبم کے حضرات ہی اہل الرائے پر اس طرح بستے ہیں جس طرح بلا وقتہ موسم سادون کی
 موسلا دھار بارش برستی ہے اور ان حضرات کو اہل فتنہ اور اصحاب الرائی کی غلطیاں تو شب
 تاریک میں ریت کے باریک ذرات میں بھی نظر آجاتی ہیں مگر اپنی پہاڑ جیسی کوتاہیاں
 آفتاب نصف النہار میں بھی نظر نہیں آتیں۔ سچ ہے کہ یہ

غیر کی آنکھوں کا تیرکا تجھ کو آتا ہے نظر

دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

امام بکریؒ نے اہل ظاہر کے اختلاف کے بارے میں تین مسلک نقل کئے ہیں کہ ان کا اختلاف
 مطلقاً معتبر ہے، مطلقاً معتبر نہیں، قیاس جلی کے خلاف ہو تو معتبر نہیں ورنہ معتبر ہے۔
 اور قاضی ابو یوسفؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:-

ان اصحاب الظاہر لیسوا من علماء الشریعة
 وانما نقلہ ان ظہرت الشقة (طبقات ج ۲)

اصحاب ظاہر علماء شریعت سے نہیں ہیں بلکہ وہ
 صرف نقل ہیں جب کہ ان کی ثقاہت ظاہر ہو۔

الحاصل

حضرت امام ابو حنیفہؒ پر قدیم و حدیثاً جتنے بھی اعتراضات کئے گئے ہیں وہ حسد و تعصب

نہ ہی اور جہالت و لاعلمی کی پیداوار ہیں جن کی دلائل و براہین کی دنیا میں سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں ہے اور کچھ علمی طور پر ایسے اعلیٰ درجات بھی ہیں جو بعض حضرات نے دینا نہ اٹھائے ہیں مگر ان کے صحیح اور معتدل جوابات بھی علماء احناف نے اپنے مقام پر ذکر کر دیئے ہیں اور ایسے فقہی جزئیات اور اجتہادی مسائل میں جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ کے معصوم عن الخطا ہونے کا دعوے نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح باقی ائمہ مجتہدینؒ کا معصوم عن الخطا ہونا بھی یقیناً مبالغہ ہے اور ایسے مقام میں بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ کل احد یؤخذ عنہ ویترک الا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ع۔

کہ چوں ہا و نر سیدی تمام لہ لہی است

شیخ الاسلام ابن عبد البرؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

الَّذِينَ رَوَوْا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَوَقَّوْهُ وَلَشَنُوا
عَلَيْهِ أَكْثَرُ مِنَ الَّذِينَ تَكَلَّمُوا فِيهِ وَالَّذِينَ
تَكَلَّمُوا فِيهِ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ أَكْثَرُ مَا عَالَجَا
عَلَيْهِ الْأَعْرَاقُ فِي الرَّأْيِ وَالْقِيَاسِ وَالْأَرْجَا
أَهْلُ جَامِعِ بَيَانَ الْعِلْمِ ۝ ۱۴۹ طبع مصر

کہ جن لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی اور
ان کی توثیق کی اور ان کی تعریف کی ہے وہ ان سے
بدرجہ زیادہ ہیں جنہوں نے ان میں کلام کیا ہے اور
جن اہل حدیث نے ان میں کلام کیا انہوں نے ان
کا زیادہ غیب یہ نکالا ہے کہ وہ سب قیاس اور
ارجاء میں منہمک ہیں۔

ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ جس معنی میں امام صاحبؒ مرجع تھے وہ قابل اعتراض نہیں ہے اور جس رائے اور قیاس کے وہ قائل تھے وہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، پھر ان پر اعتراض کیوں اور کیسے؟ اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فَمِنْ قَرَأَ فُضَائِلَ مَالِكٍ وَفُضَائِلَ الشَّافِعِيِّ
وَفُضَائِلَ أَبِي حَنِيفَةَ بَعْدَ فُضَائِلِ الصَّحَابَةِ
وَالْتَابَعِينَ وَعَتَى بِهَا وَوَقْتُ عَلِيٍّ كَرِيمٍ
سَيَرَهُمْ وَهَدِيَهُمْ كَأَنَّ ذَاكَ لَهُ عَلَا زَكَايَا نَفَعَتِ اللَّهُ

جس نے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے بعد
امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے
فضائل پڑھے اور ان کا اہتمام کیا اور ان کی
عمدہ سیرت اور خصلت پر مطلع ہوا تو یہ اس

يُحِبُّ جَمِيعَهُمْ قَالَ الثَّوْرِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عِنْدَ
ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ وَمَنْ لَمْ يَحْفَظْ
مِنْ أَخْبَارِهِمْ إِلَّا مَا بَدَرَ مِنْ بَعْضِهِمْ فِي بَعْضٍ
عَلَى الْحَسَدِ وَالْهَفْوَاتِ وَالْغَضَبِ وَالشُّهْرَاءِ
دُونَ أَنْ يَتَعَلَّقَ بِفَضَائِلِهِمْ حَرَمَ التَّوْفِيقَ وَدَخَلَ
فِي الْغِيْبَةِ وَجَادَ عَنِ الطَّرِيقِ أَمَّا
(جامع بيان العلم ۲ ص ۱۶۲)

کا ایک شتھر عمل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب
کی محبت سے نفع عطا فرمائے۔ امام ثوریؒ نے فرمایا کہ
نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی
ہے اور جس شخص نے ان کی خبروں میں سے صرف
وہی خبریں یاد کر لیں جو بعض سے اچھے بارے میں
حسد رہے ہو گی، غصہ اور نفس پرستی کے طور پر صادر
ہوتی ہیں بغیر اس کے کہ ان کے فضائل بھی یاد رکھے
تو وہ شخص حرام نصیب اور وہ غیبت میں داخل
ہو گیا اور راہِ راست سے دور ہو گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:-
كَمَا أَنَّ ابْنِ خَلْفَةَ وَأَنَّ كَانَ النَّاسَ مَخَالِفَةً
فِي أَشْيَاءَ وَإِنْ كَرِهَ عَلَيْهِ فَلَا يَسْتَبِاحُ لِحَدِّ
فَقِهِمْ وَفِيهِمْ وَعِلْمُهُ وَقَدْ لَقُوا عَنْهُ أَشْيَاءَ
يَقْصِدُونَ الشَّاعَةَ عَلَيْهِ وَهِيَ كَذِبٌ عَلَيْهِ
قَطْعًا مِثْلَ مَسْئَلَةِ الْخُزَيْرِيِّ وَنَحْوِهَا
(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۹ طبع مصر)

مثلاً امام ابو حنیفہؒ کی شخصیت دیکھئے کہ اگرچہ لوگوں
نے ان کے ساتھ بہت سی چیزوں میں مخالفت کی
ہے اور ان کی وجہ سے ان پر انکار بھی کیا ہے مگر
کوئی شخص ان کی فتا بہت فہم اور علم میں شک نہیں
کر سکتا اور لوگوں نے محض ان کی عیب جوئی کرتے
ہوئے ان کی طرف کچھ ایسی چیزیں بھی منسوب کی
ہیں جو قطعی طور پر جھوٹ ہیں جیسے جنگلی خنزیر کا
حلال ہونا وغیرہ۔

سب سے بڑھ کر امام صاحبؒ کے مشالب جن حضرات نے ذکر کئے ہیں۔ ان میں علامہ
خطیب بغدادی الشافعیؒ خصوصیت قابل ذکر ہیں اور ان کا تعصب بھی ایک کھلی ہوئی
حقیقت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الجوزی الحنبلیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) جو الامام العلامة الحافظ اور
عالم العراق تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۳۱) اپنی سند کے ساتھ امخیل بن ابی الفضل القوسی الاصبہانی سے
نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:-

وكان من اهل المعرفة بالحديث يقول
ثلاثة من الحفاظ لا اجبتهم لشدة
تعصبهم وقلة انصافهم الحاكم ابو عبد الله
وابو نعيم الاصبهاني وابوبكر الخطيب صدق
اسماعيل وكان من اهل المعرفة
المنتظم ۲۶۰ طبع دائرة المعارف حيدرآباد

وہ حدیث کے جسنے دائے تھے فرماتے تھے کہ تین
حفاظہ کو میں نہیں پسند کرتا کیونکہ وہ سخت متعصب
اور قلیل الانصاف ہیں امام حاکم ابو نعیم اصبہانی اور
خطیب بغدادی اور اسماعیل نے بالکل سچ کہا اور
اہل معرفت سے تھے۔

اور اسی قسم کا مقولہ بعینہ ان الفاظ کے ساتھ سعد بن علی الریحانی سے بھی منقول ہے (ملاحظہ ہو
السهم المصیب لملک المعظم)
اور الملک المعظم کہتے ہیں کہ :-

قلت كان اسمعيل هذا حافظا ثقة صدوقا
بله معرفة بالرجال والمتون عزيز الديانة
(السهم المصیب)
میں کتابوں کے اسماعیل مذکور حافظ ثقہ اور صدوق تھے
ان کو رجال اور متون میں خاصی غمازت حاصل تھی اور
عزیز دیانت کے مالک تھے۔

حافظ ابن الجوزی نے یہ مضمون اپنی کتاب السهم المصیب میں بھی ذکر کیا ہے اور اس کے
آخر میں لکھا ہے کہ :-

واما الخطيب فانه زاد عليها في التعصب
وتسود القصد
امام خطیب ان دونوں پر تعصب اور بڑے قصد
میں بڑھے ہوئے ہیں۔

(بحوالہ تانیب الخطیب طبع مصر)

اور بہت افسوس کی بات تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مشالب میں جو روایات وہ
نقل کرتے ہیں جن روایت کے لحاظ سے وہ نہایت ضعیف کمزور اور مخدوش ہیں، بجائے
اس کے کہ ہم الملک المعظم کی السهم المصیب یا علامہ کوثری کی تانیب الخطیب کے حوالجات سے
علامہ خطیب کی ان روایات اور ان کے راویوں کا حال ذکر کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ کسی غیر حنفی ہی کا حوالہ عرض کر دیں تاکہ تعصب مذہبی کا وہم پیدا نہ ہو۔

امام ابن حجر مکی الشافعی علامہ خطیب بغدادی کی ان روایات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے

ہیں کہ :-

ومما يدل على ذلك ايضا ان الاسانيد التي
ذكرها للقدح لا يخلو اغلبها من متكلم فيه
او مجهول ولا يجوز اجماعا ثلثه عرض مسلم
بمثل ذلك فكيف بامام من ائمة المسلمين
(الخصيرات الحسان ص ۶۹)

اس پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ
خطیب بغدادی نے امام ابو حنیفہ کی قدح میں جو
سندیں پیش کی ہیں وہ بیشتر متکلم فیہ روایت یا مجهول
روایوں سے منقول ہیں اور ایسی اسانید سے بالاتفاق
کسی مسلمان کی ہشک عزت نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ
مسلمانوں کے امام کی۔

علامہ خطیب بغدادی نے جہر بسم اللہ اور قنوت کے مسئلہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ قنوت
کے بارے میں حضرت انس کی یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ :-

ما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقتت في صلاة الصبح حتى مات -
انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تا دم وفات
صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہے۔

اور اس پر وہ بالکل سکوت اختیار کر جاتے ہیں بلکہ اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ امام ابن
الجزی الحنبلی جو شش میں آ کر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وسكوته عن القدح في هذا الحديث و
احتماله به وقاية عظيمة وعصبية باردة
وقلة دين لانه يعلم انه باطل اه
(بحواله نصب الراية ج ۱ ص ۱۳۶ طبع مصر)

خطیب بغدادی کا اس روایت پر سکوت کرنا اور
اس سے احتجاج کرنا بڑی کینگی اور زاتعصب اور
کم دینی ہے کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ روایت
باطل ہے۔

اور علامہ ذہبی الحنبلی نے بھی ان کی اس اخلاقی بستی کا رونا رویا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

محمد بن علي بن ثابت المافظ البوبكر تكلم
فيه بعضهم وهو ابو نعيم وكثير من العلماء
المتأخرين لا اعلم لهم ذنبا اكبر من دعائهم
الحديث الموضوعة في تأليفهم غير محددين
منها وهذا اثر وجناية على السنن والله يعفو

علامہ خطیب بغدادی اور ابو نعیم اور بہت سے علماء
متأخرین کا گناہ میں اس سے بڑھ کر نہیں جانتا کہ وہ
بے تحاشا اپنی کتابوں میں جعلی روایتیں نقل کرتے
ہیں اور یہ گناہ سب سے بڑھ کر حدیث پر ایک جلالت
لو ظلم ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان سب کو

عناوہم ۱۵ (الرواة الثقات المتکلم فیہم کو معاف فرمائے۔ (آئین ثم آئین)

بہالہ یوجب ردہم ص ۱۱ طبع مصر

قارئین کرام آپ انصاف کے ساتھ ان اقتباسات کو دیکھیں کہ بقول علامہ ذہبی خطیب بغدادی، ابو نعیم اور اکثر متأخرین نے سنت پر کس قدر ظلم کیا ہے کہ اپنی کتابوں میں بے تحاشا جعلی حدیثوں کی بھرمار کر دی ہے حالانکہ من کذب علی الحدیث بقول علامہ ابن الصلاح (المتوفی ۷۴۱ھ) درجہ اول کی متواتر حدیث ہے (شرح بخاری ص ۱۱) اور امام ابو محمد الجونی (المتوفی ۷۴۱ھ) کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولنا اور جعلی حدیث بنانا کفر ہے اور جہنم محمدین اس پر متفق ہیں کہ بلا بیان موضوع حدیث کو روایت کرنا حرام ہے۔ (شرح بخاری ص ۱۱) یہ وہی علامہ ذہبی ہیں جن کے بعض حوالوں سے مؤلف نتائج التقلید نے (ص ۱۹۹) میں دھوکا دیا ہے ان ٹھوس اور معنی خیز حوالوں کو بھی دیکھیں اور علامہ خطیب کی کتابوں سے متاثر ہو کر حضرت امام ابو حنیفہؒ جیسے امام المسلمین کی پگڑی اچھلنے والوں کی دیانت اور علمی انصاف بھی ملاحظہ فرمائیں۔ افسوس کہ اہل علم جو ہر چیز کو اپنے مفت میں پرکھتے اور سوچنے کے عادی تھے اٹھتے چلے گئے اور اعجاب کُلّی ذری راہی مبرا یہ کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اب ہم ان مبارک اور منصف مزاج ہستیوں کو کہاں سے تلاش کریں جن کے دیکھنے کے لیے ہماری آنکھیں ترستی ہیں۔ آہ

پیرِ مِخاں کا دم کہاں اس کی وہ بزمِ عجم کہاں
بادِ نہیں تو ہم کہاں ازلیست زیست ہی نہیں

اختلافات تو پہلے بھی ہوتے تھے لیکن عموماً ان میں زیادہ تر ملحوظ احتیاق حق اور فراق ثانی کی علمی خامیوں پر اُسے آگاہ کرنا ہوتا تھا، اور اس میں خیر خواہی، ہمدردی اور دلسوزی کا حتیٰ الوسع خیال ملحوظ رکھا جاتا تھا اور باوجود اختلاف کے فراقِ ثانی کی علمی اور خداوند بصیرت کی قدر ہوتی تھی یہ انداز تو ہرگز نہ ہوتا تھا جو آج اختیار کیا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے ائمہ کرام کو معاذ اللہ کمر ثابت کر کے ہی دم لیا جائے اور ان کی تمام خوبیوں اور کمالات کو یکسر پس پشت ڈال دیا جائے اور ان کی علمی تحقیقات کو معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل

عینِ بدِ مقابل لاکھڑا کر دیا جائے اور یہ باور کرانے کی بیجا سعی کی جائے کہ ان حضرات نے ایک متوازی دین قائم کر رکھا ہے جس سے اصل دین کی بنیادیں ہی کھوکھلی کر دی گئی ہیں اور یہی حضرات دینِ حق میں سختے ڈالنے کے اصل ذمہ دار ہیں (العیب اذ باللہ) اور خیر سے بات خود نہیں سمجھی ہوتی کہ ان بزرگوں نے کیا فرمایا اور اس کا مانعہ کیا ہے؟ اور ان کے بیان کردہ مسائل کی کڑی کنِ نصوصِ روشن براہین اور صحیح دلائل سے جا ملتی ہے؟ اور اگر مقدّماتے بشر ان سے کہیں کوئی علمی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اس کی مناسب توجیہ بیان کر کے ان سے بدظنی کو دور کیا جائے مگر یہ کام تو صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو اور علم اور اہل علم کی قدر و منزلت ہو اور تحقّق (گروہ بندی) اور تعصب بچے ہوئے ہوں وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ۔ غرضیکہ ائمہ دین کے بارے میں طعن و لعن اور سب و شتم تو بڑی چیز ہی ہے ان کے متعلق مظلوم بھی کچھ کم گناہ نہیں جو زبانِ حال یہ کہتے ہیں۔

اے مالی نہ ڈرے گالی بگاڑا ہم نے کیا تیسرا چمن ہے سیر کرنے کو نہ گھر تیسرا نہ گھر میرا

باب ششم

ایک لطیف بحث

غیر مقلدین حضرات نے فقہ حنفی اور کتب فقہ حنفی اور مسائل فقہ حنفی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے اور عوام کو ان سے بظن کرنے کے لیے کسی حربے اختیار کر رکھے ہیں۔ کبھی تو کتب فقہ سے کمزور ضعیف اور متروک العمل جزئیات چُن چُن کر عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ ہے حنفی فقہ، جیسا کہ داد حق، حقیقت الفقہ جلد دوم، نتائج التعلید اور شمع محمدی وغیرہ میں یہ طریق اختیار کیا گیا ہے مگر انہوں نے انصاف اس پر غور نہ کیا کہ فقہ کی ہر جزئی اور ہر مسئلہ حضرت امام ابو منیفہؒ کا فہم و مودہ نہیں بلکہ بیشتر مسائل بعد کے فقہائے کرام اور خصوصیت کے تاضیرین کی تخریجات ہیں اور ظاہرات ہے کہ غیر معصوم اور غیر مجتہد کے نظریات میں خطا اور غلطی کا پہلو بہت نمایاں ہوتا ہے یہ بھی یاد ہے کہ غیر مقلدین حضرات نے کتب فقہ کے حوالے پیش کئے ہیں ان میں بعض مقامات میں حوالجات کے اندر قطع و برید اور بعض میں کم فہمی اور کج فہمی کی وجہ سے ناجائز مطلب براری بھی بیشتر مسائل میں شامل ہے۔ اور جن مسائل کو اغلاط سے تعبیر کیا جاسکتا ہے وہ صرف معدودے چند مسائل ہی ہیں باقی سب غیر مقلدین حضرات کی کج فہمی ہے۔ اگر ہم فقہاء احناف کے حوالے اس پر عرض کریں تو شاید غیر مقلدین حضرات کو ان سے اطمینان نہ ہو اس لیے خود ان کے گھر کا ایک حوالہ میر دست عرض کیے جیتے ہیں۔

مشہور غیر مقلد اور صاحب قلم عالم مرزا حیرت صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ :-

ہوکتا ہیں کہ فقہ حنفی کی کسلاقی ہیں ان سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ایک ایک حرف
امام عظیم کا ہے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسے مجتہد (فی الفروع، صفحہ) کی
کتاب ہے جس کا رجحان بعض مسائل میں امام صاحب کی طرف تھا۔ یہ بدیہی امر ہے
کہ آج تک امام صاحب کے کسی خاص شاگرد یا معتقد نے بالکل یہ امام کے ہر مسئلہ کو
تسلیم نہیں کیا۔ صاحبین بہت سی باتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں گو انہوں نے
اپنا کوئی تیان مذہب نہیں قائم کیا۔ (حیات طیبہ ص ۱۴۵)

ہمارا بھی اس پر صادق ہے، نہ تو ہر مسئلہ اور جزئی جو کتب فقہ میں مسطور و مذکور ہے حضرت
امام عظیم کی فرمودہ ہے اور نہ ہر جزئی اور مسئلہ صحیح اور معمول بہا ہے اور نہ اس کی وجہ سے امام ابو
حنیفہ کی شخصیت اور فقہ حنفی پر اعتراض درست ہے اور نہ ایسی متروک اور ناقابل عمل جزئیات
کی وجہ سے وہ کتابیں ہی سرے سے مخدوش قرار دی جاسکتی ہیں جن میں ان متروک جزئیات
کے علاوہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسائل قرآن و حدیث اور اجماع اُمت کے عین مطابق اور معمول بہا
ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو غیر مقلدین حضرات کے مسلم اور معتبر علماء کی کتابوں سے ایسی ہی مردود جزئیات
اور متروک مسائل پیش کر سکتے ہیں العرف الجاد، روضۃ الندیہ، دلیل الطالب، بدود الاہلہ
اور ایسی ہی دیگر متعدد کتابیں بہائے پیش نظر ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ ہم اتنے کم حوصلہ نہیں ہیں کہ
غیر مقلدین حضرات کی غلط روی سے متاثر ہو کر طعنہ بازی پر اتر آئیں۔ ہم تو صرف اصولی بات عرض
کر رہے ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو یوں پیش کر سکتے ہیں کہ جس طرح کتب حدیث میں (بائنہما)
صحیحین) بیسیوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں ضعیف معلول منکر بلکہ خالص جعلی اور من گھڑت
بھی موجود ہیں۔ مگر نہ تو کسی دیاندار اور خدا ترس فرقہ اور فرقہ نے ان ضعیف اور موضوع حدیثوں
کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر کوئی اعتراض کیا ہے (مگر ان
حدیث اور باطل فرقوں کی بات نہیں ہو رہی اہل حق کی بات ہو رہی ہے) اور نہ اس قسم کی
ضعیف اور موضوع روایات کی وجہ سے کسی متدین نے علم حدیث ہی کا انکار کیا ہے؛ اور نہ
ان کتابوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے جن میں یہ باطل اور موضوع حدیثیں موجود ہیں، بس یہی
کہتے ہیں کہ ان روایات کو رد کرتے ہوئے صحیح اور حسن قسم کی روایات کو قابل عمل گردانتے ہیں۔

نہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کوئی حرف رکھتے ہیں اور نہ حدیث کو ناقابلِ اعتماد اور متروک العمل سمجھتے ہیں اور نہ ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں درج کرنے والے محدثین کو راقم پرستے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وَلَيْبَ انَّ الْقِيَاسَ فِيهِ فَاسِدَةٌ وَكَثِيرٌ
مِنَ الْفُقَهَاءِ قَاسُوا قِيسَةً فَاسِدَةً بَعْضُهَا
بَاطِلٌ بِالنَّصِّ وَبَعْضُهَا مِمَّا اتَّفَقَ السَّلَفُ
عَلَى بَطْلَانِهِ لَكِنْ بَطْلَانُ كَثِيرٍ مِنَ الْقِيَاسِ
لَا يَقْتَضِي بَطْلَانُ جَمِيعِهِ كَمَا انَّ وُجُودَ
الْكَذِبِ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْحَدِيثِ لَا يُوجِبُ
كَذِبَ جَمِيعِهِ اهـ

کوئی ٹھک نہیں کہ بعض قیاس فاسد بھی ہوتے ہیں اور
بہت سے فقہانے فاسد قسم کے قیاسات بھی کیے ہیں
بعض کا بطلان تو نص سے اور بعض کا اتفاقِ سلف سے
عہد ہے لیکن ایسے بہت قیاسات کا بطلان اس
کا مقتضی تو نہیں کہ سارا قیاس ہی باطل ہو جائے
جس طرح کہ بہت سی حدیثوں میں جھوٹ کے
پائے جانے سے یہ تو لازم نہیں کہ سب حدیثیں ہی
جھوٹی ہو جائیں۔

(منہاج السنۃ ۲/۹۲ طبع مصر)

اگرچہ اصولی طور پر یہ جواب بالکل کافی ہے مگر ہم غیر مقلدین حضرات کے تعصب اور
عناد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی ذرا زیادہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ پہلے تفریح طبع کے لیے ان کی مرکزی کتاب کے چند حوالے عرض کر دیں جس پر ان کے تقریباً
سبھی علماء کی تصدیقات و تقریظات ثبت ہیں۔ ان کی مرکزی کتاب نتائج التعلیل میں لکھا ہے کہ :-
”مصنف ہدایہ کا باطل طوفان۔ مصنف ہدایہ کا قلم اس درجہ بے دھڑک
اور بے خوف ہے کہ جھوٹ و افتراء میں اسے انتہائی لذت و ملاوت محسوس
ہوتی ہے، چنانچہ تراویح باجماعت کو سنت ثابت کرنے کی غرض سے واضح
الفاظ میں لکھا ہے :-

انما سنتہ کذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ لانه واطلب علیہ الخلفاء الراشدون (هذا
جو اصل مطبوعہ مجتبیٰ دہلی) تراویح باجماعت سنت ہے کیونکہ حسن بن زیاد
نے حضرت امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ خلفاء راشدین نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے

احصیت واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام کا یہ قول زندگی میں تو کیا بعد وفات خواب میں بھی
 حق یا کبھی دوسرے شاگرد سے منقول نہیں اور قطعاً نہیں گویا کہ حضرت امامؑ پر یہ ہدایہ ایسی مقدس
 و مستند کتاب کا کھلم کھلا افتراء ہے۔ جس کتاب کی تقدیس کا یہ عالم ہو اسے حنفی مذہب کی اس
 قرار دینا جنوں اور مذہب کے مسخری مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حافظ زیلعیؒ جو کہ حنفی مذہب کا ذمہ دار
 رکن اور تخریج ہدایہ کا بیابانگ دہل مدعی ہے، مصنف ہدایہ کے اس افتراء عظیم کو دیکھ کر انتہائی
 شرمندہ و نادام ہو کر اس پر کچھ ذکر کیے بغیر خاموشی سے گزر گیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ جو تخریج ہدایہ
 پر قلم اٹھاتے ہیں تو اپنی ناپید انار علمی معلومات کے باوجود ہدایہ کے اس قول باطل پر حیرت نہ
 ہو کر فرماتے ہیں: ما وجدنا یعنی مصنف ہدایہ کے اس قول کا کہیں سراغ و نشان نہیں ملا ۴

”جو من میں آیا اسے نام شریعت دے دیا“ (نتائج التقلید ص ۱۵)

اور مؤلف مذکور نے ص ۵۹ تا ص ۶۹ میں صاحب ہدایہ، صاحب درمختار اور توضیح و توطیح
 وغیرہ کے بارے میں بڑی غلیظ جملی اور موضوع حدیثیں نقل کرنے کی آڑ میں خوب جلی کٹی
 سنائی ہیں۔ اس عبارت میں مؤلف نتائج التقلید نے جس طرح دل کھول کر صاحب ہدایہ اور
 علامہ زیلعیؒ پر قلب مآوے کی بھرپور نکالی ہے وہ محتج تشریح نہیں ہے۔ تراویح کے مسئلہ پر
 انگ رسالہ کی ترتیب پیش نظر ہے اس لیے ہم اس پر یہاں بحث نہیں کرنا چاہتے اس میں
 ہم بفضلہ تعالیٰ بتائیں گے کہ آیا صلوٰۃ تراویح کا حضرات خلفاء راشدینؓ سے ثبوت ہے یا نہیں؟
 اور جب انہوں نے اس پر عمل شروع کیا تو کیا اس پر انہوں نے مواظبت کی تھی یا نہیں؟ یہ اور
 اس قسم کے اور کئی مسائل انشاء اللہ دہل ہی عرض ہوں گے۔ بہر دست یہ بتانا مقصود ہے کہ
 مؤلف نتائج التقلید نے حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے جو ما وجدنا کے الفاظ نقل کئے ہیں وہ غلط
 ہیں۔ ان کے الفاظ لم اجده ہیں (دیکھیے درایہ ص ۱۲۳) علاوہ انہیں مؤلف نتائج التقلید اور اس کے
 جملہ مصدقین حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ حافظ ابن حجرؒ نے مستقل طور پر احادیث ہدایہ کی تخریج
 نہیں کی جیسا کہ مؤلف نتائج التقلید اور اس کے حواریوں نے غلط سمجھ رکھا ہے بلکہ حافظ موصوفؒ
 نے علامہ زیلعیؒ کی تخریج ہدایہ کی تلخیص کی ہے اور اس کا نام الکدایہ رکھا ہے اور ص ۱
 میں انہوں نے اس کی تصریح کی ہے اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۳۸ میں اس کی تصریح موجود

سبے قطع نظر ان تمام باتوں سے جو بات ہم یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں وہ غور سے ملاحظہ فرمائیے :-
 اگر ہدایہ اور صاحب ہدایہ کی پوزیشن اس لیے مخدوش ہے کہ اس میں بعض بے اصل اور
 فرض کیے معلول بلکہ موضوع اور جعلی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں تو مؤلف نتائج التقلید اور ان کے
 حواری صحیحین کے علاوہ حدیث کی تمام کتابوں سے ہاتھ دھو ڈالیں کیونکہ حضرت امام بخاریؒ اور
 امام مسلمؒ نے بھی اپنے اپنے صحیح کے علاوہ اور کسی کتاب میں صحت کا التزام نہیں کیا اور ہم امام بخاریؒ
 کی کتاب تاریخ صغیر کے متعلق مولانا میر صاحب سیالکوٹی کا حوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں جس میں
 نعیم بن حاد جیسے شیر کی روایت بھی موجود ہے جو خیر سے بڑی خود سنت کا شیدائی بن کر تقویت
 سنت کی حدیثیں بھی وضع کیا کرتا تھا اور اسی طرح ان کی باقی کتابوں میں بھی ضعیف اور کمزور
 روایتیں موجود ہیں۔ کیا مؤلف نتائج التقلید اور ان کے مصدقین کے نزدیک مشکوٰۃ اور صاحب
 مشکوٰۃ پر اعتقاد کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جس میں لم یخلق الله العقل الخ کی حدیث مروج ہے جس
 کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ صرف یہ ہلکے سے لفظ استعمال کرتے ہیں :-

وقد تكلم فيه بعض العلماء (ج ۲ ص ۴۳) کہ اس میں بعض علماء نے کلام کیا ہے

حالانکہ علامہ السخاوی الشافعی وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ :-

انه كذب موضوع باتفاق کہ یہ اتفاق جھوٹی اور جعلی روایت ہے۔

(بحوالہ موضوع اکبیر ص ۲۹)

حافظ ابن تیمیہ وغیرہ بھی اس کو موضوع کہتے ہیں (ایضاً) اور محدث زکشیؒ فرماتے ہیں کہ :-

هذا موضوع باتفاق (موضوع اکبیر ص ۲۹) یہ روایت بالاتفاق جعلی اور موضوع ہے۔

اور یہ روایت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بغیر کسی نیکر کے (بلکہ مقام استدلال میں) پیش

کی ہے :- (ملاحظہ ہو حجة الله ص ۳۳ باب ذکر عالم المثال طبع مصر)

تو کیا اب صاحب مشکوٰۃ اور حضرت شاہ صاحب کے بارے میں مؤلف

نتائج التقلید کی طرح سُرخ اور عنوان قائم کر کے دل کی بھڑاس نکالی جائے جس طرح کہ انہوں نے
 صاحب ہدایہ کے لیے یہ مرغوب نفس عنوان قائم کیا ہے؟ اس کو بھی جانے دیجئے، یہ بتائیے کہ غیرہ الطاہرین

میں کتنی حدیثیں خالص جعلی اور موضوع ہیں؟ اگر سب کے بارے میں کسی لائق استاد اور عارف

رجال اور ماہر طبقات رجال سے پوچھنے کی توفیق میسر نہ ہو تو صرف فضائلِ رجال اور شجبان وغیرہ
الواب ہی کے حدیثوں کے متعلق بتائیے کہ ان میں کتنی جعلی اور موضوع حدیثیں ہیں؟ مگر افسوس ہے
کہ غنیۃ الطالبین سے تو صرف مطلوب نفس حوالے ہی دیکھ لیے ہیں کہ حنفی سرچشمہ کے باطل فرقہ میں
داخل ہیں اور اہل حدیث ہی اہل علم ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہماری بات کا یقین نہ آئے تو علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۲۰۰) ترجمہ حارث
بن اسد الحارثی ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ چند دیگر کتابوں کے علاوہ احیاء العلوم کی موضوع حدیثوں
کے بارے میں اور خصوصیت سے غنیۃ الطالبین کے بارے میں انہوں نے کیا کہا ہے؟ انشاء اللہ تعالیٰ
آنکھیں خوب روشن ہو جائیں گی۔

اور مستدرک حاکم کے اندر مندرج بہت سی جعلی اور موضوع روایات کا حال بھی شاید غیر مقلدین
حضرات کے مخفی نہ ہو گا جس کی احادیث سے وہ مطلوبہ مسائل میں احتجاج کرتے ہیں۔

اس کو بھی جاننے دیجئے، یہ دیکھئے کہ سنن ابن ماجہ محدثین عظام کی ایک خاصی جامعیت کے
نزدیک صحاح ستہ میں شامل ہے مگر امام ابن الجوزی کے خیال میں اس کے اندر تقریباً چونتیس لاکھ
روایتیں خالص جعلی اور موضوع ہیں۔ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:-

وفي الجملة ففيه احاديث كثيرة منكورة۔ المحاصل اس میں بہت سی حدیثیں منکر ہیں۔
(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۳۱)

اور حدیث منکر کو خود حافظ ابن حجرؒ (وغیرہ) نے مردود قسم کی حدیثوں کی تد میں ذکر کیا ہے
(ملاحظہ ہو شرح منجۃ النکر ص ۵۹)

(اور حافظ ابوالنجم الحزلی الشافعیؒ المتوفی سنہ ۱۰۴۶ھ جو العالم الحدیث حافظ ابو عبد
اور محدث الشام تھے، تذکرہ ص ۲۸) نے تو اس سے بھی زیادہ وزنی بات کہہ ڈالی ہے کہ:-

على ما انفرد به ابن ملجاء فهو ضعيف يعنى
بذلك ما انفرد به من الحديث عن الامعة
يعنى جو حدیث امام ابن ماجہ نے باقی پانچ اہل ہوں
سے منفرد ہو کر روایت کی ہے وہ ضعیف ہے۔
(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۳۱)

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:-

فانہ تفرقہ باخراج احادیث عن رجال
متہمین بالكذب وسرقۃ الاحادیث الخ
کہ وہ جھوٹ اور حدیث میں پوری کرنے سے منہم
داروں سے احادیث روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

(زهد الربی علی المجتبی ص ۸)

اور نواب صاحب لکھتے ہیں کہ :-

وله حدیث فی فضل قنویں منکر بل موضوع
ولهذا طعنوا فیہ فی کتابہ ۱۵
انہوں نے فضائل قنویں کے بارے میں ایک منکر
بلکہ جعلی اور موضوع حدیث بھی روایت کی ہے اور
اس وجہ سے محدثین نے ان میں اور ان کی کتاب
(المحطۃ من)

میں طعن کیا ہے۔

مگر یقین جانتے کہ یہ طعن صرف دائرہ تحقیق اور علم تک محدود رہا ہے۔ اس طرح کا نہیں
جس طرح کہ ثلث نتائج التقلید نے صاحب ہدایہ وغیرہ کے بارے میں پیش کیا ہے، ان کے
اصل الفاظ پھر وہاں ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ مستحضر فی الذہن ہوں اور ان سے ذہول نہ ہو جائے۔

مسند امام احمد بن حنبلہ میں تصریح حافظ عراقی الشافعی نے حدیثیں موضوع ہیں۔ علامہ ابن الجوزی
نے پندرہ حدیثیں ان کی موضوع قرار دی ہیں۔ امام سیوطی نے ان سے بھی زیادہ کا ذکر کیا ہے اور
پھر جواب وہی کی سعی بھی کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعۃ میں اس کی تصریح کی ہے کہ
مسند احمد میں لا اصل له قسم کی صرف تین یا چار روایات موجود ہیں۔ (محصلہ البیئۃ فی الامسۃ
الحسنۃ بالسنة ص ۸۷ نواب صاحب)

صحاح ششم میں سے ترمذی کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں بہت
سی احادیث انتہائی درجہ کی کمزور، منکر اور ضعیف ہیں اور خصوصیت سے مناقب وغیرہ کے
ابواب کی حدیثیں حتیٰ کہ محدثین ان کی تصحیح و تحسین کی شکایت کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ احسن الکلام
میں ہم نے باحوالہ اس کی نشاندہی کی ہے۔ اب رہی باری، نسائی اور ابوداؤد کی تو بلا شک
صحیحین کے بعد صحت اسناد کے لحاظ سے نسائی کا پھر ابوداؤد کا مقام بہت بلند ہے، مگر اس
کو کیا کیجئے کہ بعض کمزور اور ضعیف و منکر روایات کے علاوہ جعلی اور موضوع حدیث بھی ان میں
موجود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ :-

عن ابن عباس قال السجل كاتب للنبي ﷺ
 عليه وسلم وهكذا رواه ابو داود والنسائي
 (تفسير ابن كثير ج ۲ طبع مصر)
 حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سجل جناب رسول
 اللہ ﷺ، اللہ علیہ وسلم کا کتاب اور منشی تھا۔ اس کو
 ابو داود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

اور پھر اسی صفحہ میں آگے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وقد مرع جملة من الحفاظ بوضعه وان
 كان في سنن ابى داود منهم شيخنا الحافظ
 الكبير ابو الحجاج المزي اه
 حافظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کے موضوع
 ہونے کی تصریح کی ہے۔ اگرچہ یہ سنن ابو داود،
 (وغیرہ) میں ہے ان حفاظ میں بہتے شیخ الحافظ البکیر
 ابو الحجاج مزی بھی شامل ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تاریخ البیہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ
 نے فرمایا ہو حدیث موضوع کہ یہ جعلی حدیث ہے۔ یہ حدیث ابو داود ج ۲ ص ۵ طبع مجیدی کراچی
 میں موجود ہے اور حافظ ابن القیم بھی اپنے شیخ حافظ ابن تیمیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث
 جعلی اور موضوع ہے۔ (مہذب سنن ابی داود ج ۱ ص ۱۹ طبع مصر)

مؤلف نتائج التقلید (اپنے مصدقین سمیت) ہمیں یہ بتاتے کہ کیا امام ابو داود اور امام نسائی
 وغیرہ کے خلاف اسی طرح کی سُرخي قائم کر دی جائے جس طرح کہ انہوں نے صاحبِ ہدایہ کے
 خلاف قائم کی ہے؟ اور اسی طرح ان کو جھوٹ اور افتراء وغیرہ کے ظالم تیروں سے پھیلنی کر دینے
 اور یہ کہنا شروع کر دیا جائے کہ جن کتابوں کی تقلید کا یہ عالم ہوا انہیں مذہبِ اسلام کی اساس
 قرار دینا جنون اور مذہب کے مسخری مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حاشا دکلا کہ کسی متدین عالم بلکہ ادنیٰ
 ترین مسلمان کے ذہن میں یہ شبہ بھی پیدا ہوا ہو گا یہی کہا جائے گا کہ ان اکابر محدثین نے اپنے
 اجتہاد و سعی سے ان احادیث کو صحیح سمجھ کر یا تسامح اور سہل انگاری سے کام لے کر کتابوں میں درج
 کر دیا ہے اور بڑے محققین علماء نے ان کے اجتہاد کی غلطی واضح کر دی ہے کیونکہ نہ تو یہ علامہ خطیب
 بغدادی وغیرہ کی طرح متعصب ہیں اور نہ ان کا مقصد تراویہ ہی بڑا ہے۔ ہاں غلطی ہے اور آخر حضرات
 انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کون معصوم ہے؟ نہ تو ان کی ذات محدث ہے اور نہ ان کی
 کتابیں ناقابلِ اعتماد ہیں صرف وہی حدیثیں قابلِ رد ہیں جن کو معتبر محدثین کرام نے نقل و نقلاً مردود

قرار دیا ہے۔ باقی سب اپنے مقام میں قابلِ اخذ و عمل ہیں کیونکہ وہیں تک ظلمتِ بے کیف کی بے کار فرمائی جہاں تک آپ کی محفل میں پڑنے نہیں آتے
تصحیح و تصنیف بھی اجتہادی امر ہے۔

یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جس طرح فقہائے کرام نے استنباطِ مسائل میں تفت و اجتہاد سے کام لیا ہے، اسی طرح محدثینِ عظام بھی احادیث کی تصحیح و تصنیف میں اپنے اجتہاد سے کام لیتے رہے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ جس طرح فقہاء کے اجتہاد میں غلطی کا وقوع ممکن ہے اسی طرح محدثین کے اجتہاد میں بھی غلطی غیرِ اغلب نہیں ہے اور کوئی اہل علم اس کا انکار نہیں کر سکتا جیسا کہ امام بخاریؒ نے حسن قسم کی حدیث کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھا مگر جمہور امت ان کے اس اجتہاد کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم صرف ایک ہی حوالہ عرض کرتے ہیں تاکہ ہمارا دعویٰ میراث ہو جائے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:-

أَعْلَمُ النَّاسِ بِأَهْلِ الْعِلْمِ بِمَدِينَةِ الْدِّينِ
اجْتِهَادًا فِي مَعْرِفَةِ ذَلِكَ وَطَلَبِهِ مِنْ وَجْهِهِ
وَعِلْمِ أحوالِ نَقْلِهِ ذَلِكَ بِأحوالِ الرِّسُولِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَجْهِهِ مُتَعَدِّدَةٍ وَ
جَمْعِ أَوْبَانِ رِوَايَةِ هَذَا وَهَذَا وَهَذَا فَعَلِمُوا
صِدْقَ الصَّادِقِ وَغَطَّ الْغَالِطِ وَكَذَبَ
الْكَاذِبِ وَهَذَا أَعْلَمُ أَقَامَهُ اللَّهُ لَهُ مِنْ حِفْظِ
بِهِ عَلَى الْأَمَّةِ مَحْفُظًا مِنْ دِينِهَا وَغَيْرِهَا
لَهُمْ تَبِعَ فِيهِ إِمَامٌ مُتَدَلٍّ بِهِ وَإِمَامٌ مُتَدَلٍّ
لَهُ كَمَا أَنَّ الْجَهْدَ فِي الْحُكْمِ أَقَامَ اللَّهُ
لَهُ رِجَالًا اجْتَهَدُوا فِيهِ حَتَّى حَفِظَ اللَّهُ بِهِمْ
عَلَى الْأَمَّةِ مَا حَفِظَ مِنَ الدِّينِ وَغَيْرِهِمْ لَهُمْ
تَبِعَ فِيهِ إِمَامٌ مُتَدَلٍّ بِهِ وَإِمَامٌ مُتَدَلٍّ بِهِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کو لوگوں
میں سب سے زیادہ جاننے والے وہ حضرات ہیں جو حدیث
کا علم رکھتے ہیں جنہوں نے اس کی معرفت
میں اجتہاد کیا اور اس کے وجوہ سے اس کو طلب
کیا اور لوگوں کے احوال کو معلوم کیا اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے حالات کو کئی طرق کے جمع کرنے سے
سمجھا اور مختلف اور متعدد راویوں کی روایتوں کو جمع کیا
پھر ان سب کے سب غلط کار کی غلطی اور جھوٹے چھوٹے کو معلوم
رکھا اور یہ ایسا علم ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے امت
میں دین کی حفاظت کے لیے کچھ لوگ کھڑے کئے ہیں
اور بقیہ لوگ ان کے تابع ہیں وہ یا تو ان کے اصول سے
استدلال کرتے ہیں اور یا ان کے مقلد ہیں جس طرح
کہ اللہ تعالیٰ نے مسائل و احکام میں اجتہاد کئے

(منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۱۳ طبع مصر)

وایں حضرات کھڑے کئے ہیں جنہوں نے اجتہاد سے

کلام لیا اور ان کی وجہ سے اُمت کے لیے دین

محفوظ رہا اور باقی لوگ ان کے تابع ہیں، یا تو وہ ان

کے اصول کے ساتھ استدلال کرتے ہیں اور یا

ان کے مقلد ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس عبارت کے واضح ہونا کہ جس طرح فقہاء نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح محدثین نے بھی اجتہاد کیا ہے اور سب لوگوں کو یہ مقام حاصل نہیں بلکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں میں سے کچھ نفوس قدسیہ کھڑے کئے ہیں، بعینۃ الناس یا ان کے قائم کردہ اصول کے مطابق استدلال کرتے ہیں اور یا انھیں ہدایت کے ان کی تقلید کرتے ہیں۔ صدیعت کی بات ہے کہ اس میں فقہاء کی تقلید تو ناجائز اور مخرب دین ہو مگر محدثین کی تقلید کسی کا کچھ نہ بگاڑے۔ فقہاء کی تقلید تو غیر مقلدین کے نقل کردہ حوالجات کے پیش نظر دیکھو نتائج التقلید ص ۱ وغیرہ) گمراہی کی ماں اور موجب ہلاکت و تباہی اور مستوجب ہزار قباحت ہو جتنی کہ اس تقلید کے خلاف بیسیوں کتابوں کے علاوہ نتائج التقلید جیسی کتاب بھی معرض وجود میں آجائے اور اس کی تصدیقات بھی ہو جائیں مگر محدثین کی تقلید کی سکر سے ماں ہی کوئی نہ ہو اور نہ وہ موجب گمراہی و ضلالت اور باعث شرک ہو۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالکل بالاتر ہے کہ ایک ہی حدیث کے معنی اور روایت میں کسی امام کی تقلید تو مذموم ہو اور اسی روایت کی سند اور روایت میں تقلید عین ایمان ہو؟ خدا فرمائیے کہ بات کیا ہے؟ اور تقلید کی اس شق کو کیوں معرض وجود اور منصفہ شہود پر نہیں لایا جاتا؟ آخر ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

الحاصل ہدایہ ہو یا فتنہ کی کوئی اور کتاب ہو، ان میں بعض تو اصلہ قسم کی روایات یا بعض ضعیف اور ناقابل عمل مسائل اور جزئیات کی وجہ سے نہ تو پوری فتنہ کی افادیت کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ اور نہ ایسی کتابیں اور ان کے مصنفین حضرات کو ہدف ملامت قرار دیکر ان کو ناقابل اعتماد قرار دیا جاسکتا ہے جس طرح کہ آجکل غیر مقلدین حضرات نے جماعتی رنگ میں یہ

عم شروع کر رکھی ہے۔ ورنہ معاذ اللہ اسی قسم ہی کے دلائل سے احادیث کا پورا ذخیرہ محذوٹس ہو کر رہ جائے گا اور انہیں کے قائم کردہ اصول سے منکرین حدیث (جو بیشتر نام نہاد اہل حدیث ہی سے ترقی کر کے اس اسٹیج پر پہنچے ہیں اور ابھی تو وہ

ابتدائے عشق ہے رونا ہے کیا؟ آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کیا؟ کام لے کر اپنی ناسبارک گاڑی چلاتے ہیں۔

نواب صاحب فقہ کی افادیت کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں کہ:-
 ”وفائدہ تصنیف کتب فقہ دو چیز است، یکی استفادۂ طرق اجتہاد و تصرف فقہاء در حوادث و کیفیت بناء بعض بر بعض، دوم معرفت متفق علیہ از مختلف فیرا فتوے بغیر متفق علیہ نہ“ (ہدایۃ السائل الی ادلة المسائل ص ۴۲)

غیر معتدین حضرات کے جماعتی پرچہ الاعتصام میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:-
 ”اہل حدیث یا غیر معتدین کے ہاں فقہ حنفی کو علوم میں بہت ہی اونچی درجہ حاصل ہے۔ ان کے مدارس میں یہ باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ ان کے نصاب تعلیم میں دلائل سے اور قدوری سے لے کر ہر ایک تک تمام کتابیں بالالتزام طلبہ کو پڑھائی جاتی ہیں ان کے ہاں ایسے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ سمجھا جاتا ہے وہ فقہ کے مسائل پر عمل کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے اس کی تعلیم ضروری سمجھتے ہیں۔“

(بلفظہ الاعتصام ص ۱۸۷ کالم ۱۸۷۲۱۹۶۲)

حقیقت الفقہ، روایت محمدی، شمع محمدی اور نتائج التقليد کے مؤلفین حضرات کو یہ حوالہ بار بار پڑھنا چاہیے جو فقہ حنفی کو قرآن و حدیث کے عین بدمقابل کھڑا کرنے پر مصر ہیں حالانکہ اس حوالہ سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے فقہ کی تعلیم ضروری ہے۔ اور فقہ حنفی مسائل کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے اور اس کے مسائل قابل عمل ہیں۔

”ملنے جس کو نہ تھیرے پیچھے وہاں؟“

اور مولانا میر صاحب سیال کوٹی فرماتے ہیں کہ:-

”نیز یہ کہ فقہ حنفی میں کتاب ہر ایک میں مسائل فقہیہ کی اسناد میں روایات سے جو

ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی و محمول باتیں سمجھائی ہیں۔ ان میں امام
برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ بے سود گنی جیتے گی؟ اور یہ
بات سوائے کسی جاہل اور بے سمجھ کے کون کہے گا؟ **هَذَا وَاللَّهِ الْهَادِي**؛
انتہی بلفظہ۔ تاریخ المجتہدین ص ۱۲۱

ان الفاظ کے پیش نظر مؤلف نتائج التعلیل اور اس کے جملہ مصدقین حضرات اپنا مقام اور
خطاب و لقب خود سمجھ لیں کیونکہ۔

ہم اگر عرض کریں گے ترشکایت ہوگی!
ہدایہ وہ مبارک کتاب ہے کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکمل حضرت مولانا سید نذیر حسین
صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں انہوں نے اپنے ذمہ صرف قرآن و حدیث،
اصول حدیث اور ہدایہ کو خاص کر لیا تھا۔ (الحیات بعد الممات ص ۲۹۵) اگر ہدایہ کوئی ایسی ویسی کتاب
ہوئی تو قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ آخر عمر میں اس کا شغف چہ معنی دارد؟
دیگر غیر مقلدین حضرات کی طرح مؤلف نتائج التعلیل (ملاحظہ ہو ص ۵۸) کتاب ہدایہ کے متعلق
گفت کرتے ہوئے دیدہ دلیری سے یہ بھی لکھتا ہے کہ ۱۔

”اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انتہائی جرأت اور پوری جسارت کھل کر کہا گیا ہے۔
ان الہدایۃ کالقدان قد نسخت ما صنفا قبلہا فی الشرع من کتب
ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل بے نظیر کتاب ہے اور اس کے وجود پذیر (تصنیف)
ہونے سے پہلی تمام شرعی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ جل جلالہ یعنی جیسا کہ قرآن مجید
سے تورات و انجیل منسوخ ہو گئیں ویسے ہی ہدایہ کی تصنیف سے کتب حدیث
اور حنفی شافعی وغیرہم فتنی کتب بھی منسوخ ہو گئیں۔“ (بلفظہ)

جواب ۲۔

مذکور نے جو عبارت نقل کی ہے انتہائی جرأت اور جسارت سے کام لیا ہے
کیونکہ اصل الفاظ فی الشرع من کتب ”نہیں بلکہ فی الفقہ من کتب“ ہیں۔ خود راقم الحروف نے
متعدد کتابوں میں فی الفقہ کا لفظ ہی دیکھا ہے، یہ یا تو مؤلف مذکور کی اپنی ذاتی تحریک ہے۔ اور

یا کہیں کسی رسالہ سے غلط لکھا ہوا گھسیٹ دیا ہے۔ اور جس طرح اسی عبارت میں مؤلف مذکور نے کتب کو ذوی العقول بنا کر وغیرہم فہمی کتب الخ کر دیا ہے اسی طرح انہوں نے اپنی سبے باکی سے لفظ "فی الفقہ" کو "فی الشیخ" بنا دیا ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اصل ہی میں لفظ "فی الشیخ" ہے تو بھی اس سے مراد کتب فقہ ہی ہیں اور نسخ سے یہ مراد نہیں کہ جملہ مسائل فقہ ہدایہ سے منسوخ ہو گئے جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے ناچند حواری یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ درز صاحب ہدایہ متقدمین مسائل نقل نہ کرتے اور نہ قدوری اور جامع الضعیف وغیرہ کی شرح کر کے اس کا نام ہدایہ رکھتے بلکہ نسخ سے بقول شاعر صرف یہی مراد ہے کہ جس طرح نقلی اور عقلی دلائل اور براہین کو نہایت اختصار اور بلیغانہ انداز سے صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی فہمی کوئی کتاب مذاہب اربعہ میں موجود نہیں ہے۔ ہم نے بھی سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں دیکھی ہیں، مگر صاحب ہدایہ کا انداز بیان اور طرز استدلال کچھ اور ہی ہے۔ بقول غالب ؎

کہتے ہیں کہ غالب کتب ہے اندازِ بیاں اور

یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ مؤلف نتائج التقليد کے ترجمہ کہ ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل ہے نظیر کتاب سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لفظ کالتقدان کو حشر ان کی خبر تصور کر لیا ہے حالانکہ اس کی خبر قدسغت الخ کا جملہ ہے اور کالتقدان شغف کے متعلق ہے اس لحاظ سے اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ بے شک ہدایہ نے ان کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے جن کو فہمائے اس سے قبل تصنیف کیا ہے جیسے قرآن کریم نے پہلی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ تو تشبیہ صرف نسخ میں ہے۔ اور نسخ بھی صرف مجازی یعنی ان سے بے نیاز کر دیا ہے نہ یہ کہ ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے بلاوجہ سمجھ رکھا ہے۔

امام قاسم بن فیر الشاطبیؒ (المتوفی ۵۹۰ھ) جو الامام العلامة احد الاعلام الکبار تھے مفتاح السعادة (ج ۲) کی مدح و تعظیم میں مشہور محدث ابوشامہ المقدسی الشافعیؒ (المتوفی ۶۶۵ھ) جو الحافظ العلامة اور المجتہد تھے۔ تذکرہ ج ۴ ص ۱۴۳) فرماتے ہیں کہ

رأيت جماعة فضلاء قازوا بروية شيخ محمد الشاطبي

وصلہ و عظمہ و یشی کعظیمہ الصحابۃ للنبی

(مفتوح السعادۃ ج ۲۸۸)

کہ میں نے فضلاء کی جماعت کو دیکھا جو شیخ مصر الشاطبی کی روایت میں کامیاب ہو گئے اور سب کے سب ان کی تعظیم اور مدح کرتے ہیں جیسے کہ صحابہ کرامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ کیا اب یہ کہنا شروع کر دیا جائے کہ محدث ابو شامہؒ نے حافظ الشاطبیؒ کو (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام پر جا پہنچایا ہے اور ان کے فضل شاگردوں کو صحابی بنا دیا ہے؟ اس کے بغیر اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ موصوف نے شاعرانہ تخیل کے تحت اپنی حسن عقیدت کا اظہار کیا ہے اور بس، نیز یہ بھی ملحوظ ہے کہ شبیبہ میں من کل العجلہ مشابہت بھی ضروری نہیں ہوتی کما لا یخفی۔

رجع الحدیث

بات یہاں سے چلی تھی کہ علامہ ذہبیؒ نے اہم خطیب بغدادیؒ امام ابو نعیمؒ اور اکثر متاخرین پر یہ تنقید کی ہے کہ انہوں نے بے تحاشا موضوع، جعلی اور من گھڑت روایات اپنی کتابوں میں درج کر کے سنت پر ظلم ڈھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ مگر بایں ہمہ نہ تو ان کی شخصیت پر مفتری اور کاذب وغیرہ ہونے کا فتویٰ درست ہے جس طرح کہ صاحب نتائج التعلید نے مصنف ہدایہ پر ظلم کیا ہے اور نہ مجموعی لحاظ سے ان حضرات کی کتابیں درجہ اعتبار سے ساقط ہیں جس طرح کہ مؤلف مذکور نے ہدایہ کو ساقط الاعتبار قرار دینے کی موجود سعی کی ہے۔ اب اس کے بعد ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آدم بربر مطلب کے بطور پر کچھ لفظیہ حوالجات عرض کرتے ہیں۔

حافظ محمد بن یوسف الصامی الشافعی (المؤلف ۹۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ:-

و لم تغتر بہما نقلہ للحافظ ابو بکر بن ثابت	حافظ ابو بکر خطیب بغدادی نے امام ابو حنیفہؒ
الخطیب البغدادی مما یجمل بتعظیم	کے بارے میں جو مجمل تعظیم باتیں نقل کی ہیں ان سے
الامام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ فان	دھوکا نہ کھانا، خطیب بغدادی نے اگرچہ پہلے
الخطیب وان نقل کلام المادحین	مدح کرنے والوں کی باتیں نقل کی ہیں مگر اس کے

فقد اعقبه بعلوم غیر ہم نشان کتاب
بذلک اعظم شین و صار بذالک
هدفاً للکبار والصغار و آتی بقاذورة لا
تغسلها البحار و عقوق الجمان من
بحواله ما تمس اليه الحجة طبع اصم المصالح
(کراچی)

بعد در سکر لوگوں کی باتیں بھی فسل کی ہیں۔
سوا اس وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب کو بڑا فخر
کریا ہے اور بڑوں اور چھوٹوں کے لیے ایسا کرنے
سے وہ بہت ملامت بن گئے ہیں اور انہوں نے
ایسی گندگی اچھالی ہے جو سمندر میں بھی نہ
دھل سکے۔

اور علامہ جمال الدین یوسف بن حسن بن عبد الباقی الحنبلی (المتوفی ۹۰۹ھ) اپنی کتاب
”تنویر الصبیحة“ میں لکھتے ہیں کہ :-

ومن المتعصبين علي ابی حنیفة الدارقطنی
والونعیم اھـ ربحواله ما تمس اليه الحجة
(۳۲)

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جن حضرات نے
تعصب برتا ہے ان میں امام دارقطنیؒ اور ابو نعیمؒ
بھی شامل ہیں۔

علامہ عینیؒ نے امام دارقطنیؒ کا متعصب ہونا ذکر کیا تھا جس پر دیگر اپنے ہم مشرب دوستوں
کی طرح مولف نتائج التقليد بھی سیخ پا ہو گیا دیکھئے ص ۱۸۹ وغیرہ مگر یہ نہ سوچا کہ اس میدان
میں تنہا عینیؒ ہی نہیں خود شافعی المسک وغیرہ بھی ان کو متعصب ہی کہتے ہیں ع
اس گناہیست کہ در شہر شمایز کنند !

اور علامہ محمد معین السدیؒ لکھتے ہیں کہ :-

وهذا الدارقطنی قد طعن فی امام الاثنیة ابی
حنیفة وضعفت ما دار علیه من الأحادیث
بسببه وكذلك الخطیب البغدادی
قد افترط فی ذالک ولم یعاب بہا وبمن
خذی حذوہما مع اتفاق علی توثیقہ وجہالة
قدم وعظیم متقیہم الی تالی ہما العلم
فی الثریا علی ما یشیر الیہ قوله صلی اللہ علیہ

امام دارقطنیؒ نے امام الاثنیۃ ابو حنیفہؒ کے بارے میں طعن
کیا ہے اور حدیثیں ان کے طریق سے مروی
ہیں ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور اسی طرح خطیب
بغدادیؒ نے بھی بہت ہی غلو سے کام لیا ہے مگر
ان دونوں اور ان کے نقشب قدم پر پھٹنے والے
حضرات کی اس کاروائی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ
امام ابو حنیفہؒ کی توثیق اور جلالت شان اور بڑی فضیلت

وسئلہ لو كان العلم في الثريا لثاله رجا

من فارس اه

(دراسات البیب ص ۲۸۹ طبع لاہور)

پر سبھی کا اتفاق ہے جس فضیلت کی طرف آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مشیر ہے کہ اگر علم

ثریا میں بھی پہنچ جائے تب بھی اتنی بلند سی سے

فارس کے کچھ لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔

امام شمس الدین السخاوی الشافعی (المتوفی ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

واما ما اسنده الحافظ ابو الشیخ فی کتاب

المسنة له من الکلام فی حق بعض الائمة

المقلدین وکذا الحافظ ابو احمد بن عدی

فی طامله والحافظ ابویکرا الخطیب فی تاریخ

بغداد واکثرون ممن قبلهم کان ابن ابی شیبہ

فی مصنفہ والبخاری والنسائی مما کنت

انزله من ایراده مع کونہم مجتہدین و

مقاصدہم جمیلة فینفی تجنب اقتنائہم

فیہ اه

(الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاريخ ص ۱۶)

مؤلف نتائج التعلیل اور مصنف حقیقۃ الفقہ اور اسی طرح ان کے دوسرے ہمنوا حضرات

کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جن جن حضرات نے کلام کیا ہے یا تو

وہ محض تعصب اور عناد و حسد کی پیداوار ہے جس کی ایک پرکاوہ کی حیثیت بھی نہیں ہے اور

بعض حضرات نے اگرچہ دیانتہ کلام کیا ہے مگر اس لئے کہ قائم کرنے میں جس اجتہاد سے انہوں

نے کام لیا ہے وہ سراسر باطل ہے کیونکہ تاریخ ان تمام غلط فہمیوں کو زنج و بن سے اکھاڑ رہی

ہے۔ اس لیے ان حوالجات سے مغالطہ آفرینی میں مبتلا ہونا یا دوسری کو دھوکا دینا انصاف و انصاف

کا جنازہ نکالنا اور محض تعصب اور حسد اور غیبت جیسے گناہ میں اکر رہنا ہونا ہے جیسا کہ شیخ الاسلام

ابن عبد البرؒ وغیرہ کے کلام سے نقل کیا جا چکا ہے۔

قاضي القضاة شمس الدين ابن خلکان الشافعي (المتوفى سنة ۶۸۱ھ) علامہ خطیب بغدادی کے اس غلط طرز پر گفتگو اور تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

وقد ذكر الخطيب في تاريخه منها شيئاً
كثيراً ثم اعقب ذلك بذكر ما كان
الايق تركه والاضراب عنه فمثل هذا
الامام لا يشك في دينه ولا ورعه ولا
في حفظه ولا يمكن لعاب بشيء سوى
قلة العديبة اهـ

خطیب نے اپنی تاریخ میں امام صاحب کے بارے میں
سے مناقب ذکر کئے ہیں اس کے بعد کچھ ایسی ناگفتہ
بی باتیں بھی لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض
کرنا بہت ہی مناسب تھا کیونکہ امام عظیم بیسی شخصیت
کے متعلق نہ تو ریاقت میں شبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ
وہ ع اور حفظ میں آپ پر کوئی ٹکڑ چینی بھڑ قلت
عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

(تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۵)

باقی عبارت تو بالکل صاف اور بے غبار ہے اہل البتہ آخری جملہ جس میں حضرت امام
ابو حنیفہ کی قلت عربیت کا ذکر کیا گیا ہے، محتاج تشریح ہے اور غیر مقلدین حضرات ان کی
قلت عربیت کی دلویا باقبیس کی مثال کو بھی لئے لئے پھرتے ہیں کہ ان کو تو نحو اور گریمری سے
واقفیت نہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حرف ب مابعد کو جبر دیتا ہے اور امام ابو حنیفہ اس کو جبر اور
خفص نہیں دے رہے۔ جب وہ عربیت ہی سے واقف نہیں تو پھر صحیح طریقہ پر استنباط مسائل اور
قیاس وہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اور ان کے ایسے اجتہاد کا بھلا اعتبار بھی کیا ہے؟

امام صاحب کا یہ مفروض عیب بھی تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔ زیادہ مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ ہم بجائے اسم المصیب اور تائیب الخطیب کے حوالوں کے کسی اور بزرگ کا حوالہ
کر دیں جو تنفی نہیں اور بقول غیر مقلدین حضرات مجتہد اور غیر مقلد ہیں تاکہ تعصب مذہبی اور مہنداری
کاشیہ باقی نہ رہے۔

العلامہ الحافظ محمد بن ابراہیم الوزير (المتوفى سنة ۸۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ:-

ولم كان الامام ابو حنيفة جاهلا ومن
حليته العلم عاصلا ما تطاقت جبال العلم
من الحنفية على الاشتغال بمذاهبه كالقاضي

اگر امام ابو حنیفہ جاہل اور زبرد علم سے عاری ہوتے تو
علماء حنفیہ میں علم کے پہاڑ ان کے مذہب پر کیوں متفق
ہوتے؟ مثلاً قاضی ابو یوسف محمد بن الحسن طحطاویؒ

ابی یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی و
والطحاوی و ابی الحسن الکرخنی و امثالہم
اصنافہم فعلماء الطائفة الحنفیة فی الهند
والشام و مصر و الیمن و الجزیرة و الحرمین
و العراقین مئتمنة و خمیسین من الهجرة
الی هذا التاریخ فینید علی ستاتہ سنة فہم
الوقت لایمضون و عوالم لایمضون من
اہل العلم و الفتوی و الودع و التقوی
فکیف یجبت فی هذا المعترض و یجوز علیہم
انہم تطالبوا علی الاسناد الی عامی جاہل
لایعرف ان الباء تجر ما بعدہا الخ

(الروض الباسم و امت الطبع مصر)

پھر اس کی مزید تفصیل و تشریح کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ :-

واما قوله بابا قیس فالجواب علیہ من وجہ
الاول ان هذا یحتاج الی طریق صحیح و
المعترض قد شد فی نسبة المضاح الی
اہلہامع اشتہار سماعہا و المحافظة علی
ضبطہا فکیف ہذا الروایة الشانی ات
ثبت بطریق صحیح فانه لم یشہد و لم
یمثل شہدہ صد و الفتی و دعوی
الاجتہاد عن الامام ابی حنیفۃ و قد تواتر
علمہ و فضلہ و اجماع علیہ و ین یقبح
فی المعلوم بالمظنون بل یعمال یتحقق ان

کشی، اور ابی جیسے اور اور ان سے دو گئے چوتھے حضرت
علماء و احداث کا طائفہ ہند، شام، مصر، یمن، جزیرہ عربین
عراق، عرب اور عراق علم (وغیرہ) میں ایک سو پچاس
ہجری (سنت) سے لے کر آج کی تاریخ تک
جو چھ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، ہزاروں
کی تعداد میں گزر چکے ہیں جو اس طے سے باہر ہیں اور
مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جو شمار میں نہیں آسکتے
جو اہل علم اور صاحب فتویٰ اور درجہ و تقویٰ کے مالک ہیں،
سو یہ معترض کیسے جرأت کرتا اور کس طے ان
کے حق میں یہ جائز سمجھتا ہے کہ وہ سب کے سب
ایک عامی اور جاہل و متفق ہو گئے ہیں جو یہ بھی نہیں
جانتا کہ حرف ب مابعد کو جرذینک ہے۔

اور بہر حال اس معترض کا بابا قیس کے لفظ
سے اعتراض تو اس کے کئی جواب ہیں۔ اول
یہ کہ امام صاحب کی طرف اس لفظ کی نسبت کسی
صحیح سند کے ساتھ ثابت ہونی چاہیے اور معترض
نے صحاح کو بھی ان کے اہل کی طرف نسبت کرنے
میں تشدد سے کام لیا ہے حالانکہ ان کی شہرت
سماعت اور ضبط و محافظت ناقابل انکار حقیقت
ہے سو اس (غیر صحیح) روایت کا کیا اعتبار؟ دوم
اگر یہ نسبت کسی صحیح سند سے ثابت بھی ہو جائے
تو اس کی شہرت اور سماعت اس پائے کی نہیں جس پائے

یہی مظلوماً الثالث انا لوقد بنا ان

ذالک صحیح عنہ بطلق معلومہ لعریقہ

بہ لہ نہ لیس بل ہولغۃ صحیحۃ

حکاء الفراء عن بعض العرب وانشدہ

ان اباہا و اباہا

قد بلغا فی المجد غایتاھا

(الروض الباسم ج ۱ ص ۱۶۲)

کی امام صاحب صدقہ فتویٰ اور دعویٰ اجتہاد کی نسبت

مشہور اور صحیح ہے اور تو اثر و اجماع سے ان کا علم و فضل

ثابت ہے، لہذا ایک معلوم حقیقت پر مظلوم چیز اعتراض کس

طرح پر ہو سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو مظلوم کھلنے کی بھی مستحق نہیں ہے

سوم، اگر ہم اس نسبت کو صحیح بھی تسلیم کریں کہ صحیح طرق سے

ان سے یہ ثابت ہے تو بھی یہ نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ غلط بلکہ

صحیح لغت ہے جیسا کہ مشہور فتویٰ فرار سے بعض عرب کے نقل کیا

ہے اور اس پر یہ شعر چڑھا ہے کہ

ان اباہا و اباہا

قد بلغا فی المجد غایتاھا

علامہ موصوف کی یہ عبارت بار بار پڑھئے اور دیکھئے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے

متبعین کے بارے میں موصوف نے کیا کہا ہے؟ اور کن الفاظ سے ان کی توصیف و مدح کی

سے اور کس طرح ان کو علم کا پہاڑ تسلیم کیا ہے؟ اور ان کے اہل علم اور صاحب فتویٰ اور ورع

و تقویٰ کے مالک ہونے کا فرہنگی کے ساتھ اقرار کیا ہے؟ اور یہی منصف مزاج اہل علم کی خوبی

ہوتی ہے کہ وہ حقیقت پر وہ نہ ڈالیں بلکہ صاف لفظوں میں اس کا اقرار کریں۔ بخلاف اس کے

معاندین اور متعصبین کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ حوالجات میں قطع و برید کر کے یا عاصدین اور متعبدین کے

حوالے چن چن کر نقل کرتے اور دل کی بھڑاس نکالتے ہیں اور ہر ناجائز طریق سے ان کو معیوب

و مطعون ٹھہرانے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں جس طرح کہ غیر مقلدین حضرات نے اور ان میں

خصوصیت سے مؤلف حقیقت الفقہ، شمع محمدی اور مصنف نتائج التقلید اور اس کے جملہ

مصدقین حضرات نے کیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے پیروں کو نہایت ہی جلی کٹی

سنائی ہیں اور ادھوڑے حوالے نقل کئے ہیں اور ان کے فضائل سے بالکل آنکھیں

بند کر لی ہیں۔ نکاح ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنین کنند!

مؤلف حقیقت الفقہ کا بیجا تعصب

موصوف نے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور علم حدیث کے عنوان سے ایک مرفعی قائم کی ہے اور آگے کئی ایک نامکمل اور اوصوئے اور ضعیف حوالے نقل کئے ہیں مثلاً علامہ ابن خلدونؒ کا صرف یہی حوالہ نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان کو سترہ حدیثیں پہنچی ہیں۔ (لفظ حقیقت الفقہ حصہ اول ص ۱۷) اور اس کے ماقبل اور مابعد کی ساری عبارت جس میں علامہ ابن خلدونؒ نے اس روایت کی تردید کی اور امام صاحبؒ کو من کبار المجتہدین فی علوم الحدیث کہا، شہپر سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اور آگے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر صریح کا عنوان دے کر متعصبیں اور حاسدین اور کچھ ایسے حضرات کے حوالے نقل کئے ہیں جو خود غلط فہمی کا شکار ہیں جس کی ہم نے باحوالہ مبسوط بحث پہلے عرض کر دی ہے وہاں ہی دیکھ لیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور پھر مصنف حقیقت الفقہ نے حصہ اول ص ۱۷ میں تو کمال ہی کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

”ایضاً اسمائے گرامی ان ائمہ محدثین فقہاء و فضلاء کے جنہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو ناقص الحافظ اور حدیث کم جاننے والا اور اس کی جانچ و پرکھ میں ناقص اور نیز عربی زبان میں ناقص بتلایا ہے اور ان کے عقائد و مسائل پر اعتراض کیا ہے، یہ ہیں الخ“ اور پھر آگے اسی حضرات کے نام درج کئے ہیں جن میں امام ابو یوسفؒ، عبد اللہ بن المبارکؒ، علی بن المدینیؒ، منکب بن ابراہیمؒ، حافظ ابن عبد البرؒ علامہ ذہبیؒ، یزید بن ہارونؒ، وکیع بن الجراحؒ، اسرائیلؒ، امام عبد الوہابؒ، شعرائیؒ، ملا عینؒ، مولانا عبد الحمیؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نام بھی مذکور ہیں۔ ان میں سے بیشتر حضرات کی صریح عبارتیں پہلے عرض کی جا چکی ہیں کہ وہ امام صاحبؒ پر جرح کرنے والوں کو دندان شکن جوابات دیتے ہیں مگر صد افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے انتہائی بددیانتی اور پوری بے حیائی کے ساتھ خالق و خلق کی شرم سے بے نیاز ہو کر یہ لکھ دیا ہے دندان شکن جواب

ہم مؤلف حقیقت الفقہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی پوری جماعت کی کوشش صرف کر کے ہمیں یہ بتائے کہ ان حضرات مذکورین کی امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اپنی یہ رائے تھی کہ وہ ناقص الحافظ، حدیث کم جاننے والے اور کچھ میں ناقص اور عربی زبان سے ناواقف اور عقائد و

مسائل میں قابل ملامت تھے کیا مولف حقیقت الفتحہ اور اس کی پوری جماعت میں یہ دم ختم ہے کہ وہ ان حضرات سے اپنی قائم کردہ سُرخ کا ایک ایک دعویٰ باحوالہ ثابت کرے؟ فہم

من مبارک! ع

کلب ما نیر زبانیہ و سیاہی داریہ

یہ ٹھیک ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے امام صاحب پر اعتراضات کرنے والوں کے بعض اقوال نقل کئے ہیں مگر ساتھ ہی ان کی پُر زور تردید بھی کر دی ہے۔ یہ کتاب بڑا جمل اور تلبیس ہے کہ ان اکابر پر یہ صریح بہتان اور خالص جھوٹ تراشا گیا ہے۔ مگر صد حیرت اور ہزار افسوس ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی ان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی فتنہ نہیں آتا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ لیکن یہ

حقیقت ہر نقابِ زندگی سے رونا ہوگی

نظر کی قوتوں کو امتیازِ حق و باطل دے

کیا احناف میں بھی کوئی ولی ہوا ہے؟

حقیقت الفتحہ جلد اول ص ۸۵ میں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے۔ کیا حنفی مذہب میں ولی ہوئے ہیں؟ اکثر حنفی کہا کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے حق ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اس مذہب میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے ہیں اس کا جواب بگوشِ دل ملاحظہ ہو۔

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ جن کو چاروں مذہب والے بڑا ولی مانتے ہیں وہ صاف اس بات سے انکار کرتے ہیں چنانچہ طبقات ابن رجب ج ۲ ص ۲۰۲ میں ہے۔

قيل للشيخ الجيلائي هل كان لله وليا
عفي غير اعتقاد احمد بن حنبل فقال

ہیں نہ ہوں گے (انتہی بلفظ)

ما كان ولا يكون

الجواب

یہ استدلال کئی وجہ سے باطل اور مُردوس ہے۔ اولاً اس لیے کہ ہم نے ابھی الرقص الباسم کی عبارت نقل کی ہے جس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ حضرت امام عظیمؒ کے متبعین میں علم

کے سپاڑ، صاحبِ فتویٰ اہل علم اور تقویٰ اور ورع کے ساتھ متعصفت عیساں ہمتہ ان گنت حضرات گزرتے ہیں۔ اور اگر اہل تقویٰ اور متقی اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں تو اور کون ولی ہوگا؟ قرآن پاک میں تو یوں آتا ہے کہ **اَلَا اِنَّ اَوَّلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** **الَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُوْنَ** **لَهُمْ الْبُشْرٰى الْاٰتِيَةُ** اور بفضلِ تعالیٰ احناف میں مختلف ممالک کے اندر بقول حافظ محمد بن ابراہیم الوزير ہزاروں مشقی اور ولی گزرتے ہیں اور فنِ حدیث کے دوسے مثبت روایت ثانی سے اولیٰ ہوتی ہے۔ کیا بزعیم خویش اہل حدیث کہلانے والے اس اصول سے گریز کر سکتے ہیں؟ اور اگر کریں بھی تو اس کی وقعت کیا ہے؟

وٹائی دعویٰ تو یہ ہے کہ کیا حنفی مذہب میں ولی ہوتے ہیں؟ اور دلیل یہ ہے کہ حنبلی مذہب کے بغیر نہ کوئی ولی ہو سکتا ہے اور نہ ہوگا۔ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے، تقریباً تم نہیں سمجھتے اس لیے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے **وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ** مذكور نے علیٰ غیر اعتقاد احمدؒ کا ترجمہ مذہب کیا ہے جو غلط ہے کیونکہ فقہی طور پر مذہب مسلک کے معنی میں ہوتا ہے اور یہاں اعتقاد کا ذکر ہے اور عقیدہ میں تمام ائمہ متفق تھے ان میں کوئی بھی علیٰ غیر اعتقاد احمدؒ بن حنبلؒ نہ تھا۔ ہاں البتہ غیر مقلدین حضرات جو اہل اسلام کی عقیدہ کو شرک کہتے ہیں وہ علیٰ غیر اعتقاد احمدؒ بن حنبلؒ ہو سکتے ہیں اور یہ ارشاد ان پر فٹ ہو سکتا ہے۔

ورابعا حنفیوں کو تو جاننے دیجئے، ان کے ساتھ آپ حضرات کا خدا واسطے کا بیڑ اور حمد ہے۔ مان لیجئے کہ ان میں سرے سے کوئی ولی نہیں ہوا لیکن کیا آپ کا ضمیر دبشڑیلکہ کہیں ہو بھی؟ یہ ماننا ہے کہ مالکیوں اور شافعیوں میں بھی نہ کبھی کوئی ولی ہوا اور نہ ہوگا؟ دل کی اور ایمان کی کتنا۔ ہم تو بخدا اس کے ہرگز قائل نہیں کہ مالکیوں اور شافعیوں میں کوئی ولی نہیں گزرا بلکہ ہم سب اہل دہلی یہ کہتے ہیں کہ ان میں بھی سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں اولیاء اللہ گزرتے ہیں۔

وخاصا اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حنبلی مذہب کے بغیر کبھی کوئی ولی نہیں گزرا اور نہ ہوگا تو اس سے غیر مقلدین حضرات کو کیا فائدہ؟ آخر حنبلی مذہب بھی تو مقلد فرقہ ہے، ولایت تو پھر بھی مقلدین ہی میں رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین میں نہ تو کبھی کوئی ولی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ حضرت پیران پیرؒ کی بات جو ولی مسلم ہیں کیونکہ غلط اور خطا ہو سکتی ہے؟ لا محالہ ولایت مقلدین ہی کے

اندھے کی۔ بڑے بھائیوں کو نہ ملی چھوٹوں کو مل گئی کیوں نہ ہو آخر بڑے میاں تو بڑے میں
چھوٹے میاں سبحان اللہ مشہور ہی ہے۔ یہ دراشت عینی غلطی اور اخلاقی بھائیوں کو مل سکتی ہے۔
ان کی موجودگی میں بے پاکوں کو دراشت کس طرح مل سکتی ہے؟ دیکھا آپ نے کہ غیر مقلدین حضرات
بکار خویش کیسے ہوشیار ہیں کہ حقیقوں کو زک پہنچانے کی خاطر مالکیوں اور شافعیوں کو بھی ولایت کے
دفتر سے خارج کر دیا ہے مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ

چمن دیکھے نہیں ہم نے کہ ویرانے نہیں دیکھے

کہیں غافل بکار خویش فرزانے نہیں دیکھے

مؤلف حقیقت الفقہ حصہ سوم ص ۱۹ میں المسجد الحرام میں حنفی مصلیٰ کے بارے میں لکھتا ہے کہ۔
اس مقام پر قدیم دار الندوہ مشرکین عرب کا تھا جہاں بیٹھ کر ابو جہل وغیرہ گفت
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ (تاریخ نبوی ص ۱۵)
یہی وجہ ہے کہ اس کا اثراب تک محمدیوں کے مقابل کام کر رہا ہے۔ (انتمی بلفظہ)

الجواب

یہ بالکل مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ مستند تاریخی کتابوں سے اس کا ثبوت درکار ہے۔

وثانیاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا مسجد نبوی کی جگہ مشرکین کی قبریں نہ تھیں؟

(ملاحظہ ہو بخاری ص ۱۸ وغیرہ) جن کو عذاب قبر بھی ہوتا رہا ہوگا۔ تو کیا مسجد نبوی کا اعتبار اور احترام
نہیں کرنا چاہیے؟ اور کیا کسی غیر مقلد نے مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی؟ فرمائیے تو یہی اصرار
نظر اس سے کیا کعبہ میں تین سو ساٹھ بٹ نہ تھے؟ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۸ھ
میں فتح مکہ کے موقع پر دور کیا تھا تو کیا معاذ اللہ کعبۃ اللہ کا احترام ترک کر دیا جائے؟ ہوش
میں آکر جواب دیں۔

ایک اور اعتراض

بعض غیر مقلدین حضرات کثرت فقہ حنفی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے لیے یہ بھی کہا کرتے
ہیں کہ بعض کتابوں میں یہ شعر بھی لکھا ہے کہ

فلعنۃ ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفۃ

چنانچہ حقیقت الفقہ حصہ سوم ص ۱۸۱ میں بحوالہ در مختار ص ۲۶۱ یہ شعر نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "لعنت ہو ہمارے رب کی بقدر شمار ریت کے اُس شخص پر جو ابو حنیفہؒ کے قول کو رد کرے یعنی قبول نہ کرے" (انتہیٰ بنظر) اور آگے لکھا ہے کہ "صاحبین یعنی امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں امام محمدؒ و ابو یوسفؒ نے تین ٹکٹ سے زیادہ مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کا خلاف کیا ہے" در مختار ص ۲۶۲ (حقیقت الفقہ حصہ دوم ص ۱۸۱) گویا یہ بھی مردود ٹھہرے۔ (معاذ اللہ)

الجواب :-

اس اعتراض کا تعلق اگرچہ حضرت امام صاحبؒ کی ذات سے نہیں، اس لیے کہ یہ ان کا قول نہیں بلکہ یہ امام عبد اللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) کی طرف منسوب، (دیکھئے متدرجہ الرجال ص ۲۳ وغیرہ) مگر چونکہ اس سے امام صاحبؒ کی فقہ کو رد کرنا مقصود ہے۔ اس لیے اس کا جواب بھی ہم عرض کئے دیتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ رد اور اختلاف میں کافی فرق ہے۔ یہ قول امام صاحبؒ کے شاگرد کا ہے اور ان کے ان مسائل کے بارے میں ہے جو ان کے علم کے مطابق قرآن و حدیث کے عین مطابق تھے اور انکار و کرنا لا تحقق لعنت ہی ہے۔ متاخرین کے مسائل و تحریجات جو غیر مجتہدین کے قیاسات ہیں وہ اس سے مراد نہیں ہیں اور اپنے استاد کے متعلق ایسی حق تعالیٰ جوش مجتہد اور فراطع شوق کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ اس کو اگر غلو فی العقیدت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہو چنانچہ غیر متقدمین حضرات کے شیخ اہل مولانا سید نذیر حسین صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

» اساتذہ کا ادب :- میاں صاحب اپنے اساتذہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ بن مولانا شاہ عبدالعزیز اور جناب مولانا شاہ محمد اسحاق قدس سرہم اور ان کے خاندان کا بہت ادب کرتے، اکثر قرآن و حدیث کے ترجمے کے موقع پر فرماتے تھے اس کا مقررہ ترمیم سنو جو ہمارے بزرگوں سے سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے اور بیان مسائل میں بھی انہی بزرگوں کے اقوال سے سنتے اور فرماتے ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں، اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر یہ کہہ دیا کہ حضرات کا کہنا سند نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے تو بہت غنا ہو کہ فرماتے، مردود! کیا یہ حضرات گھس گھس کئے تھے ایسی

ہی اُردان گھائی اٹائے ہیں؟ (ملفوظ الحیات بعد المات ص ۲۳)

حضرت میاں صاحب کا حلقہ دس بہت وسیع اور شاگرد کثیر تعداد میں ہوتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسا اعتراض مولانا ابو طیب محمد شمس الحق صاحب ڈیرا فوی، مولانا حافظ عبد العزیز صاحب رحیم آبادی، مولانا شہار اللہ صاحب امرتسری، مولانا محمد بشیر صاحب سہوانی، مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازی پور، مولانا عبد الرحمن صاحب مبارک پوری، مولانا محمد حسین صاحب بیٹا فوی اور مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی یا اس قسم کے جبری، ذکی اور دلیر ہی کر سکتے تھے ورنہ ہر کہ و مہ کو اتنی بھری مجلس میں سوال کرنا بھی کلمے وارد مگر حضرت میاں صاحب مرحوم ان معترض حضرات کو اس لیے مردود کہتے ہیں کہ انہوں نے اُن کے اساتذہ کرام کے بارے میں اعتمادی کا اظہار کیا ہے۔ اور اگر کوئی امام ابو حنیفہ کی شان رفیع میں انتہائی بے اعتقادی کا ذکر کرتا ہو امدان کے قول کو محض تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے رد کرتا ہو جن کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کو حضرت میاں صاحب مرحوم کے اساتذہ کرام بھی نہ صرف یہ کہ تسلیم کرتے ہوں بلکہ ان کی تقلید کر اپنے گلے کا ہار بناتے اور سمجھتے ہوں اور اُمت کی اکثریت ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو اگر کوئی صاحب فرطِ مجتہد اور خوش عقیدت میں آکر شاعرانہ تخیل کے تحت ایسا کہے تو وہ کیونکر باعثِ ملامت ہو سکتا ہے؟ اور جن کتابوں میں اس کا ذکر ہے وہ کیونکر ناقابلِ اعتبار بٹھرائی جاسکتی ہیں؟ اگر یہی طرزِ استدلال ہے تو الحیات بعد المات کو ناقابلِ اعتبار سمجھنا چاہیے۔ جس میں حضرت میاں صاحب کے اساتذہ پر بے اعتقادی کرنے والے کو مردود کہا گیا ہے بلکہ خود حضرت میاں صاحب پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے جنہوں نے اپنے اساتذہ پر بے اعتقادی کرنے والے کو مردود کہا ہے۔

کیا اصحاب ابی حنیفہ نصاریٰ کے مشابہ ہیں؟

مؤلف نتائج التعلیٰ نے اصحاب ابی حنیفہ کو بزرگِ خود نیچا دکھانے اور ان کی علمی خدشات اور عملی کمالات کو دریا برد کرنے کے لیے یوں گوہر افشانی کی ہے کہ بہ

۱۔ ایک دوسرا قول حضرت خلیفہ نے بسند صحیح یزید بن ہارون ایسے نامہ بند کا اس طرح نقل کیا ہے: ہمیں واسطی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محترم یزید بن

ہارون سے یہ کہتے ہوئے مناسبتاً ہارون قوماً اشبد بالنصارى من
اصحاب ابی حنیفۃ۔ حنفیوں سے زیادہ عیسائیوں کے مشابہ میں نے دوسری
قوم کوئی نہیں دیکھی۔

(ترجمہ ابو حنیفہ ہارون بن عیسیٰ بغدادی، بلغلہ نتائج التعلیہ ص ۱۰)

الجواب :-

مؤلف مذکور کا اس سے استدلال سراسر باطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ مؤلف مذکور
اس قول کو بند صحیح کہتا ہے۔ پہلے اس کی سند بتائے کہ کہاں ہے؟ یہ روایت تاریخ بغداد
ج ۳ ص ۱۲ طبع مصر میں یوں آئی ہے۔ وقال ایوب بن شاذ بن یحیی الواسطی صاحب بنید
بن ہارون الخ علامہ خطیب کی وفات ۶۲۰ھ میں اور حضرت یزید بن ہارون کی وفات
۲۰۶ھ میں ہوئی ہے۔ درمیان میں ۲۵۰ سال کا طویل زمانہ ہے لیکن درمیان کاراوی
صرف ایک ہے۔ خطیب بغدادی سے لے کر ایوب بن شاذ تک سند کی کمی کڑیاں اور
راوی غائب ہیں مگر مؤلف نتائج التعلیہ خیانت یا جہالت کی وجہ سے اس کو بند صحیح کہہ رہا
ہے۔ اور غرض یہ کہ ان کے جملہ مصدقین اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

ناظرہ سرگزیاں کہ اسے کیا کہئے!

و ثانیاً یہ روایت ایوب بن شاذ سے ہے نہ کہ یحییٰ واسطی سے جیسا کہ مؤلف نے
حنفیوں کو نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ دینے کی خوشی میں یہ سمجھ رکھا ہے۔

و ثالثاً مؤلف مذکور (اور اس کی جماعت) کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایوب بن شاذ کمال
بتائے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف؟ معروف ہے یا مجہول؟ کیونکہ اسماء الرجال کی معروف
کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں مل سکا۔

و رابعاً ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جن روایات سے علامہ خطیب بغدادی نے
امام صاحب کے مطالب بیان کئے ہیں ان کے اکثر روایات منکرم فیہم ہیں۔

و خامساً حضرت یزید بن ہارون سے حضرت امام ابو حنیفہ اور آپ کی فقہ اور کتابوں کی
فضیلت باحوالہ پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ پھر اسی سے باآسانی امام صاحب کے اصحاب

کا انداز لگایا جاسکتا ہے۔

غرضیکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ آپ کی فہم اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین پر جتنے بھی اعتراضات قدیم و جدیداً تراشے گئے ہیں، ان میں بیشتر تعصب اور حسد پر مبنی ہیں اور جو ریاست اور اجتہاد پر مبنی ہیں تو ان میں بھی رائے قائم کرنے والے حضرات کی خطا ہے اور اپنے مقام پر ان کے صحیح جوابات موجود ہیں جیسا کہ ہم نے بہت سی باتیں باحوالہ عرض کر دی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمام علوم و فنون میں فہم ایک شکل اور دقیق علم ہے اس میں ہر کہ وہ کو رائے قائم کرنے اور اس کی باریکیوں کو سمجھنے کی اہلیت کہاں حاصل اور نصیب ہو سکتی ہے؟ اس کے مثبت اور منفی پہلو پر اور اس کے مسائل کی حدود کو صرف وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وافر نصیب اور فی الجملہ اجتہاد کا ملکہ مرحمت ہوا ہو اور فہمی مسائل کی خامیاں بھی صرف وہی ارباب علم بیان کر سکتے اور اس کے مجاز ہیں جو اس کی دقیق و عمیق گہرائیوں سے واقف ہیں محض ظاہری اور سطحی قسم کا آدمی اس میں کیا رائے دے سکتا ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ یہ سائنسی دور ہے اور اس ترقی یافتہ دور میں اتنی اور ایسی ایسی کتابیں طبع ہو چکی ہیں جن کا تصور بھی سلف صالحینؒ کے سابق اُردوار میں نہیں کیا جاسکتا اور اس لحاظ سے علم کا طول و عرض خوب بڑھ گیا ہے اور اسی وجہ سے بعض کوتاہ نظر اشخاص کو علما متقدمین کے مقابلہ میں اجتہاد اور خود بینی کے خواب آئے ہیں اور ہجوم دیگرے نیست کے چکر میں اُلجھے ہوئے ہیں لیکن اس پر مطلقاً غور نہ کیا کہ اگرچہ آج کل علم و فن میں طول و عرض تو خاصا ہے مگر افنوس کہ عمق اور گہرائی نہیں اور سلف صالحینؒ کے علم میں گو بعض وجوہ سے ایسا طول و عرض تو نہ ہو مگر ان کو بڑا قوی حکم حاصل تھا اور ان کا علم عمیق اور بڑا مضبوط تھا اور دینی اعتبار سے اعتبار صرف انہیں کا ہو سکتا ہے نہ کہ ایسے متأخرین کا ہاں جو نئے حوادث اور مسائل دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور سابق زمانوں میں ان کا وجود نہ تھا ایسے مسائل میں ہر دور کے جید اور محقق علماء کی رائے معتبر ہوگی اس کے رد کی کوئی وجہ نہیں ہے اور غلط بحث علماء کی شان نہیں اس صدی کے ممتاز اور متبحر عالم حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۵۶ھ) سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند جو اپنے علم و فضل، ذہانت و حافظہ، وقت نظر اور وسعت

مطالعہ کے لحاظ سے علماء متقدمین کی زندہ یادگار تھے اور ان کے بعد علمی اور تحقیقی مقام کے اعتبار

سے بلا مبالغہ ان کی کوئی نظیر پیدا نہیں ہوئی، فقہ کے بلے پر ارشاد فرماتے ہیں :-

واعلم انه ما من فن الاولي فيه رائی غیر

الفتہ فانی فیہ مقلد صرف ولا اسی فیہ

حقاً الا لمن حصل له الاجتهاد -

کسی کے لیے میں (رائے زنی کا) حق نہیں سمجھتا بجز

اُس کے جس کو اجتہاد حاصل ہو۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۱)

غور فرمائیے کہ موصوف نے کیا فرمایا؟ جب فقہ کا مقام اتنا مشکل اور باریک ہے تو اس میں یہ فقہاء
امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی غلطیاں نکالنا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے
کیونکہ خود معترض کو اس فن کی باریکیوں تک سائی حاصل کرنے کی اہلیت حاصل ہو تو پھر اس کی بات
اور اعتراض کا کچھ وزن ہو سکتا ہے اور نہ اس کی ایسی تنقید آفتاب پر پھوکنے کے مترادف ہے
اور مشہور ہے کہ جو آفتاب پر پھو کے گادہ اس کے منہ پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں سلف
صالحین کی محبت اور اتباع کا جذبہ پیدا فرمائے اور ان کے ساتھ سوء ظن سے محفوظ رکھے آمین
وصلی اللہ تعالیٰ علی خدیخہ مصلیٰ علی آلہ واصحابہ وجميع متبعیہ الی یوم القیمہ آمین

احقر العباد

ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ

مدرسہ رسم نصیۃ المسلم گوجرانوالہ

۲۴ ذوالحجہ ۱۴۳۸ھ ۲۹ مئی ۱۹۶۳ء

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن تقریر ترمذی طبع سہ ماہی	احسن الکلام مسئلہ قافہ خوف اللہ	تسکین الصدور مسئلہ دیانت	الکلام المفید مسئلہ عقیدہ پر عمل بحث	ازالۃ الوب مسئلہ طہارت پر عمل بحث
راہ سنت ردہ غایت پر لایا گیا ہے کتاب	آنکھوں کی خشک مسئلہ مضرہ ہر پر عمل بحث	احسان الباری جاری خیرات کی ابتدائی امانت	طائفہ منصورہ جہات و بلاد کے بارے میں امانت	ارشاد الشیعہ شیر نظریات کا رد عمل جواب
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	عبادات اکابر اکابر علماء دین کی عبادات پر احکامات کے احکامات	تبلیغ اسلام ضروریات دین پر مقرر بحث	گلدستہ توحید مسئلہ حید کی وضاحت	دل کا سرور مسئلہ غفلت کی مدد پر عمل بحث
راہ ہدایت آیات و احکامات کے ہدایت کی حقیت کی وضاحت	بانی دارالعلوم دیوبند ۱۲۰۰ھ تا ۱۳۰۰ھ کے مکتوبات	ینا بیع نیر مکتبہ علم ہر بار کا مکتبہ	چراغ کی روشنی مکتبہ علمی کے ہدایت کی روشنی	مسئلہ قربانی قربانی کی احکامات کے بارے میں بحث
مقالہ ختم نبوت آیت و احکامات کے بارے میں بحث	المسلک المنصور رد و شرح البیان	اتمام البیروان رد و شرح البیان	حلیۃ المسلمین واضحی کا مسئلہ	توضیح المصرا فی رد و شرح البیان
آئینہ محمدی سیرت پر مختصر رسالہ	شوق حدیث بحیث حدیث پر عمل بحث	ملا علی قاری علم غیب و مضرہ ہر	تنقید متین بر تفسیر قیم الدین	باب جنت جواب راہ جنت
مودودی صاحب کا غلط فتویٰ	تفریح الخواطر بجواب تحریرات الخواطر	چہل مسئلہ حضرات پر عمل بحث	عمدة الاثبات تین طہارتوں کا مسئلہ	الشہاب المسین الشہاب الثاقب
سماع موتی چالیس دعائیں	مقالہ ابی حنیفہ صرف ایک اسلام	حکم الذکر بالجہر شوق جہاد	اخفاء الذکر ذکر آہستہ کرنا چاہیے	مرزا کا جنازہ اور مسلمان
اطیب الکلام مختصر احسن الکلام	اکابر حدیث کے نتائج منکرین حدیث کا رد	مرزا کا جنازہ اور مسلمان	مجدد بانہ و اولیاء مجدد بانہ و اولیاء	غیر مقلدین کے متضاد فتوے

خزائن السنن جلد دوم کتاب الطہار	جنت کے نکاح طہارت کی حکمت کی کتاب	حمیدیہ نیر مکتبہ علم ہر بار کا مکتبہ	امام ابو حنیفہ عادلانہ و قاف	غیر مقلدین کے متضاد فتوے
بخاری شریف نیر مکتبہ علم ہر بار کا مکتبہ	مستون طریقہ نیر مکتبہ علم ہر بار کا مکتبہ	جواب مقالہ تین حکمتوں کے مسئلہ مقالہ کا	شرح الکافیہ الدروس الواضحة	بدعت ہے مرد قضاے عمری

